علی ابن ابو طالب کی زندگی

ShaykhPod BOOKS

ShaykhPod URDU

مثبت خصوصیات کو اپنانا ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی

شیخ پوڈ کتب

شیخ پوڈ کتب، 2024 کے ذریعہ شائع کیا گیا۔

اگرچہ اس کتاب کی تیاری میں تمام احتیاط برتی گئی ہے، ناشر غلطیوں یا کوتاہی یا یہاں موجود معلومات کے استعمال کے نتیجے میں ہونے والے نقصانات کے لیے کوئی ذمہ داری قبول نہیں کرتا ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی

دوسرا ایڈیشن۔ 18 مارچ 2024۔

کاپی رائٹ ©2024 شیخ پوڈ کتب۔

شیخ پوڈ کتب کے ذریعہ تحریر کردہ۔

فہرست کا خانہ

فہرست کا خانہ

اعترافات

مرتب کرنے والے کے نوٹس

تعارف

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ میں زندگی

ایک مبارک پیدائش

ایک بابرکت پرورش

اندھی تقلید سے بچنا

سچائی

اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں زندگی

دوسروں کے لیے اخلاص

دوسروں کی رہنمائی کرنا

ایک بری اجتماع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اخلاص

مدینہ کی طرف ہجرت

ٹرسٹ کو پورا کرنا

ہجرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوران مدینہ میں زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

ایک خوبصورت میراث

قرآن پاک سے اخلاص

متعلقہ مسائل کو حل کرنا

علم کی تلاش

بہترین ساتھی

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

ہجرت کے بعد دوسرا سال

بدر کی جنگ

عظمت عاجزی میں ہے۔

ڈوئل

ایک مہربان عمل

ایک مبارک شادی

ایک سادہ زندگی

کمائی کی اہمیت

درس و تدریس میں اخلاص

ہجرت کے بعد تیسرا سال

جنگ احد

مشن کو جاری رکھنا

مشکلات میں اطاعت

ہجرت کے بعد چوتھا سال

بنو نضیر

بدلہ لینا چھوڑنا

دوسری بدر

ہجرت کے بعد پانچواں سال

جنگ احزاب

ثابت قدمی اطاعت

ایک ایگزٹ

بنو قریظہ

نتائج کا سامنا کرنا

غداری

ہجرت کے بعد چھٹا سال

آگ کی دو زبانیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہتان - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شیئرنگ کے مسائل

چیزوں کو جانے دینا

معاہدہ حدیبیہ

تقویٰ کے لیے آزمایا

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

سچی محبت اور خلوص

شیطانی سازشیں ناکام

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے محبت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص

ہمدردی

الٰہی محبت

مالک، محافظ اور دوست

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنا

دوسروں کی رہنمائی کرنا

دورہ)عمرہ(

کمزوری کے بغیر عاجزی

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

فتح مکہ

سب سے پہلے اسلام کے لیے اخلاص

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

اسلام نرمی ہے۔

لوگوں سے اخلاص

حنین کی جنگ

اطاعت میں فتح

طائف کا محاصرہ

نرمی اور دوسرا امکان

ہجرت کے بعد نواں سال

نیک کردار جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

تبوک کی جنگ

پریشانی پیدا کرنے والے

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

مقدس زیارت کو پاک کرنا

سچی عقیدت

حقیقی خوبصورتی

عیسائی وفد کا مدینہ منورہ کا دورہ

ظاہری ثبوت

ہجرت کے بعد 10 واں سال

بہترین بنیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا

سچا ہونا

اعتماد دکھا رہا ہے۔

اعمال کا مثبت انداز میں فیصلہ کرنا

انصاف کرو

الوداعی مقدس زیارت

سچی قربانی

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

قیادت کی خواہش سے بچیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ کی عبادت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی زندگی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب

فرمانبردار رہنا

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت

حق کا ساتھ دینا

اتحاد

ایک مخلص مشیر

خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات

دوسروں کی حمایت کرنا

ایک دیانت دار تعریف

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت

ایک کنسلٹنٹ

اسلامی کیلنڈر

نیک سلوک

عوام کی قیادت

قابل اعتماد ہونا

برکتیں رکھنا

خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا

حکمرانی

ایک عمدہ رول ماڈل

اچھی صحبت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت

تیسرا صحیح ہدایت والا خلیفہ

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

قرآن مجید کو جمع کرنا

صبر کو اپنانا

خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلیفہ کی قربانی

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت

مزید ہنگامہ آرائی

قیادت کی خواہش

انصاف کا نفاذ

باہمی محبت

ایک خوبصورت خطبہ - 1

ایمانداری اور عاجزی

سچی رہنمائی پر عمل کریں۔

معلومات کی تصدیق کرنا

دنیا سے لاتعلقی کی تعریف

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

جنت کا راستہ

گورنر کو مشورہ

متوازن ذہنی حالت

سچا مسلمان اور مومن

دوسروں کی مدد کرنا

ٹرسٹ کو پورا کرنا

دوسروں کی نگرانی کرنا

چیزوں کو آسان بنانا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف

تنازعات کو درست کرنا

خلیفہ کی ہجرت

مفاہمت

اونٹ کی جنگ

شیطانی منصوبے

بھائیو

نرمی

چیزوں کو جانے دینا

خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی کوفہ کی طرف ہجرت

خلافت کو منتقل کرنا

خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف

سیفین کی جنگ

مزید مسائل

جنگ بندی کا مطالبہ

اعلیٰ اخلاق کی پابندی کرنا

مشکوک اور ناجائز

قیامت کے دن کی تیاری

ایک غلط خصلت

امن کے لیے کوشاں ہیں۔

اینیگیڈز)خارجی(آر

نئے باغی

باغیوں سے نمٹنا

ایک زبردست بہتان

زندگی کا احترام کرنا

نہروان کی جنگ

باغیوں سے لڑنا

اسٹینڈنگ فرم

درست ادراک

باندھتے ہیں جو باندھتے ہیں۔

شائستگی

رات کی نماز

حکمت کے الفاظ - 1

حکمت کے الفاظ - 2

حکمت کے الفاظ - 3

درست طریقے سے حکم دینا

ایک سادہ زندگی

اچھا خرچ

سنت پرستی کے پہلو

حکمت کے الفاظ – 4

برکتوں میں اضافہ

ایک خوبصورت خطبہ - 2

عقلمندوں سے مشورہ کرنا

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

انصاف کو پکڑنا

مساوات

علم کی اقسام

ایک خوبصورت خطبہ - 3

تقویٰ کے پہلو

حکم الٰہی

ایک خوبصورت خطبہ – 4

ایک متوازن غذا

حقیقی شرافت

اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

اسلام کو مکمل کرنا

اچھی صحبت کی اہمیت

سماجی آزادی

لوگوں کا بہترین

مومن کی صفات

گمنام بندے۔

ایک خوبصورت خطبہ – 5

ایک خوبصورت خطبہ – 6

حکمت کے الفاظ - 5

منصفانہ کاروبار کو یقینی بنانا

سود کے خلاف وارننگ

جج کی خصوصیات

ظلم سے بچنا

علم کے درجات

مذہبی آزادی

آخرت کی آرزو کرنے والا

خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت

ختم شد

آخری الفاظ

ایک عمدہ تفصیل

ایک سچی تعریف

نتیجہ

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

اعترافات

تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں، جو تمام جہانوں کا رب ہے، جس نے ہمیں اس جلد کو مکمل کرنے کی تحریک، موقع اور طاقت بخشی۔ درود و سلام ہو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر جن کا راستہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی نجات کے لیے چنا ہے۔

ہم شیخ پوڈ کے پورے خاندان، خاص طور پر اپنے چھوٹے ستارے یوسف کے لیے اپنی تہہ دل سے تعریف کرنا چاہیں گے، جن کی مسلسل حمایت اور مشورے نے شیخ پوڈ کتب کی ترقی کو متاثر کیا ہے۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم پر اپنا کرم مکمل فرمائے اور اس کتاب کے ہر حرف کو اپنی بارگاہِ عالی میں قبول فرمائے اور اسے روزِ آخرت میں ہماری طرف سے گواہی دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور بے شمار درود و سلام ہو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر، آپ کی آل اور صحابہ کرام پر، اللہ ان سب سے راضی ہو۔

مرتب کرنے والے کے نوٹس

ہم نے اس جلد میں انصاف کرنے کی پوری کوشش کی ہے تاہم اگر کوئی شارٹ فال نظر آئے تو مرتب کرنے والا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے۔

ہم ایسے مشکل کام کو مکمل کرنے کی کوشش میں غلطیوں اور کوتاہیوں کے امکان کو قبول کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ہم نے لاشعوری طور پر ٹھوکر کھائی ہو اور غلطیوں کا ارتکاب کیا ہو جس کے لیے ہم اپنے قارئین سے درگزر اور معافی کے لیے دعا گو ہیں اور ہماری توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے گی۔ ہم تہہ دل سے تعمیری تجاویز کی دعوت دیتے ہیں جو ShaykhPod.Books@gmail.com پر دی جا سکتی ہیں -

تعارف

درج ذیل مختصر کتاب میں عظیم صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اسلام کے چوتھے راہ نمائی والے خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی سے کچھ اسباق پر بحث کی گئی ہے۔

زیر بحث اسباق کو نافذ کرنے سے ایک مسلمان کو اعلیٰ کردار حاصل کرنے میں مدد ملے گی۔ جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی ہے کہ قیامت کے ترازو میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوگی۔ یہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات میں سے ایک ہے جس کی تعریف اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی سورہ نمبر 68 القلم آیت نمبر 4 میں فرمائی ہے:

‘‘اور بے شک آپ بڑے اخلاق کے مالک ہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اعلیٰ کردار کے حصول کے لیے قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو حاصل کریں اور اس پر عمل کریں۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی زندگی

اسلام قبول کرنے سے پہلے مکہ میں زندگی

ایک مبارک پیدائش

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ میں خانہ کعبہ کے اندر پیدا ہوئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 53 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی، تمام صحابہ کی طرح، اللہ ان سے راضی ہے، اپنی پوری زندگی میں، مساجد کے ساتھ مضبوط رشتہ تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ زمین پر بہترین جگہیں ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد

میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ایک بابرکت پرورش

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش ان کے چچا ابو طالب نے اپنے دادا عبدالمطلب کی وفات کے بعد علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے والد گرامی نے کی۔ برسوں بعد اور اعلان نبوت سے پہلے مکہ والوں پر شدید مالی بحران آیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا العباس رضی اللہ عنہ کو نصیحت فرمائی کہ وہ ابو طالب کے بچوں میں سے ایک کو اپنے گھر لے کر ان کی مدد کریں۔ العباس نے جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو لے لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو لے لیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 67-68 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کی پرورش ایک بہترین شخص نے کی تھی اور اس لیے انہوں نے چھوٹی عمر سے ہی اعلیٰ کردار اپنایا تھا۔ مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ بھی اپنے بچوں کی صحیح پرورش کریں۔

جامع ترمذی نمبر 1952 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ والدین اپنے بچے کو جو سب سے زیادہ نیک تحفہ دے سکتے ہیں وہ انہیں اچھے اخلاق سکھانا ہے۔

یہ حدیث مسلمانوں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں جیسے کہ ان کے بچوں کے ایمان کے بارے میں زیادہ فکر مند رہیں، انہیں دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے اور ان کو فراہم کرنے سے زیادہ۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی ورثے آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت

ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اپنے بچوں کو سلطنت بنانے اور بہت زیادہ دولت اور جائیدادیں حاصل کرنے کا طریقہ سکھانے کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت سکھانے میں کوتاہی کرتے ہیں، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ صبر اس میں اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک شامل ہے۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں بے وقوف نہیں بنایا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے بچوں کو اچھے اخلاق سکھانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ ان کی موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب بچے بڑے ہو جاتے ہیں اور اپنے طریقے پر قائم ہو جاتے ہیں تو انہیں اچھے اخلاق سکھانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو واقعی اس تحفے پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے بچوں اور رشتہ داروں کو دینا چاہتے ہیں۔ اس طرح ایک مسلمان آخرت کے لیے نیکی بھیجتا ہے لیکن نیک اولاد کی طرح اپنے پیچھے نیکی چھوڑ جاتا ہے جو اپنے فوت شدہ والدین کے لیے دعا کرتا ہے تو اس کے لیے فائدہ ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1376 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ امید ہے کہ اس طرح سے خیر میں گھرنے والے کو اللہ تعالیٰ بخش دے گا۔

اندھی تقلید سے بچنا

ظہور اسلام سے پہلے بھی علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی بت کو سجدہ نہیں کیا اور نہ ہی اس کی عبادت کی۔ امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 182 میں اس پر بحث کی گئی ہے ۔

علی رضی اللہ عنہ نے اپنی عقل کا استعمال کیا اور بے جان بتوں کی پوجا کرنے میں اپنے اردگرد کے لوگوں کی اندھی پیروی نہیں کی۔

اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید ایک بڑی وجہ ہے جس کی وجہ سے لوگ سچائی کو مسترد کرتے ہیں، جیسے یوم حشر۔ انسان کو چاہیے کہ وہ اپنی عقل کو بروئے کار لاتے ہوئے شہادتوں اور واضح نشانیوں پر مبنی طرز زندگی کا انتخاب کرے اور مویشیوں کی طرح دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرے۔ اس طرح کا برتاؤ انحراف کی طرف لے جاتا ہے۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت

کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

اندھی تقلید اسلام میں بھی ناپسندیدہ ہے۔

سنن ابن ماجہ، نمبر 4049 میں موجود ایک حدیث، اسلام قبول کرنے میں دوسروں کی اندھی تقلید نہ کرنے کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ کسی کے اہل خانہ، بغیر اسلامی علم حاصل کیے اور اس پر عمل کیے، تاکہ کوئی شخص اندھی تقلید سے آگے نکل جائے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے۔ اپنے رب اور ان کی اپنی بندگی کو پہچاننا۔ یہ دراصل بنی نوع انسان کا مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

کوئی ایسے شخص کی عبادت کیسے کر سکتا ہے جسے وہ پہچانتا بھی نہیں؟ اندھی تقلید بچوں کے لیے قابل قبول ہے لیکن بڑوں کو چاہیے کہ وہ علم کے ذریعے اپنی تخلیق کے مقصد کو صحیح معنوں میں سمجھ کر صالح پیشروؤں کے نقش قدم پر چلیں۔ جہالت ہی اس کی وجہ ہے کہ جو مسلمان اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں وہ آج بھی اللہ تعالیٰ سے قطع تعلق محسوس کرتے ہیں۔ یہ پہچان ایک مسلمان کو صرف پانچ وقت کی فرض نمازوں کے دوران نہیں بلکہ پورے دن اللہ کے سچے بندے کے طور پر برتاؤ کرنے میں مدد دیتی ہے۔ صرف اسی کے ذریعے مسلمان اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کو پورا کریں گے۔ اور یہی وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران پیش آنے والی تمام مشکلات پر قابو پاتا ہے۔ اگر ان کے پاس یہ نہیں ہے تو انہیں اجر حاصل کیے بغیر مشکلات کا

سامنا کرنا پڑے گا۔ درحقیقت یہ دونوں جہانوں میں مزید مشکلات کا باعث بنے گا۔ اندھی تقلید کے ذریعے فرائض کی ادائیگی سے فرض تو پورا ہو سکتا ہے لیکن یہ دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کے قرب تک پہنچنے کے لیے ہر مشکل میں محفوظ طریقے سے رہنمائی نہیں کرے گا۔ درحقیقت، زیادہ تر صورتوں میں اندھی تقلید اس بات کا باعث بنتی ہے کہ آخرکار اپنے واجبات کو چھوڑ دے۔ یہ مسلمان صرف مشکل کے وقت اپنے فرائض ادا کرے گا اور آسانی کے وقت ان سے منہ موڑے گا یا اس کے برعکس۔

سچائی

جیسا کہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی پرورش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ہوئی، آپ نے اپنے تمام معاملات میں سچائی کو اپنایا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بحیثیت پیغمبر مبعوث کیا گیا تو آپ نے علی رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں اس بارے میں پہلے اپنے والد ابو طالب سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ لیکن اگلے دن اپنے والد سے بات کیے بغیر وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اسلام قبول کر لیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً 10 سال تھی۔ اس طرح وہ اسلام قبول کرنے والے پہلے بچے بن گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 68-69 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچائی اختیار کی، جب اسلام آپ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اسے قبول کیا۔ سچائی کو اپنانا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا

حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

اسلام قبول کرنے کے بعد مکہ میں زندگی

دوسروں کے لیے اخلاص

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ شروع میں چھپ کر نماز پڑھتے تھے یہاں تک کہ ابو طالب کو معلوم ہو جاتا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کو اسلام کی دعوت دی لیکن انہوں نے اپنی قوم سے وفاداری کی بنا پر انکار کر دیا حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ حقیقت ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ انہوں نے اپنے بیٹے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی جاری رکھیں کیونکہ وہ انہیں کسی نیکی کی طرف بلا رہے تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 69-70 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ابو طالب اپنی قوم سے وفاداری کی وجہ سے اسلام قبول کرنے میں ناکام رہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کچھ اخلاص ظاہر کرنے میں ناکام نہیں ہوئے جیسا کہ انہوں نے انہیں اپنی حفاظت کی پیشکش کی تھی اور وہ علی کے ساتھ اخلاص ظاہر کرنے میں ناکام نہیں ہوئے تھے۔ اللہ اس سے راضی ہو۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے ۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص

اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور

صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے ۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

’’اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔

دوسروں کی رہنمائی کرنا

چھوٹی عمر میں بھی علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے مشن کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ممکن مدد کی۔ ابو ذر الغفاری رضی اللہ عنہ ایسے شخص تھے جو اسلام قبول کرنے سے پہلے ہی بتوں کی پرستش نہیں کرتے تھے اور ایک خدا پر ایمان رکھتے تھے۔ جب اس نے اسلام کے بارے میں سنا تو وہ مکہ میں داخل ہوا اور چھپ چھپ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی خواہش رکھتا تھا کیونکہ وہ مکہ کے غیر مسلموں کی اسلام سے نفرت سے واقف تھا۔ علی نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے ملاقات کی اور ان کے مقصد کے بارے میں معلوم کرنے کے بعد اس نے اپنے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان خفیہ ملاقات کرانے میں مدد کی۔ اس کے نتیجے میں ابوذر رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 71-72 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا ۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

ایک بری اجتماع

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی تو مکہ کے غیر مسلم قائدین نے سمجھ لیا کہ یہ صرف اس وقت کی بات ہے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ کی طرف ہجرت کر رہے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے دارالندوہ میں ایک مجلس منعقد کی جو مکہ میں خانہ کعبہ کے قریب واقع ہے۔ یہاں تک کہ شیطان بھی بوڑھے کے بھیس میں ان کی مجلس میں شامل ہوا۔ اس اجلاس کے ممبران نے اپنی آراء پیش کیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کو کچلنے کے لئے ان کے ساتھ کیا کیا جائے لیکن شیطان نے ان کی تردید کی یہاں تک کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے انکار کر دیا۔ ابوجہل نے اپنی رائے پیش کی۔ اس نے مشورہ دیا کہ اسے مختلف قبائل سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے ایک گروہ کے ساتھ مل کر قتل کر دیا جائے۔ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قبیلے کو، ان سب کے خلاف انتقامی طور پر جنگ کرنے سے روک دے گا اور وہ اس معاملے کو ختم کرنے کے لیے صرف اس کے قبیلے کو ادا کریں گے۔ ابلیس اور اس میٹنگ کے دوسرے تمام ارکان نے اس شیطانی منصوبے سے اتفاق کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 152-153 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ مگر گہرے سبق کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے دنیا و آخرت میں دنیاوی یا دینی معاملات میں کبھی کامیاب نہیں ہوں گے۔ طلوع آفتاب سے لے کر اس زمانے تک اور آخر زمانہ تک کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے نہ کبھی حقیقی کامیابی حاصل ہوئی اور نہ ہی کبھی نصیب ہوگی۔ تاریخ کے اوراق پلٹنے پر یہ بات بالکل عیاں ہے۔ لہٰذا جب کوئی مسلمان ایسی حالت میں ہو جس سے وہ ایک مثبت اور کامیاب نتیجہ حاصل کرنا چاہتا ہو تو اسے کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا انتخاب نہیں کرنا چاہیے، خواہ یہ کتنا ہی آسان اور آزمائشی کیوں نہ ہو۔ یہاں تک کہ اگر کسی کو ان کے قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کی طرف سے ایسا کرنے کا مشورہ دیا جائے کیونکہ مخلوق کی اطاعت نہیں ہے اگر اس کا مطلب خالق کی نافرمانی ہے۔ اور درحقیقت وہ انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عذاب سے نہ دنیا میں بچا سکیں گے نہ آخرت میں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو کامیابی عطا کرتا ہے جو اس کی اطاعت کرتے ہیں وہ اس کی نافرمانی کرنے والوں سے ایک کامیاب نتیجہ نکال دیتا ہے خواہ اس ہٹانے میں وقت لگے۔ ایک مسلمان کو بے وقوف نہیں بنانا چاہیے کیونکہ یہ جلد یا بدیر ہو جائے گا۔ قرآن کریم نے یہ بات بالکل واضح کر دی ہے کہ برائی کا منصوبہ یا عمل صرف کرنے والے کو ہی گھیرتا ہے خواہ اس سزا میں تاخیر ہی کیوں نہ ہو۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

‘‘لیکن شیطانی تدبیر اپنے لوگوں کو نہیں گھیرتی۔’’

لہٰذا حالات اور انتخاب خواہ کتنے ہی مشکل کیوں نہ ہوں مسلمانوں کو چاہیے کہ دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا انتخاب کریں کیونکہ یہی کامیابی دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی کا باعث بنے گی خواہ یہ کامیابی فوری طور پر ظاہر نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اخلاص

جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کی سازش کی تو انہوں نے اس شیطانی کام پر مامور گروہ کو حکم دیا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر کے باہر انتظار کریں۔ اور جب وہ سو رہا تھا تو اس پر حملہ کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ اپنے بستر پر اپنی جگہ لے لیں اور اپنی حفاظت کی ضمانت دیں تاکہ وہ چھپ کر ہجرت کر سکیں۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر سے نکلے تو آپ نے قرآن پاک کی تلاوت کی اور اللہ تعالیٰ نے قاتلوں کی بینائی عارضی طور پر چھین لی۔ ان کے درمیان سے گزرتے ہوئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سروں پر مٹی ڈالی اور چلے گئے۔ قاتلوں کو تب ہی اس بات کا اندازہ ہوا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس علاقہ سے نکل جانے کے بعد کیا ہوا تھا اور جب انہیں ایک راہگیر نے ان کے ساتھ کیا ہوا تھا اس کی اطلاع دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 153 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ معجزہ مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ جب بھی انہیں کوئی مشکل پیش آئے تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہیں، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے ۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ، اس یقین کے ساتھ کہ وہ انہیں اس سے نکلنے کا راستہ فراہم کر دے گا، اگرچہ اس وقت یہ ناممکن ہی کیوں نہ ہو۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے مشکل کے پیچھے حکمتیں ظاہر نہ ہوں۔ یہ ایک شخص کا ردعمل ہے جو یا تو برکت کا باعث بنتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے غضب کا۔ کسی کو صرف اپنی زندگی میں ان بے شمار مثالوں پر

غور کرنے کی ضرورت ہے جہاں وہ سمجھتے تھے کہ کچھ برا تھا صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے اور اس کے برعکس۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جب کوئی شخص ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لیتا ہے۔ دوا کڑوی ہونے کے باوجود وہ اس یقین سے کھاتے ہیں کہ اس سے ان کو فائدہ ہوگا۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک مسلمان ایسے ڈاکٹر پر کیسے بھروسہ کر سکتا ہے جس کا علم محدود ہے اور جسے قطعی طور پر یقین نہیں ہے کہ کڑوی دوا انہیں فائدہ دے گی اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہے گا، جس کا علم لامحدود ہے اور جب وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین فیصلہ کرتا ہے۔

ایک مسلمان کو خواہش مند سوچ اور اللہ تعالیٰ پر توکل کے درمیان فرق کو سمجھنا چاہیے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں کرتا اور پھر اس سے مشکلات میں ان کی مدد کی امید رکھتا ہے وہ ایک خواہش مند مفکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل کرنے والا وہ ہے جس کی طرف اس واقعہ میں اشارہ کیا گیا ہے، وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں خلوص نیت سے کوشش کرتا ہے اور پھر اس کے فیصلے پر بھروسہ کرتا ہے اور اس کے انتخاب پر کوئی شکایت یا سوال نہیں کرتا۔

یہ واقعہ اس عظیم اخلاص اور محبت کو بھی اجاگر کرتا ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

''اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

'' کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔''

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

مدینہ کی طرف ہجرت

ٹرسٹ کو پورا کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اس نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے چھوڑ دیا اور مکہ کے غیر مسلموں کا قیمتی سامان جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع کرایا تھا واپس کرنے کے بعد انہیں مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ اسے، حفاظت کے لیے، بطور ایمانداری اور امانت داری کے لیے اس کی شہرت کو بڑے پیمانے پر جانا اور قبول کیا گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 155 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

ہجرت

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس حکم کو پورا کیا کہ اہل مکہ کا سامان ان کو واپس کر دیا جائے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا گیا تھا۔ اس سے راضی ہو کر مدینہ کی طرف ہجرت کر کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ بغیر سواری والے جانور کے اکیلے نکلے اور اس لیے سفر انتہائی خطرناک اور مشکل تھا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 83 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے ان مشکلات پر قابو پانے کا مطالبہ نہیں کرتا جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے برداشت کیں۔ مثال کے طور پر، وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے اور وہاں اپنے گھر والوں، گھروں، کاروباروں کو چھوڑ کر ایک اجنبی سرزمین کی طرف ہجرت کر گئے، اللہ تعالیٰ کی خاطر۔

اس کے مقابلے میں مسلمانوں کو اس وقت جن مشکلات کا سامنا ہے وہ اتنا مشکل نہیں جتنا کہ صالح پیشروؤں کو درپیش تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ ان سے صرف چند چھوٹی قربانیاں کرنے کی ضرورت ہے، جیسے فرض فجر کی نماز ادا کرنے کے لیے کچھ نیند کی قربانی اور فرض صدقہ کرنے کے لیے کچھ مال۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ حکم نہیں دے رہا ہے کہ وہ اپنے گھر اور اہل و عیال کو اس کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس شکر کو عملی طور پر ان نعمتوں کو استعمال کرتے ہوئے ظاہر کیا جانا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتی ہیں۔

اس کے علاوہ، جب کسی مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو اسے ان مشکلات کو یاد رکھنا چاہیے جو نیک پیشروؤں کو پیش آئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی سے ان پر کیسے قابو پایا، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ علم ایک مسلمان کو اپنی مشکلات پر قابو پانے کی طاقت

فراہم کر سکتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ صالح پیش رو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ محبوب تھے، پھر بھی انہوں نے صبر کے ساتھ زیادہ سخت مشکلات کو برداشت کیا۔ درحقیقت سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث اس بات کی نصیحت کرتی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے سخت ترین امتحانات کو برداشت کیا اور وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہیں۔

اگر کوئی مسلمان نیک پیشروؤں کی ثابت قدمی کی پیروی کرتا ہے تو امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے دوران مدینہ میں زندگی

ہجرت کے بعد پہلا سال

ایک خوبصورت میراث

جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو سب سے پہلے جو کام انہوں نے کیا ان میں سے ایک اللہ تعالیٰ کا گھر، مسجد نبوی بنانا تھا۔ یہ زمین دو یتیم لڑکوں سہیل اور سہل رضی اللہ عنہ کی تھی جنہوں نے مفت میں زمین کی پیشکش کی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے مفت میں لینے سے انکار کر دیا اور ان سے خرید لیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 165-166 میں بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ دنیاوی وراثت آتے جاتے ہیں۔ کتنے امیر اور طاقتور لوگوں نے بڑی بڑی سلطنتیں صرف اس لیے بنائی ہیں کہ ان کے مرنے کے فوراً بعد انہیں توڑ دیا جائے اور انہیں بھلا دیا جائے۔ ان میں سے کچھ وراثت سے پیچھے رہ جانے والی چند نشانیاں صرف لوگوں کو ان کے نقش قدم پر نہ چلنے کی تنبیہ کرنے کے لیے پائی جاتی ہیں۔ ایک مثال فرعون کی عظیم سلطنت ہے۔ اسلام نہ صرف مسلمانوں کو نیک اعمال کی صورت میں اپنے آگے آخرت کے لیے برکتیں بھیجنے کا درس دیتا ہے بلکہ یہ انہیں یہ بھی سکھاتا ہے کہ وہ اپنے پیچھے ایک خوبصورت میراث چھوڑیں جس سے لوگ فائدہ اٹھا سکیں۔ درحقیقت جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اپنے پیچھے کوئی مفید چیز چھوڑ جاتا ہے، جیسے پانی کے کنویں کی صورت میں جاری صدقہ ان کو اس کا ثواب ملے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4223 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ نیک عمل کرنے کی کوشش کرے اور زیادہ سے زیادہ نیکیاں آگے بھیجے،

لیکن ساتھ ہی ساتھ ایک اچھی میراث چھوڑنے کی کوشش بھی کرنی چاہیے جو ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے فائدہ مند ہو۔

بدقسمتی سے بہت سے مسلمان اپنی دولت اور جائیدادوں کے بارے میں اس قدر فکر مند ہیں کہ انہیں چھوڑ کر ہی چلے جاتے ہیں جس کا انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ ہر مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ ان کے پاس اپنے لئے ایک میراث بنانے کے لئے کافی وقت ہے کیونکہ موت کا لمحہ نامعلوم ہے اور اکثر غیر متوقع طور پر لوگوں پر حملہ کرتا ہے۔ آج وہ دن ہے جب ایک مسلمان کو صحیح معنوں میں اس میراث پر غور کرنا چاہیے جو وہ اپنے پیچھے چھوڑے گا۔ اگر یہ میراث اچھی اور فائدہ مند ہے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی حمد کرنی چاہیے کہ اس نے انہیں ایسا کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ لیکن اگر کوئی ایسی چیز ہے جس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں ہو گا تو وہ کوئی ایسی چیز تیار کریں جس سے وہ نہ صرف آخرت کی بھلائی کو آگے بھیجیں بلکہ نیکی بھی پیچھے چھوڑ جائیں۔ امید ہے کہ جو اس طرح خیر میں گھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنے آپ سے سوال کرنا چاہیے کہ ان کی میراث کیا ہے؟

قرآن پاک سے اخلاص

تمام صحابہ کی طرح علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی قرآن مجید سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لیے بھرپور جدوجہد کرتے تھے۔ قرآن کریم سے ان کی گہری وابستگی اور عملی اطلاق اس کے متعلق ان کے بیانات سے جھلکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک مرتبہ فرمایا کہ جو شخص قرآن مجید کی تلاوت کرتا ہے، مرتا ہے اور پھر بھی جہنم میں داخل ہوتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کو مذاق میں لیتے تھے۔ ایک اور موقع پر انہوں نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ اللہ کی کتاب میں اس سے پہلے کے لوگوں کی نفع بخش کہانیاں ہیں، جو بعد میں ہونے والے واقعات کی پیشین گوئی کرتی ہیں اور لوگوں کے درمیان مسائل کا حکم دیتی ہیں۔ قرآن مجید سنجیدہ ہے اور مذاق میں لینے والی چیز نہیں ہے۔ ظالموں میں سے جو بھی اس سے غافل ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کر دے گا۔ جو شخص کسی اور چیز میں رہنمائی حاصل کرے گا، اللہ تعالیٰ اسے گمراہی میں ڈال دے گا۔ یہ مضبوط رسی ہے، حکمت کی یاد دہانی اور سیدھا راستہ ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس کی خواہشات بگاڑ نہیں سکتیں اور زبانیں غلط تلفظ نہیں کرسکتیں۔ اس کے عجائبات کبھی ختم نہیں ہوتے اور علماء اس سے کبھی اکتاتے نہیں۔ جو اس کا حوالہ دے گا، سچ بولے گا، جو اس پر عمل کرے گا، اسے اجر ملے گا۔ جو اس کے مطابق فیصلہ کرے گا وہ عادل ہو گا۔ اور جو لوگوں کو اس کی طرف بلائے گا اسے سیدھی راہ کی طرف ہدایت دی جائے گی۔

علی رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ قرآن کریم کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی لیکن وہ جانتے تھے کہ یہ کیوں نازل ہوئی، کب نازل ہوئی اور کس کے بارے میں نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں گہرا فہم اور فصیح، سچی زبان سے نوازا تھا۔

انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں قرآن پاک بھی حفظ کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 91-92 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

قرآن کریم کے حقوق ادا کرتے ہوئے اس کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

متعلقہ مسائل کو حل کرنا

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو علم میں گہری دلچسپی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلقہ اور اہم مسائل پر سوال کرنے سے نہیں شرماتے تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 105 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو ہمیشہ ان چیزوں پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے جن کے واضح ہونے پر اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی مخلصانہ اطاعت میں اضافہ ہو جائے گا، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر توجہ دیں اور ان چیزوں پر توجہ دیں جن کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا، جیسے لوگوں کے حقوق ادا کرنا۔ بدقسمتی سے ضمنی مسائل پر بحث و مباحثہ نے ایک وجہ ہے کہ وقت مسلمانوں کو زیادہ اہم چیزوں پر توجہ مرکوز کرنے سے روک دیا ہے اور یہی گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلم قوم کی عمومی طاقت میں کمی واقع ہوئی ہے۔

ایک اور موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خبردار کیا کہ وہ اسلام کے ایسے معاملات پر بحث کریں جو آسانی سے سمجھ میں آسکیں کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ پیچیدہ مسائل لوگوں کے دلوں میں شکوک پیدا کر دیں گے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 121 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں بالخصوص مبلغین کو اسلام کی بنیادی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچانے کی پابندی کرنی چاہیے اور پیچیدہ مسائل کے بارے میں صرف اہل افراد سے بات کرنا چاہیے۔ اس دن اور دور میں جب بہت سے مسلمان اسلام کے بنیادی فریضہ کو نبھانے میں ناکام ہو رہے ہیں، ویسے بھی پیچیدہ مسائل پر بحث کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

علم کی تلاش

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو علم میں گہری دلچسپی تھی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلقہ اور اہم مسائل پر سوال کرنے سے نہیں شرماتے تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 105 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ وہ ان چند لوگوں میں سے تھے جو کم عمری سے ہی پڑھ لکھ سکتے تھے۔ اس سے اس کی علم کی پیاس دوبارہ واضح ہوتی ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 113 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس نے ایک بار تبصرہ کیا کہ وہ اس وقت تک نہیں سوئیں گے جب تک وہ یہ نہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیا نازل کیا تھا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 343 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ

اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے کا امکان کم ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

بہترین ساتھی

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ پوری زندگی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہے تاکہ ان سے سیکھ سکیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 113 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ اچھی صحبت کی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے ، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

مدد کرنے والوں اور مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی مہاجرین، مہاجرین و مددگار، انصار، اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان بھائی چارہ قائم کیا۔ آپ نے انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھائی بھائی بننے کی اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 215 میں بحث کی گئی ہے۔ تلقین کی۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگ منقسم ہو جاتے ہیں اور وہ مضبوط تعلق کھو دیتے ہیں جو کبھی ایک دوسرے کے ساتھ تھا۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں لیکن ایک بڑا سبب وہ بنیاد ہے جس پر ان کے والدین اور رشتہ داروں نے ان کا تعلق قائم کیا تھا۔ یہ عام طور پر جانا جاتا ہے کہ جب عمارت کی بنیاد کمزور ہوتی ہے تو عمارت یا تو وقت کے ساتھ خراب ہوجاتی ہے یا گر جاتی ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کو آپس میں جوڑنے والے بانڈز کی بنیادیں درست نہیں ہوتیں تو ان کے درمیان بندھن بالآخر کمزور یا ٹوٹ جاتا ہے۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے درمیان رشتہ جوڑ دیا۔ جبکہ آج زیادہ تر مسلمان قبائلیت، بھائی چارے اور دوسرے خاندانوں کو دکھانے کے لیے لوگوں کو اکٹھا کرتے ہیں۔ اگرچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی اکثریت آپس میں باہم تعلق نہیں رکھتی تھی لیکن چونکہ ان کو جوڑنے والے بندھنوں کی بنیاد صحیح تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ان کے رشتے مضبوط سے مضبوط ہوتے گئے۔ جبکہ آج کل بہت سے مسلمان خون کے رشتے میں ہیں لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ الگ ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے رشتوں کی بنیاد باطل یعنی قبائلیت اور اسی طرح کی چیزوں پر تھی۔

مسلمانوں کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اگر رشتہ داریوں اور غیر رشتہ داروں کے حقوق کی پاسداری کے اہم فریضے کو ادا کرنے کے لیے اپنے بندھنوں کو قائم رکھنے اور اجر کمانے کی خواہش رکھتے ہیں تو انھیں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے رشتہ جوڑنا چاہیے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ لوگ صرف ایک دوسرے سے جڑیں اور ایک دوسرے کے ساتھ اس طریقے سے کام کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو۔ قرآن پاک میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

ہجرت کے بعد دوسرا سال

بدر کی جنگ

عظمت عاجزی میں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ ایک قافلہ پر چھاپہ مارنے کے لیے راستے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اپنے اونٹوں پر سوار ہو کر باری باری لے گئے کیونکہ ان کے پاس بہت کم تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی اور ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک اونٹ بانٹ دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیدل چلنے کے لیے اپنے دو صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ کی جگہ لینے کی پیشکش کی تاکہ آپ اونٹ پر سوار ہو سکیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ ان سے زیادہ طاقتور نہیں ہیں، یعنی وہ زخمی یا بیمار نہیں ہیں کہ وہ اسے نہ چلنے کا بہانہ بنا سکیں، اور آپ نے مزید فرمایا کہ میں چلنے کا ثواب چاہتا ہوں۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

آج کے قائدین کے برعکس جو ان مشکلات کا سامنا کرنے سے انکار کرتے ہیں جو ان کے پیروکار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھاتے ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو درپیش مشکلات میں شریک ہوتے ہیں۔ یہ اس کی بڑی عاجزی کا مظہر تھا۔ باب 25 الفرقان، آیت 63:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

اللہ تعالیٰ کے بندوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ .صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ کی رحمت اللہ پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

باب 25 الفرقان، آیت 63، ظاہر کرتی ہے کہ عاجزی ایک باطنی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا راستہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

’’ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔ بہترین]‘‘

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو اس کی تصدیق طرف سے آتا ہے - ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ڈوئل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ لڑائی شروع ہونے سے پہلے تین غیر مسلموں نے تین مسلمانوں کو اکیلی لڑائی کا چیلنج دیا۔ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں حصہ لیا اور اپنے مخالف کو قتل کر دیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 144 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ایک مہربان عمل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال اسلام کی پہلی جنگ بدر ہوئی۔ مسلمانوں کو فتح ملنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ ان کے جنگی قیدیوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ان کو ان کے بہت سے جرائم اور جنگی اعمال کی وجہ سے پھانسی دینے کا مشورہ دیا۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس تجویز کو ناپسند کیا۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے تجویز پیش کی کہ انہیں پھانسی سے معاف کر دیا جائے اور اس کے بجائے انہیں اپنی آزادی خریدنے کی اجازت دی جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نصیحت سے خوش ہوئے اور اس پر عمل کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 2، صفحہ 305 میں بحث کی گئی ہے۔

قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں مسلمانوں کو دوسروں پر رحم کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت ہے کہ مخلوق پر رحم کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، کہ رحم کرنا صرف اپنے اعمال سے نہیں ہے، جیسے غریبوں کو دولت عطیہ کرنا۔ یہ درحقیقت کسی کی زندگی کے ہر پہلو اور دوسروں کے ساتھ تعامل کا احاطہ کرتا ہے، جیسے کہ کسی کے الفاظ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خبردار کرتا ہے جو صدقہ دے کر دوسروں پر رحم کرتے ہیں کہ ان کی گفتگو کے ذریعے رحم نہ کرنا، جیسے کہ دوسروں پر کیے گئے احسانات کو شمار کرنا، ان کے اجر کو منسوخ کر دیتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

حقیقی رحم ہر چیز میں ظاہر ہوتا ہے :کسی کے چہرے کے تاثرات، کسی کی نظر اور اس کی گفتگو کا لہجہ۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل رحمت تھی اور اس لیے مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا چاہیے۔

اس کے علاوہ رحم کرنا اس قدر ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان گنت خوبصورت اور اعلیٰ صفات کے حامل تھے، لیکن وہ جس نے ان کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ لوگوں کے دل ان کی طرف اور اسلام کی طرف رحمت تھے۔ باب 3 علی عمران، آیت 159:

پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل " میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔"

یہ واضح طور پر متنبہ کرتا ہے کہ بغیر رحم کے لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھاگ جاتے۔ اگر ان کے بارے میں یہ معاملہ تھا حالانکہ وہ ان گنت خوبصورت صفات کے مالک تھے تو وہ مسلمان جو ایسی اعلیٰ صفات کے حامل نہیں ہیں، وہ سچی رحم دلی کے بغیر دوسروں جیسے کہ ان کے بچوں پر مثبت اثرات کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟

سیدھے الفاظ میں مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ اللہ تعالیٰ اور دوسرے لوگوں کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کہ بلاشبہ سچی اور مکمل رحمت ہے۔

ایک مبارک شادی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دوسرے سال علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی سے شادی کی تجویز پیش کی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے قبول کر لیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 145-146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک باپ صرف بہترین آدمی کی خواہش کرتا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی کرے، اس لیے یہ حقیقت کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیٹی کی شادی علی رضی اللہ عنہ سے کر دی، اس سے ان کی عظیم فضیلت کا پتہ چلتا ہے۔ اگر وہ کامیاب ازدواجی زندگی کا خواہاں ہے تو اس مثال پر عمل کرنا چاہیے اور اسلام کی تعلیمات پر مبنی شریک حیات کا انتخاب کرنا چاہیے۔

مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 5090 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ چار وجوہات کی بنا پر شادی کی جاتی ہے :مال، نسب، حسن یا تقویٰ۔ انہوں نے تنبیہ کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ آدمی کو تقویٰ کی خاطر شادی کرنی چاہیے ورنہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اس حدیث میں مذکور پہلی تین چیزیں بہت عارضی اور ناقص ہیں۔ وہ کسی کو عارضی خوشی تو دے سکتے ہیں لیکن آخرکار یہ چیزیں ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہیں کیونکہ ان کا تعلق مادی دنیا سے ہے نہ کہ اس چیز سے جو حتمی اور مستقل کامیابی عطا کرتی ہے یعنی ایمان۔ یہ سمجھنے کے لیے کہ دولت خوشی نہیں لاتی، صرف امیر اور مشہور کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت، امیر زمین پر سب سے زیادہ غیر مطمئن اور ناخوش لوگ ہیں۔ اپنے نسب کی خاطر کسی سے شادی کرنا بے وقوفی ہے کیونکہ یہ اس بات کی ضمانت نہیں دیتا کہ وہ شخص ایک اچھا شریک حیات بنائے گا۔ درحقیقت، اگر شادی کامیاب نہیں ہوتی ہے تو یہ خاندانی

بندھن کو ختم کر دیتی ہے جو شادی سے پہلے دونوں خاندانوں کے پاس تھے۔ صرف خوبصورتی کے معنی کی خاطر شادی کرنا، محبت عقلمندی نہیں ہے کیونکہ یہ ایک چبھتا ہوا جذبہ ہے جو وقت کے ساتھ اور مزاج کے ساتھ بدل جاتا ہے۔ قیاس محبت میں ڈوب جانے والے کتنے جوڑے ایک دوسرے سے نفرت کرنے لگے؟

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ایسا شریک حیات تلاش کرے جو غریب ہو کیونکہ یہ ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص سے شادی کی جائے جو خاندان کی مالی مدد کر سکے۔ نہ ہی اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو اپنے شریک حیات کی طرف متوجہ نہیں ہونا چاہئے کیونکہ یہ ایک صحت مند شادی کا ایک اہم پہلو ہے۔ لیکن اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں کسی کی شادی کی بنیادی یا حتمی وجہ نہیں ہونی چاہئیں۔ ایک مسلمان کو شریک حیات میں جو بنیادی اور حتمی خوبی تلاش کرنی چاہیے وہ تقویٰ ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے۔ سادہ لفظوں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اپنی شریک حیات کے ساتھ خوشی اور مشکل دونوں وقتوں میں اچھا سلوک کرے گا۔ دوسری طرف، جو لوگ بے دین ہیں وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ بدسلوکی کریں گے جب بھی وہ پریشان ہوں گے۔ حالیہ برسوں میں مسلمانوں میں گھریلو تشدد میں اضافے کی یہ ایک اہم وجہ ہے۔

آخر میں، اگر کوئی مسلمان شادی کرنا چاہتا ہے تو اسے سب سے پہلے اس سے متعلق علم حاصل کرنا چاہیے، جیسے کہ اس پر اپنی شریک حیات کے واجب الادا حقوق، جو حقوق اس پر اپنی شریک حیات سے واجب الادا ہیں اور مختلف حالات میں اپنی شریک حیات کے ساتھ صحیح سلوک کرنے کا طریقہ۔ بدقسمتی سے، اس سے لاعلمی بہت سے دلائل اور طلاقوں کا باعث بنتی ہے کیونکہ لوگ ایسی چیزوں کا مطالبہ کرتے ہیں جن کو پورا کرنے کے لیے ان کا شریک حیات پابند نہیں ہوتا۔ علم صحت مند اور کامیاب ازدواجی زندگی کی بنیاد ہے۔

ایک سادہ زندگی

علی ابن ابی طالب اور ان کی اہلیہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح انتہائی سادہ زندگی گزاری۔ انہوں نے دنیاوی آسائشوں سے لطف اندوز ہونے پر آخرت کی تیاری اور دوسروں کی مدد کو ترجیح دی۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار کہا کہ ان کے گھر میں مینڈھے کی کھال کے علاوہ کوئی فرنیچر نہیں تھا جس پر وہ سوتے تھے۔

دونوں نے روزی روٹی کے لیے کام کیا اور زندگی کی بنیادی ضروریات کی تکمیل کے لیے جدوجہد کی۔ ایک مرتبہ جب کچھ جنگی قیدی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائے گئے تو انہوں نے آپ سے درخواست کی کہ ان کے کاموں میں ان کی مدد کے لیے ایک خادم ان کو دے دیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا کیونکہ وہ قیدیوں کو بیچ کر مدینہ کے غریبوں پر خرچ کرنا چاہتے تھے۔ اس نے اپنے خاندان پر دوسروں کو ترجیح دی۔ اس رات کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں کو سونے سے پہلے پڑھنے کی روحانی مشق سکھائی اور تبصرہ فرمایا کہ یہ خادم حاصل کرنے سے بہتر ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 147-149 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ

زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

کمائی کی اہمیت

ایک دفعہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ بہت بھوکے ہونے کی وجہ سے کام کی تلاش میں گھر سے نکلے۔ اسے ایک اعرابی عورت ملی اور اسے ایک کھجور کے بدلے کھجور کے ڈھیر دھونے کی پیشکش کی۔ اس نے کام کیا یہاں تک کہ اس کے ہاتھ پھوڑے سے زخم ہو گئے اور جب اس نے مزدوری مانگی تو اسے سولہ کھجوریں دی گئیں۔ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آیا اور کچھ ان کے ساتھ شیئر کیا۔ اس پر امام اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء، نمبر 147 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کسی نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر چیز نہیں کھائی۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کے لیے سستی کا شکار نہ ہوں۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان ایک حلال پیشے سے منہ موڑ لیتے ہیں، سماجی فوائد حاصل کرتے ہیں اور مساجد میں آباد ہوتے ہیں اور یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے، ان کے رزق کے لیے۔ یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل بھروسہ نہیں ہے۔ یہ صرف سستی ہے جو اسلام کی تعلیمات سے متصادم ہے۔ دولت حاصل کرنے کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ پر حقیقی بھروسہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس کی جسمانی طاقت جیسے ذرائع کا استعمال کیا تاکہ وہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق حلال مال حاصل کر سکیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ان ذرائع سے انہیں حلال مال مہیا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ وہ اپنے بنائے ہوئے ذرائع کو استعمال کرنے سے دستبردار ہو جائے کیونکہ اس سے وہ بے کار ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ فضول چیزوں کو پیدا نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی کو مشکوک یا ناجائز ذرائع سے مال کمانے سے روکا جائے۔ ایک مسلمان کی حیثیت سے ان کے رزق پر پختہ یقین رکھنا چاہیے جس میں دولت بھی شامل ہے آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ان کے لیے مختص کی گئی تھی۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ تقسیم کسی بھی حالت میں نہیں ہو سکتی۔ ایک مسلمان کا فرض ہے کہ اسے حلال ذرائع سے حاصل

کرنے کی کوشش کرے جو کہ انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2072 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کردہ ذرائع کو استعمال کرنا اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا ایک پہلو ہے، کیونکہ اس نے انہیں اسی مقصد کے لیے پیدا کیا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے سستی نہیں کرنی چاہیے جب کہ ان کے پاس اپنی کوششوں سے حلال مال کمانے کے ذرائع ہوں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے لیے فراہم کیے گئے ذرائع ہوں۔

درس و تدریس میں اخلاص

ایک دفعہ رات کے وقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی ابن ابی طالب اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے اور ان کے بیدار ہونے کی امید رکھتے ہوئے رات کی نماز ادا کی۔ اس نے انہیں سوئے ہوئے پایا اور انہیں جگایا اور پھر پوچھا کہ وہ نماز کیوں نہیں پڑھتے؟ علی . رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہیں اور جب وہ چاہے گا انہیں نماز کے لیے جگا دے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغیر جواب دیے چلے گئے اور اپنے آپ کو باب 18 الکہف آیت 54 کی تلاوت فرمائی:

"لیکن انسان کبھی بھی، زیادہ تر، تنازعات کا شکار رہا ہے۔ ..."

امام بخاری رحمہ اللہ کی حدیث المفرد نمبر 955 میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اگرچہ علی اور فاطمہ رضی اللہ عنہما باقاعدگی سے رات کی نماز ادا کرتے تھے، لیکن اس موقع پر انہوں نے اس وقت تک ایسا نہیں کیا جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا کرنے کی تاکید نہ کی ہو۔

مزید برآں یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اخلاص کو ظاہر کرتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کی تعلیم کے لیے رکھتے تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعے کو لوگوں سے نہیں چھپایا، اگرچہ ایک احمق ہی کیوں نہ ہو۔ اسے تنقید کے لیے استعمال کر سکتے ہیں۔

آخر میں یہ واقعہ نفلی رات کی نماز کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تئیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہِ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ باب 17 الاسراء، آیت 79:

" اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو [یعنی قرآن کی تلاوت [اپنے لیے اضافی عبادت [کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔ "

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہٰذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

ہجرت کے بعد تیسرا سال

جنگ احد

مشن کو جاری رکھنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی۔ انتشار اور افراتفری اس وقت بڑھ گئی جب یہ آوازیں سنائی دیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شہید کر دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ سے بعض صحابہ کرام، اللہ ان سے راضی ہو گئے، ناامید ہو گئے کیونکہ ان کی قوت اور الہام قیاس کے مطابق شہید ہو چکا تھا۔ لیکن علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر زندہ رہنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، چنانچہ انہوں نے اپنی تلوار کی میان توڑ دی اور اس وقت تک لڑتے رہے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ وہ اس کی حفاظت کرتا رہا یہاں تک کہ وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 3، صفحہ 29-31 اور امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 163-164 میں بحث کی گئی ہے۔

گو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جسمانی طور پر آج مسلمانوں میں نہیں ہیں، انہیں اسلام کے حقیقی سفیر بن کر جس چیز کے لیے آپ کھڑے تھے، اس کے لیے جدوجہد کرتے رہنا چاہیے۔ اس کو حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کیا جائے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے انتخاب پر صبر کیا جائے۔ اسلام پوری دنیا میں پھیل گیا کیونکہ صالح پیشرو اس فرض کو بہت سنجیدگی سے لیتے تھے۔ جب انہوں نے فائدہ مند علم حاصل کیا اور اس پر عمل کیا تو بیرونی دنیا نے ان کے طرز عمل سے اسلام کی حقانیت کو پہچان لیا۔ جس کی وجہ سے بے شمار لوگ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ بدقسمتی سے، آج بہت سے مسلمان اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ اسلام کے بارے میں دوسروں کو ظاہر کرنا محض کسی کی ظاہری شکل ہے، جیسے داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا۔ یہ اسلام کی نمائندگی کا صرف ایک پہلو ہے۔ سب سے بڑا حصہ قرآن کریم اور ان کی روایات میں مذکور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کو اپنانا ہے۔ صرف اس رویے سے بیرونی دنیا اسلام کی اصل فطرت کا مشاہدہ کرے گی۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اسلام کی تعلیمات کے مخالف خصوصیات کے حامل ہوتے ہوئے اسلامی شکل اختیار کرنا صرف بیرونی دنیا میں اسلام کی بے عزتی کا باعث بنتا ہے۔ وہ اس بے عزتی کے لیے جوابدہ ہوں گے کیونکہ وہ اس کی وجہ ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی باطنی تعلیمات کو اپناتے ہوئے اسلام کے حقیقی سفیر کے طور پر پیش آئے اور اسلام کی ظاہری شکل و صورت کو بھی اپنائے۔

اس کے علاوہ اس اہم عہدے کو مسلمانوں کو یاد دلانا چاہیے کہ ان کا احتساب کیا جائے گا اور سوال کیا جائے گا کہ آیا انہوں نے یہ کردار ادا کیا یا نہیں؟ جس طرح ایک بادشاہ اپنے سفارت کار اور نمائندے پر غضب ناک ہوتا ہے اگر وہ اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس مسلمان سے ناراض ہوگا جو اسلام کے سفیر کی حیثیت سے اپنا فرض ادا کرنے میں ناکام رہے گا۔

مشکلات میں اطاعت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے تیسرے سال مکہ کے غیر مسلم لیڈروں نے گزشتہ سال جنگ بدر میں ہونے والے نقصان کا بدلہ لینے کا فیصلہ کیا۔ یہ جنگ احد کا باعث بنی۔ جب جنگ شروع ہوئی تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم فوج پر تیزی سے قابو پالیا جس کی وجہ سے وہ پیچھے ہٹ گئے۔ لیکن کچھ تیر اندازوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چھوٹے سے پہاڑ جبل الرومہ پر ٹھہرنے کا حکم دیا جو احد پہاڑ کے سامنے ہے، جنگ کے نتائج سے قطع نظر، یہ سمجھتے تھے کہ جنگ ختم ہوگیا اور کمانڈ کا اطلاق نہیں ہوا۔ جب وہ جبل الرومہ پر اترے تو اس نے مسلم فوج کا پچھلا حصہ کھول دیا۔ پھر غیر مسلم فوج نے اکٹھے ہو کر دونوں طرف سے مسلمانوں پر حملہ کیا۔ اس سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شہادت ہوئی اور ان کے جسموں کو غیر مسلموں نے مسخ کر دیا۔ جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مدینہ واپس تشریف لائے تو انہیں معلوم ہوا کہ مکہ کے غیر مسلم قائدین مدینہ کو مٹانے کے لیے واپس مدینہ کی طرف کوچ کرنے پر غور کر رہے ہیں۔ اسلام خیر کے لیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے سخت زخموں اور تھکے ہوئے جسموں کے باوجود غیر مسلموں کے تعاقب میں نکلنے کا حکم دیا۔ جب صحابہ کرام بشمول علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے مثبت جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے باب 3 علی عمران آیت 172 نازل فرمائی:

" جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی طرف لبیک کہا ان پر چوٹ لگ گئی۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور اللہ سے ڈرتے رہے ان کے لیے بڑا اجر ہے۔

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 67-68 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب الحج، آیت 11 22:

" اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

آخر میں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب ملے۔ ، تمام حالات میں۔

ہجرت کے بعد چوتھا سال

بنو نضیر

بدلہ لینا چھوڑنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے بعد چوتھے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غیر مسلم قبیلہ بنو نضیر کے پاس تشریف لے گئے جس سے آپ نے پہلے عہد کیا تھا۔ مالی مدد طلب کرنے کے لیے تعاون اور امن کے ساتھ انہوں نے جواب دیا کہ وہ خفیہ طور پر اسے قتل کرنے کی منصوبہ بندی کرتے ہوئے اس کی مدد کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی خیانت کی اطلاع دیتے ہوئے آسمانی وحی موصول ہوئی اور وہ اپنے شیطانی منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا موقع ملنے سے پہلے ہی مدینہ واپس چلے گئے۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کو پیغام بھیجا کہ وہ اپنے علاقے اور حفاظت سے نکل جائیں۔ منافقین نے بنو نضیر کو ٹھہرنے کی تلقین کی اور ان کی حمایت کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ اگر بنو نضیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف مزاحمت کی تو وہ ان کا ساتھ دیں گے، اگر بنو نضیر لڑے تو وہ ان سے لڑیں گے اور اگر انہیں علاقے سے نکال دیا گیا تو وہ ان کے ساتھ نکل جائیں گے۔ انہیں اس نے بنو نضیر کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف کھڑے ہونے کی ترغیب دی۔ آخرکار منافقین نے کچھ نہیں کیا جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو نضیر کے خلاف جنگ کا فیصلہ کیا۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے درخواست کی کہ ان کا خون بہا دیں اور ان کو محفوظ راستہ دیں تاکہ وہ اپنے سامان سمیت علاقہ خالی کر سکیں۔ .بنو نضیر سے ان کے مذموم منصوبے کا بدلہ لینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ بھی اٹھا سکتے تھے لے جانے کی اجازت دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 100-101 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی اپنی ذات سے بدلہ نہیں لیا بلکہ معاف کر دیا اور نظر انداز کیا۔

مسلمانوں کو مناسب اور معقول طریقے سے اپنا دفاع کرنے کی اجازت دی گئی ہے جب ان کے پاس کوئی دوسرا راستہ نہیں بچا ہے۔ لیکن انہیں کبھی بھی لائن سے اوپر نہیں جانا چاہئے کیونکہ یہ ایک گناہ ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 190:

"اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں لیکن زیادتی نہیں کرتے۔ بے شک اللہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

چونکہ نشان پر قدم رکھنے سے بچنا مشکل ہے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ صبر و تحمل سے کام لے، دوسروں کو نظر انداز کرے اور معاف کرے کیونکہ یہ نہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لے جاتی ہے۔ ان کے گناہوں کو معاف کرنا .باب 24 النور، آیت 22:

"اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ ...‘‘

دوسروں کو معاف کرنا بھی دوسروں کے کردار کو مثبت انداز میں بدلنے میں زیادہ کارگر ہے جو کہ اسلام کا مقصد ہے اور مسلمانوں پر فرض ہے کیونکہ بدلہ لینا ہی ملوث افراد کے درمیان مزید دشمنی اور غصے کا باعث بنتا ہے۔

آخر میں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف نہ کرنے کی بری عادت رکھتے ہیں اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی ہمیشہ کینہ پرور رہتے ہیں، انہیں یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو نظر انداز نہیں کرتا بلکہ ان کے ہر چھوٹے گناہ کی جانچ پڑتال کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو جانے دینا سیکھنا چاہیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں معافی اور ذہنی سکون کا باعث بنتا ہے۔

دوسری بدر

جنگ احد سے نکلنے سے پہلے، غیر مسلم رہنما ابو سفیان نے اگلے سال بدر کے مقام پر دونوں فوجوں کے دوبارہ ملنے کے لیے ملاقات کا اعلان کیا۔ جب وقت آیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تقریباً 1500 سپاہیوں کے ساتھ کوچ کیا اور بدر کے مقام پر غیر مسلموں کا انتظار کرنے لگے۔ غیر مسلم فوج تقریباً 2000 سپاہیوں پر مشتمل تھی لیکن اس نے بدر سے دور کیمپ قائم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی اور اگرچہ اس نے خود ملاقات کا وقت مقرر کیا، ابو سفیان نے سپاہیوں کو مکہ واپس جانے کی ترغیب دی۔ چونکہ وہ مسلمانوں کو مشغول کرنے سے خوفزدہ تھے، انہوں نے اس کی مخالفت نہیں کی اور مکہ واپس آگئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بدر میں رہے اور کسی نفع بخش تجارت میں مشغول رہے۔ آٹھ دن کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے اس ہیبت اور سربلندی کے ساتھ روانہ ہوئے جو اہل عرب کے دلوں میں پھیل گئی تھی۔ اس پر امام صفی الرحمن رحمۃ اللہ علیہ، دی سیلڈ نیکٹر، صفحہ 306-307 میں بحث کی گئی ہے۔

ان کی استقامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک ایسی نفسیاتی فتح عطا فرمائی جس کی بازگشت پورے عرب میں فوجی فتح سے زیادہ تھی۔

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے ۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے

بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

ہجرت کے بعد پانچواں سال

جنگ احزاب

ثابت قدمی اطاعت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ نے مدینہ کے گرد ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم لشکر سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر مسلم فوج کو پسپا کرنے اور اپنے گھروں کو لوٹنے کے لیے غیر مسلم فوج کے ساتھ ایک قبیلہ کی پیشکش کرکے غیر مسلم فوج کو توڑنا چاہا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ طلب کیا تو انہوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ خواہش اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی مرضی سے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ اس کی اپنی مرضی ہے کیونکہ وہ یہ دیکھ رہا تھا کہ عرب کے بہت سے مختلف قبیلے مدینہ پر کیسے اترے اور اس نے اپنے صحابہ کی مدد کرنا چاہی، اللہ ان سے جس طرح

بھی ہو سکتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جواب دیا کہ اسلام سے پہلے غیر مسلم فوج کبھی مدینہ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کرتی تھی اور اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سرفراز فرمایا ہے۔ وہ سچائی پر کبھی سمجھوتہ نہیں کریں گے چاہے اس کی وجہ سے جنگ کیوں نہ ہو۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 142 میں بحث کی گئی ہے۔

اس لڑائی کے دوران کچھ لڑائی ہوئی کیونکہ کچھ غیر مسلم خندق کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ عمرو ابن عبدالودود ایک مشہور غیر مسلم جنگجو تھے جو خندق کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ایک جنگ کے لیے کھلا چیلنج پیش کیا۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان کی بات کا جواب دیا اور سب سے پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی۔ جب عمرو نے انکار کیا تو وہ لڑتے رہے یہاں تک کہ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کر دیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 170-171 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو‘‘

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے)معمولی (گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں ، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے . لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

”بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“

ایک ایگزٹ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق/احزاب کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے دشمن کو مدینہ کے واحد پہلو میں ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ سے فوج حملہ کر سکتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم لشکر سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ اضطراب اور خوف بڑھتا گیا کیونکہ دشمن مدینہ کے باہر اور اندر تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس جنگ کے دوران اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہے اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے ایک تیز آندھی کو اس جنگ کی طرف روانہ کیا۔ غیر مسلم فوج جس نے ان کے کیمپ کو مکمل طور پر اکھاڑ پھینکا اور انہیں پریشانی اور پریشانی میں ڈال دیا۔ غیر مسلموں نے گھر واپس آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ موسم ان کے خلاف تھا اور وہ خندق میں کامیابی کے ساتھ داخل ہونے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 154-155 میں بحث کی گئی ہے۔

غیر مسلم فوج کے جانے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کو دشمن کے کیمپ سے معلومات حاصل کرنے کے لیے روانہ کیا لیکن انہیں تنبیہ کی کہ کوئی ایسا کام نہ کریں جس سے توجہ مبذول ہو۔ اپنے آپ کو .دشمن کے کیمپ میں پہنچ کر اس نے غیر مسلم رہنما ابو سفیان کو دیکھا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنا کمان لاد لیا اور ابو سفیان پر

گولی چلانے ہی والے تھے لیکن جب انہیں دیا گیا حکم یاد آیا تو اپنا ہاتھ روک لیا۔ اس نے خفیہ طور پر غیر مسلموں کی ایک مجلس میں شرکت کی اور معلوم کیا کہ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑنے اور واپس جانے کا فیصلہ کیا ہے کیونکہ ان کے پاس سامان ختم ہو رہا تھا، اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی ہوا ان پر تباہی مچا رہی تھی۔ مسلمانوں کی کھودی گئی خندق میں گھس نہ سکے۔ اس پر امام محمد السلّابی کی کتاب، نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1383-1384 میں بحث کی گئی ہے۔

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

بنو قریظہ

نتائج کا سامنا کرنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ جب ان کے حملے کی خبر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورے سے آپ نے مدینہ کے گرد ایک بڑی خندق کھودنے کا حکم دیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خندق کی کھدائی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے اور آخرت کا ثواب حاصل کرنے کی ترغیب دی۔ وہ سب اس کے ساتھ کام کرتے تھے۔ جب دشمن کی فوجیں مدینہ اور خندق کے قریب پہنچیں تو انہوں نے پڑاؤ ڈال لیا۔ مدینہ کے اندر ایک غیر مسلم قبیلہ، بنو قریظہ، جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کا معاہدہ تھا، نے اپنے قلعوں کو بند کر دیا۔ ایک غیر مسلم نے غیر مسلم لشکر سے سفر کیا اور بنو قریظہ کے سردار کعب بن اسد سے کہا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا معاہدہ توڑنے کے بجائے غیر مسلموں میں شامل ہو جائیں۔ مسلمانوں کی فوجیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر حملہ کرتے ہوئے مدینہ کے اندر سے لڑائی شروع ہو گئی۔ پھر کعب بن اسد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنا صلح نامہ توڑ دیا اور اس دستاویز کو پھاڑ دیا جس پر یہ لکھا تھا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے غیر مسلم فوج کی طرف ایک تیز آندھی بھیجی جس نے ان کے کیمپ کو بالکل اکھاڑ پھینکا اور وہ پریشانی اور پریشانی میں ڈوب گئے۔ غیر مسلموں نے گھر واپس آنے کا فیصلہ کیا کیونکہ موسم ان کے خلاف تھا اور وہ خندق میں کامیابی کے ساتھ داخل ہونے اور مدینہ میں داخل ہونے میں ناکام رہے۔ اگلی صبح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ خندق سے نکلے اور ہتھیار ڈال کر گھر واپس آئے۔ جنگی زرہ پہنے ہوئے جبرائیل علیہ السلام نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی اور آپ کو بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بنو قریظہ کے خلاف پیش قدمی کا حکم دیا ہے۔
اللہ تعالیٰ نے بھی باب 33، آیات 25-27 نازل فرمایا:

اور اللہ نے کافروں کو ان کے غصے میں دفع کر دیا، ان کے پاس کوئی بھلائی نہ تھی، اور اس نے " اہل کتاب میں سے ان کی حمایت کرنے والوں کو ان کے قلعوں سے نیچے اتارا اور ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی]تاکہ [ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا۔ اور تم نے ایک جماعت کو اسیر کر لیا ...اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔''

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 158 میں بحث کی گئی ہے۔

اس مہم میں علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جھنڈا اٹھا رکھا تھا۔ جب وہ ان کے قلعوں میں پہنچے تو اس نے پکارا کہ یا تو شہید ہو جائیں گے یا ان کے قلعوں کو توڑ دیں گے۔ جب بنو قریظہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہادری کا مشاہدہ کیا تو وہ سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو قبول کرنے پر راضی ہو گئے، جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے اچھی طرح جانتے تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 172-173 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ انسان کی جسمانی یا سماجی طاقت چاہے کتنی ہی کیوں نہ ہو ایک دن ضرور آئے گا جب اسے اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے گا۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ ان کی زندگی کے دوران ہوتا ہے جہاں کسی شخص کے اعمال انہیں مصیبت میں لے جاتے ہیں، جیسے کہ جیل اور ۔ یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا گا آخرکار انہیں آخرت میں بھی اپنے اعمال کے نتائج کا سامنا کرنا پڑے ہے نہ صرف لیڈروں پر۔

اس لیے ایک مسلمان کو کبھی بھی دوسروں کے ساتھ برا سلوک نہیں کرنا چاہیے، جیسے کہ ان کے سے سبق سیکھنا چاہیے جو ان سے زیادہ طاقت میں تھے، ان ظالم لیڈروں رشتہ دار۔ انہیں تاریخ کے ایک دن ضرور آیا جب ان کی طاقت ان کے کام نہ آئی اور انہیں اپنے برے اعمال کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ سماجی اثر و رسوخ اور طاقت ایسی چیزیں ہیں جو تیزی سے ایک شخص سے دوسرے شخص

میں منتقل ہوتی ہیں، کبھی کسی کے ساتھ زیادہ دیر تک نہیں رہتیں۔ لہٰذا جس مسلمان کے پاس اتنی طاقت ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے ایسے طریقے سے استعمال کرے جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اپنے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔ لیکن اگر وہ اپنے اختیارات کا غلط استعمال کرتے ہیں تو وہ جس سے کوئی ان کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے آخرکار ہوں گے۔

کسی کے اختیار کا غلط استعمال نہ کرنا کیونکہ یہ انہیں قیامت کے اس کے علاوہ، یہ ضروری ہے دن جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ ہر ظالم کو ان کے اعمال صالحہ ان کے مظلوموں کو دینا ہوں گے اور اگر ضرورت پڑی تو اپنے مظلوموں کے گناہوں کو لے کر جب تک انصاف نہ ہو جائے۔ اس سے بہت سے ظالموں کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے اعمال کے لیے خود کو جوابدہ ٹھہرانا کبھی نہیں بھولنا چاہیے۔ ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور دوسروں کو نقصان پہنچانے سے بچیں گے۔ لیکن جو لوگ خود فیصلہ نہیں کرتے وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور دوسروں کو نقصان پہنچاتے رہیں یہ نہ جانتے ہوئے کہ حقیقت میں وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ لیکن جب انہیں گے۔ اس حقیقت کا ادراک ہو جائے گا تو ان کے لیے سزا سے بچنے میں بہت دیر ہو چکی ہو گی۔

غداری

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے پانچویں سال مدینہ سے دشمنان اسلام نے مکہ کے غیر مسلموں اور دیگر مختلف غیر مسلم قبائل کو مدینہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دی۔ یہ جنگ خندق کا باعث بنی۔ اللہ تعالیٰ نے غیر مسلموں کی فوج کو شکست دینے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنو قریظہ کے خلاف ان کے غداری کے اس فعل کی وجہ سے جنگ کرنے کا حکم دیا جب انہوں نے صلح اور حمایت کا معاہدہ توڑ دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ خندق کے دوران غیر مسلم فوج کے ساتھ اتحاد کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنو قریظہ کا محاصرہ کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں دہشت ڈال دی۔ بنو قریظہ نے ایک صحابی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے فیصلے کے سامنے سرتسلیم خم کر دیا جسے وہ مسلمان ہونے سے پہلے ہی اچھی طرح جانتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سعد رضی اللہ عنہ کو ان کے فیصلے کے لیے بلایا اور آپ نے فیصلہ کیا کہ بنو قریظہ کے سپاہیوں کو قتل کر دیا جائے گا اور ان کے اثاثے ضبط کر لیے جائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اعلان فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ دیا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 166 میں بحث کی گئی ہے۔

اس بات کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اس دن اور دور میں بھی، غداری کے لیے سزائے موت ایک بہت ہی معیاری فیصلہ ہے۔ اس کے علاوہ ان کا جرم کسی ایک فرد کے خلاف نہیں بلکہ لوگوں سے بھرے پورے شہر کے خلاف تھا۔ اگر ان کو جلاوطن کر دیا جاتا تو وہ صرف مدینہ سے دوبارہ جنگ کرتے۔

اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے انتقام لیتا ہے جو اپنے کمزور بندوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے دفاع اور انتقام کی طاقت نہیں رکھتے۔

جو مسلمان اس نام الٰہی کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم نہیں کرے گا، خاص کر ان لوگوں پر جو بے دفاع دکھائی دیتے ہیں کیونکہ حقیقت میں ان کا محافظ اور بدلہ لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے ان کی زمین پر زندگی کے دوران اور خاص طور پر قیامت کے دن کہ وہ ان کے اعمال صالحہ کو اس کے بدلہ لے گا۔ وہ ظالم کو مجبور کر کے انصاف قائم کرے گا شکار کے حوالے کرے اور اگر ضروری ہوا تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کے سپرد کر دیے جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر ظالم کو جائیں گے۔ یہ میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ 6579

ایک مسلمان کو اپنے اندر کے شیطان سے انتقام لیتے ہوئے اس نام الٰہی پر عمل کرنا چاہیے جو اسے اللہ تعالیٰ کی سخت اطاعت کے تابع کر کے برائی کی طرف ترغیب دیتا ہے، جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ .اور ایک مسلمان کو ان تمام چیزوں کا بدلہ لینا چاہیے جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتی ہیں، ان سے منہ موڑ کر۔

ہجرت کے بعد چھٹا سال

آگ کی دو زبانیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال آپ نے ایک مہم روانہ کی۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس مہم سے واپس آرہے تھے تو ان کے ایک گروہ نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے ایک کنویں کو گھیر لیا۔ کنویں کے اردگرد کا علاقہ بھرا ہوا تھا تو دو صحابہ کرام میں سے ایک مدینہ اور دوسرا مکہ مکرمہ سے معمولی بات پر جھگڑ پڑے۔ منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی نے اس موقع کو مزید خلل ڈالنے کا دعویٰ کر کے یہ دعویٰ کیا کہ مکہ کے مہاجرین صرف ان کے لیے مسائل پیدا کر رہے ہیں۔ اس نے مکہ کے مہاجرین کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت دینے پر دوسرے منافقین پر تنقید شروع کر دی۔ ایک بچے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے اس کی برائی کی باتیں سن کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع دی۔ عبداللہ بن ابی کو بلایا گیا لیکن انہوں نے بڑی قسمیں کھائیں کہ میں نے یہ الفاظ کبھی نہیں کہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مزید کوئی اقدام نہیں کیا۔ اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے سورۃ المنافقون آیت نمبر 63 نازل فرمائی۔

" یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں ان پر خرچ نہ کرو جب تک کہ وہ منقطع نہ ہو جائیں۔ "اور آسمانوں اور زمین کے خزانے اللہ ہی کے ہیں لیکن منافق نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس آئے تو جتنا زیادہ عزت دار]اقتدار کے لیے [زیادہ عاجز کو وہاں سے نکال دے گا۔ اور عزت اللہ ہی کے لیے ہے اور اس کے رسول کے لیے اور مومنوں کے لیے لیکن منافق نہیں جانتے۔‘‘

ان آیات کے نازل ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کا کان پکڑ کر تسلی دی اور فرمایا کہ یہ وہی ہے جس نے اپنا کان اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا تھا۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 213-215 میں بحث کی گئی ہے۔

دو طرفہ ہونا منافقت کی نشانی ہے۔ یہ وہ ہے جو لوگوں کے مختلف گروہوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے طرز عمل میں تبدیلی لاتا ہے اور اس سے کچھ دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ بہت سی مختلف زبانوں سے بولتے ہیں جو مختلف لوگوں کو اپنی حمایت ظاہر کرتے ہوئے ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے ساتھ مخلص نہیں ہیں جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اگر وہ توبہ نہ کریں تو آخرت میں اپنے آپ کو آگ کی دو زبانوں سے پائیں گے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4873 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔
باب 2 البقرہ، آیت 14:

جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب اپنے برے ساتھیوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو محض مذاق کر رہے تھے۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہتان - زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شیئرنگ کے مسائل

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ المصطلق۔ آپ کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس نے پھر اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک وہ اسے نہ ملا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی ہوئی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن المطلع رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ جب مدینہ میں تہمت کے اثرات شدت اختیار کرگئے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دو قریبی ساتھیوں علی ابن ابی طالب اور اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو بلایا اور ان سے مشورہ کیا۔ دونوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں خوب باتیں کیں، اور یہاں تک کہ ایک گواہ، ایک لونڈی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں کام کرتی تھی، کو بلا کر ان کے حسن اخلاق کا مزید ثبوت پایا۔ .اس نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں اچھائی کے سوا کچھ نہیں کہا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 219-220 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ ایک خاص رویہ اختیار کرنے سے گریز کریں یعنی اپنے مسائل کو بہت زیادہ لوگوں کے ساتھ شیئر کریں۔ اس رویہ کا مسئلہ یہ ہے کہ جب کوئی بہت سے لوگوں کو بتاتا ہے تو ان کے مسائل بتانا اور مشورہ لینا ان کی مشکلات کی شکایت کا ذریعہ بن جاتا ہے جو ان کی بے صبری کی واضح علامت ہے۔ اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی کو صرف الجھن کا باعث بنے گا کیونکہ انہیں ملنے والی نصیحتیں مختلف ہوں گی جس کی وجہ سے وہ صحیح راستے کے بارے میں زیادہ سے زیادہ غیر یقینی ہو جائیں گے۔ جبکہ چند عقلمندوں سے مشورہ کرنا کسی کے یقین میں اضافے کا سبب ہی بنے گا۔ بہت سے لوگوں کے سامنے کسی کے مسائل کو بار بار دہرانے سے وہ اپنے مسئلے پر بہت زیادہ توجہ مرکوز کرنے کا سبب بنتا ہے جس کی وجہ سے یہ حقیقت سے زیادہ بڑا اور اہم دکھائی دیتا ہے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے وہ اپنے دوسرے فرائض سے غفلت برتتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے مسائل پر توجہ مرکوز کرتے ہیں۔ زیادہ بے صبری.

اس لیے مسلمانوں کو اپنی مشکلات کے سلسلے میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

’’پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔‘‘

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کسی کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا، ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کو بتانا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہیں اور ان سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو اپنے مسائل صرف ان لوگوں کے ساتھ شیئر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے

ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

چیزوں کو جانے دینا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم بنو کے خلاف ایک مہم پر نکلے۔ المصطلق۔ آپ کی اہلیہ عائشہ رضی اللہ عنہا بھی آپ کے ساتھ تھیں۔ سفر کے دوران عورتیں ایک چھوٹے سے ڈبے کے اندر بیٹھ جاتیں جسے اونٹ پر رکھ کر باندھ دیا جاتا۔ جب فوج نے کیمپ لگایا تو عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے آپ کو راحت پہنچانے کے لیے چلی گئیں اور کیمپ میں واپس آگئیں۔ واپسی پر اس نے دیکھا کہ اس کا ہار غائب ہے۔ اس نے پھر اپنے قدم پیچھے ہٹائے جب تک وہ اسے نہ ملا۔ جب وہ ایک بار پھر کیمپ میں واپس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ اس کے بغیر چلے گئے تھے۔ یہ اس وقت ہوا جب اس کی ٹوکری کو اونٹ پر رکھنے اور باندھنے کے ذمہ داروں نے یہ سمجھا کہ وہ پہلے ہی اندر ہے۔ وہ خالی پڑی ہوئی جگہ پر رہی یہاں تک کہ ایک صحابی صفوان بن المطلع رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا۔ اسے فوج سے پیچھے رہنے اور سفر کرنے والی فوج سے نادانستہ طور پر گرا ہوا سامان اٹھانے کا کام سونپا گیا تھا۔ اس نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو پہچان لیا جیسا کہ اس نے اسلام میں عورتوں کا پردہ فرض ہونے سے پہلے انہیں دیکھا تھا۔ اس نے احترام کے ساتھ اسے اپنا اونٹ سواری کے لیے پیش کیا جب وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو لوگوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو کیمپ میں داخل ہوتے دیکھا۔ منافقین نے اس موقع کو غنیمت جان کر ان کے بارے میں بہتان تراشی کی اور لوگ بہت پریشان ہوئے۔ اللہ کے بعد، عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس بہتان سے بری الذمہ قرار دیا گیا، ان کے والد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اب وہ اپنے رشتہ دار کی مالی مدد نہیں کریں گے جس نے اس بہتان کو پھیلانے میں حصہ لیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد باب 24 النور، آیت 22 نازل کی، جس میں اسے اور تمام مسلمانوں کو دوسروں کی غلطیوں کو معاف کرنے اور نظر انداز کرنے کی ترغیب دی گئی:

" اور تم میں سے نیک اور مال والے قسم نہ کھائیں کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کی مدد نہیں کریں گے اور وہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

اس کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنا اعلان واپس لے لیا اور اپنے رشتہ دار کی مدد کرتے رہے۔ جامع ترمذی نمبر 3180 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ

خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔

معاہدہ حدیبیہ

تقویٰ کے لیے آزمایا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے ارادے سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہونا۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بعد اس گروہ کو حکم دیا کہ وہ مکہ کے لیے ایک متبادل راستہ اختیار کرے جو کچا اور انتہائی خطرناک تھا۔ آخرکار جب وہ حدیبیہ کے قریب پہنچے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بیٹھ گئی اور آگے جانے سے انکار کردیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھا کہ مکہ کی طرف آگے بڑھنے کے بجائے اس علاقے میں رہنا ہی ان کے لیے بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا اور اعلان کیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما اس دن آپ سے جو بھی درخواست کریں گے وہ قبول کریں گے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 224 میں بحث ہوئی ہے اور صحیح بخاری نمبر 2731-2732 میں موجود احادیث میں درج ہے۔

معاہدہ حدیبیہ پر دستخط کرنے سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ کے غیر مسلموں کے قائدین کو چاہئے کہ وہ اپنی شرارتوں سے باز آجائیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی گردنیں مارنے والے کو بھیج دیا۔ اسلام کی حمایت میں اور جس کے دل کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے آزمایا تھا۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کس کی طرف اشارہ کر رہے ہیں تو انہوں نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 173 میں بحث کی گئی ہے۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔ السلام علیکم باب فاطر، آیت 28 35:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں''۔''

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے .پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

رضوان کا عہد

بندگی کا عہد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے پاس اپنا سفیر بنا کر روانہ کیا تاکہ انہیں ان کے پرامن ارادے سے آگاہ کیا جا سکے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ پیغام پہنچانے کے بعد انہیں مکہ کے غیر مسلموں نے حراست میں لے لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہو گئے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے عہد لیا کہ جب تک وہ عثمان رضی اللہ عنہ سے انتقام نہیں لیں گے وہ مکہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ نہ صرف غیر مسلح ہو کر مکہ میں داخل ہوئے تھے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفیر کی حیثیت سے داخل ہوئے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ سفیروں کے ساتھ ہمیشہ احترام کا سلوک کیا گیا ہے اور انہیں نقصان پہنچانا اعلان جنگ ہے۔ یہ اس دن اور عمر میں بھی سچ ہے۔ بیعت کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے میں رکھا اور فرمایا کہ اس کا ہاتھ عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کی نمائندگی کرتا ہے اور اللہ کی اطاعت کا عہد کرتا ہے۔ مبعوث اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے متعدد آیات نازل کیں، جیسے باب 48 الفتح، آیت 10:

’’ درحقیقت جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں، وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے۔ پس جو اس کی بات کو توڑتا ہے وہ اسے اپنے ہی نقصان کے لیے توڑتا ہے۔ اور جس نے اللہ سے جو وعدہ کیا ہے اسے پورا کرے گا تو اللہ اسے بہت بڑا اجر دے گا۔

اور باب 48 الفتح آیت 18:

’’ یقیناً اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہوا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپ سے بیعت کی، اور وہ جانتا تھا کہ ان کے دلوں میں کیا تھا، اس لیے اس نے ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں جلد فتح سے نوازا۔‘‘

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 227-228 اور صحیح بخاری نمبر 4066 میں موجود حدیث میں بحث ہوئی ہے۔

انسانیت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے کیے گئے عہد کو پورا کریں، جس کا تذکرہ قرآن مجید کی سورۃ الاعراف آیت نمبر 172 میں آیا ہے:

’’ اور وہ وقت یاد کرو جب تمہارے رب نے بنی آدم سے ان کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو اپنے اوپر گواہ کر کے کہا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ انہوں نے کہا ہاں ہم نے گواہی دی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تم قیامت کے دن یہ کہو کہ ہم اس سے بے خبر تھے۔

تمام انسانوں کو اس لیے پیدا کیا گیا تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کر سکیں۔ اس واقعہ کے پیچھے سمجھنے کا سبق یہ ہے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مان لیا۔ یعنی جس نے ان کو پیدا کیا، وہی ان کو پالے گا اور وہی جو قیامت کے دن ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا۔ تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اس عہد کو پورا کریں۔ .

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق سے یہ نہیں پوچھا کہ کیا وہ اس کے بندے ہیں، بلکہ ان سے پوچھا کہ کیا وہ ان کا رب ہے؟ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہمیشہ انسان کی مرضی اور خواہش کے سامنے آنی چاہیے۔ اگر کسی مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ یا کسی اور کو راضی کرنے کا انتخاب ہے تو یہ عہد انہیں یاد دلائے گا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے پہلے ہونی چاہیے۔

یہ سوال بھی اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت کی طرف اشارہ ہے، جیسا کہ اس نے مخلوق کے لیے اس کا جواب لفظی طور پر بیان کیا۔ اس سے مسلمانوں کو ظاہر ہوتا ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہی رب ہے جو ان کے اعمال کا فیصلہ کرے گا، وہ بے حد مہربان بھی ہے۔

اس عہد کا اثر تمام بنی نوع انسان کے دلوں میں گہرا ہے۔ درحقیقت یہی وہ نوعیت ہے جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6755 میں موجود حدیث میں وارد ہوا ہے، اس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ لوگوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ پہلے سے ذہن سازی کرنے کے بعد حق کی تلاش نہ کریں اور پھر ثبوت تلاش کریں۔ جو ان کے پہلے سے طے شدہ عقیدے کی تائید کرتا ہے۔ صرف وہی لوگ جو پہلے سے طے شدہ فیصلہ کیے بغیر اپنے دماغ کو کھولتے ہیں وہ اس عہد کو کھولیں گے جو ان کے دلوں کی گہرائیوں میں سرایت کر گیا ہے۔ درحقیقت، کھلے ذہن کا ہونا نہ صرف ایمان کے معاملات میں تمام مسائل میں اہم ہے کیونکہ یہ سچائی اور بہترین راستہ تلاش کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہ رویہ معاشرے کو مضبوط کرتا ہے اور ہمیشہ لوگوں کے درمیان امن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ لیکن ان

لوگوں کی ضد جو اپنے انتخاب کا پہلے سے تعین کرتے ہیں ہمیشہ معاشرے کے ممبروں کے درمیان پچر پیدا کرے گا جو قومی سطح پر لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ یہ نہ مانیں کہ وہ دنیاوی معاملات میں درست ہیں ورنہ وہ یہ ضدی رویہ اپنائیں گے۔ یہ انہیں دوسروں کی رائے کو قبول کرنے سے روکے گا جس سے جھگڑے، دشمنی اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ اس لیے اس رویہ سے ہر صورت گریز کرنا چاہیے۔

آخر میں یہ حقیقت کہ یہ عہد ایک شخص کے دل کی گہرائیوں میں پیوست ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر اس کا پردہ فاش کرنا فرض ہے۔ یہ ایمان کے یقین کی طرف لے جائے گا جو کہ سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر ایمان سے کہیں زیادہ مضبوط ہے، جسے کسی کے گھر والوں کی طرف سے بتایا جاتا ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔ یقین کا یقین مسلمان کو اس دنیا میں اپنے دینی اور دنیاوی فرائض کی ادائیگی کے ساتھ کامیابی کے ساتھ تمام مشکلات پر قابو پانے کی اجازت دیتا ہے۔ ایک شخص صرف اپنے ایمان کی کمزوری کی وجہ سے امتحان اور اپنے فرائض میں ناکام ہوتا ہے۔ ایمان کا یقین صرف قرآن کریم اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے اندر موجود علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

”ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے“۔

سچی محبت اور خلوص

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو بھیجا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بات کریں اور آپ کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ کچھ واقعات کے بعد آخرکار مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کر لیں لیکن کچھ شرائط رکھی جو ظاہری طور پر غیروں کے حق میں تھیں۔ مکہ کے مسلمان۔ معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ بغیر زیارت)عمرہ (کئے مدینہ واپس آگئے جو کہ معاہدہ کا حصہ تھا۔ دس سال تک جاری رہنے والا یہ معاہدہ حقیقت میں مسلمانوں کے حق میں رہا۔ اس معاہدے سے پہلے جب بھی مسلمان اور غیر مسلم آپس میں ملتے تھے تو اکثر اس پر کسی نہ کسی قسم کی لڑائی ہوتی تھی لیکن جب معاہدہ کی وجہ سے جنگ ختم ہوئی تو جب بھی یہ لوگ ملتے تھے صرف بات چیت کرتے تھے۔ جب غیر مسلموں کو اسلام کی وضاحت کی گئی تو وہ اسے قبول کرنے لگے۔ اسلام اگلے دو سالوں میں اس سے زیادہ لوگوں کے دلوں میں داخل ہوا جتنا اس نے اپنے آنے کے بعد پچھلے تمام سالوں میں کیا۔ اس واضح فتح کو اللہ تعالیٰ نے تسلیم کیا، جس نے معاہدے پر دستخط ہونے کے بعد باب 48 الفتح نازل کیا۔ باب 48 الفتح، آیت 1:

‘‘بے شک ہم نے تم کو کھلی فتح دی ہے’’

اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 231 میں بحث کی گئی ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے صلح نامہ لکھا۔ غیر مسلموں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب لکھنے پر اعتراض کیا اور اصرار کیا کہ وہ صرف آپ کا نام لکھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ وہ اپنا لقب دستاویز سے مٹا دیں اور صرف اپنا نام لکھیں لیکن خلوص اور محبت کی بنا پر ایسا نہ کر سکے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اپنے ہاتھ سے اس کا لقب مٹا دیا تاکہ معاہدہ ہو جائے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 173-174 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اخلاص اختیار کرتے ہوئے علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

شیطانی سازشیں ناکام

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے چھٹے سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ زیارت)عمرہ (کریں اور مکہ کے غیر مسلموں کے ساتھ جنگ میں مشغول نہ ہوں۔ سفر کے دوران، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے انہیں مکہ میں داخل ہونے سے روکنے کے لیے ایک فوج روانہ کی۔ حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالنے کے بعد مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے مختلف لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کرنے کے لیے بھیجا تاکہ ان کے مکہ آنے کے محرکات معلوم کریں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ہر ایک کو بتایا کہ وہ صرف سلامتی کے ساتھ زیارت)عمرہ (کرنا چاہتے ہیں۔ چند واقعات کے بعد بالآخر مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے سہیل بن عمرو کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بھیجا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صلح کرائیں لیکن کچھ شرائط رکھی گئیں، جو ظاہری طور پر سب کے حق میں نظر آئیں۔ مکہ کے غیر مسلم ان میں سے ایک یہ تھا کہ مکہ سے اسلام قبول کرنے والا اگر کوئی مدینہ فرار ہو جائے تو اسے مکہ واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر کوئی مدینہ سے مکہ بھاگ گیا تو اسے واپس مدینہ نہیں بھیجا جائے گا۔ یہ ظاہر ہے کہ مکہ کے غیر مسلموں نے صرف یہ مطالبہ کیا تھا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اس سے مسلم قوم کا اتحاد ٹوٹ جائے گا۔ معاہدے پر دستخط کرنے کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ واپس آگئے۔ ایک صحابی ابو بصیر رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بچ کر مدینہ بھاگ گئے۔ مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ابو بصیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ سے واپس لینے کے لیے دو آدمی بھیجے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاہدے کا احترام کیا اور انہیں مکہ واپس جانے کے لیے سپرد کیا۔ مکہ واپسی کے راستے میں، ابو بصیر رضی اللہ عنہ، فرار ہو گئے اور بالآخر مدینہ اور مکہ سے دور ایک اور ویران علاقے میں بھاگ گئے۔ اس کے بعد جب بھی کوئی صحابی رضی اللہ عنہ مکہ کی قید سے بھاگے تو ابو بصیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل گئے۔ ان کی تعداد بڑھتی گئی یہاں تک کہ آخرکار انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے تجارتی قافلوں پر چھاپہ مارنا اور لوٹنا شروع کر دیا، کیونکہ صلح کے معاہدے میں ان کو شامل نہیں کیا گیا تھا، صرف مدینہ کے شہری شامل تھے۔ جس کی وجہ سے مکہ کے لوگوں کو شدید مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ آخرکار انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغام بھیجا اور آپ سے التجا کی کہ ابو بصیر رضی اللہ عنہ اور ان کی فوج کو مدینہ بلائیں تاکہ چھاپے اور لوٹ مار ختم ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اتفاق کیا اور یہ لوگ امن کے ساتھ مدینہ کی طرف ہجرت کر گئے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 240 میں بحث کی گئی ہے۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی " چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔"

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے ..." راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟‘‘

صحابہ کرام رضی اللہ عنہ سے محبت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ان سے ہیں اور وہ علی رضی اللہ عنہ سے ہیں۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 3719 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اس کے علاوہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار اعلان فرمایا کہ علی رضی اللہ عنہ سے مومن کے سوا کوئی محبت نہیں کرتا اور منافق کے سوا کوئی ان سے بغض نہیں رکھتا۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 3736 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ایک بار اپنے گھر سے نکلے اور مسجد نبوی میں سو گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اس وقت پایا جب ان کی پیٹھ خاک آلود تھی اور پیٹھ سے غبار ہٹاتے ہوئے آپ نے انہیں خاک کا باپ کہا۔ اس واقعہ کی وجہ سے یہ لقب علی رضی اللہ عنہ کو سب سے پیارا نام پڑ گیا اور جب لوگ آپ کو اس سے تعبیر کرتے تھے تو آپ خوش ہوتے تھے۔ صحیح بخاری نمبر 6204 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان کی محبت اور خلوص کی وجہ سے آپ نے جو لقب دیا اس سے محبت کی۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

ہمدردی

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی مسلمانوں کے لیے جو ہمدردی تھی وہ درج ذیل واقعہ میں مذکور ہے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بحث کی۔ باب 58 مجادلہ، آیت 12:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم رسول سے خفیہ طور پر مشورہ کرنا چاہو تو اپنے مشورے سے پہلے صدقہ پیش کرو۔‘‘

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ لوگوں سے کہو کہ ایک سونے کا سکہ صدقہ کریں۔ علی رضی اللہ عنہ اسے کہتے رہے کہ لوگ اس کی استطاعت نہیں رکھتے جب تک کہ انہوں نے جو کے ایک دانے کے برابر سونا صدقہ نہ کر دیا۔ پھر لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کے لیے درج ذیل آیت نازل ہوئی۔ باب 58 مجادلہ، آیت 13:

"کیا آپ اپنے مشاورتی خیراتی اداروں کے سامنے پیش ہونے سے ڈرتے ہیں؟ پھر جب تم ایسا نہ کرو اور اللہ نے تمہیں معاف کر دیا تو نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔‘‘

امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 95-96 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6586 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ امت مسلمہ ایک جسم کی مانند ہے۔ جسم کے کسی حصے میں درد ہو تو باقی جسم اس کے درد میں شریک ہوتا ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، اپنی زندگی میں اس قدر خودغرض نہ ہونے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتی ہے اور اس طرح برتاؤ کرتی ہے کہ گویا کائنات ان کے اور ان کے مسائل کے گرد گھوم رہی ہے۔ شیطان ایک مسلمان کو اپنی زندگی اور اپنے مسائل پر اس قدر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیتا ہے کہ وہ بڑی تصویر پر توجہ دینے سے محروم ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ بے صبری کا باعث بنتا ہے اور وہ دوسروں سے غافل ہو جاتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کرنے میں اپنا فرض ادا نہیں کرتا۔ ایک مسلمان کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہیے اور دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جہاں تک وہ کر سکتے ہیں۔ یہ مالی مدد سے آگے تک پھیلا ہوا ہے اور اس میں تمام زبانی اور جسمانی مدد شامل ہے جیسے کہ اچھا اور مخلصانہ مشورہ۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خبروں کا باقاعدگی سے مشاہدہ کریں اور جو پوری دنیا میں مشکل حالات میں ہیں۔ یہ انہیں خودغرض بننے سے بچنے اور دوسروں کی مدد کرنے کی ترغیب دے گا۔ درحقیقت جس کو صرف اپنی فکر ہوتی ہے وہ جانور سے بھی کم تر ہے جیسا کہ وہ اپنی اولاد کا خیال رکھتا ہے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو عملاً اپنے خاندان سے بڑھ کر دوسروں کا خیال رکھتے ہوئے جانوروں سے بہتر ہونا چاہیے۔

اگرچہ ایک مسلمان دنیا کے تمام مسائل کو دور نہیں کر سکتا لیکن وہ اپنا کردار ادا کر سکتا ہے اور اپنے وسائل کے مطابق دوسروں کی مدد کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اور توقع یہی ہے۔

الہی محبت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے اور انہیں حکم دیا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت کرو۔ سنن ابن ماجہ نمبر 149 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر چل کر ان صفات کو اپنانا چاہیے جو محبت الٰہی کا باعث بنتی ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ اس بندے سے محبت کرتا ہے جس میں درج ذیل صفات ہوں۔ پہلی صفت تقویٰ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے، اور وہ اپنے فرائض کو پورا کرتے ہیں۔ لوگوں کے بارے میں فرائض، جیسے کہ اس دنیا میں ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو فضول خرچی، اسراف یا اسراف کے بغیر حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت مخلوقات سے آزاد ہونا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فراہم کیے گئے اسباب مثلاً اپنی جسمانی طاقت کو پوری طرح استعمال کرے۔ انہیں سستی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور لوگوں سے چیزیں طلب کرنا چاہئے کیونکہ یہ عادت ان پر انحصار کا باعث بنتی ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کم کردیتی ہے۔ انسان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ جو کچھ بھی ہو جائے ان کا رزق ان کے لیے زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کر دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کو اپنی کوششوں

پر توجہ مرکوز رکھنی چاہیے اور اس بات پر بھروسہ رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ انہیں وہ عطا فرمائے گا جو ان کے لیے بہتر ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں آخری خصوصیت گمنام ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان کو شہرت حاصل کرنے کے لیے دنیاوی یا دینی معاملات میں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بن سکتا ہے، جیسے دکھاوا، اور یہ صرف ایک کے اجر کو ختم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ شہرت حاصل کرنا دین کے لیے دو بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ مشہور ہو جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو برقرار رکھے، اس کی اطاعت میں کوئی تبدیلی کیے بغیر لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔

مالک، محافظ اور دوست

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار اعلان فرمایا کہ جس کا وہ مولا، محافظ اور دوست ہے، تو علی ابن ابو طالب بھی ان کے مولا، محافظ اور دوست ہیں۔ اس کا تذکرہ جامع ترمذی نمبر 3713 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

یہ، بہت سی چیزوں کے درمیان، صحیح رول ماڈل کے انتخاب کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو بہت سے ایسے لوگ نظر آئیں گے جنہوں نے بڑی دنیاوی کامیابیاں حاصل کیں اور بعض صورتوں میں ابھی تک بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا، وہ کم از کم ایک ایسی چیز بھی دیکھیں گے جو ان کے کارناموں کو داغدار کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مشاہدہ کرے تو انہیں کامیابی اور ان گنت چیزوں کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا جن سے بنی نوع انسان کو فائدہ ہوتا ہے۔ اگر چہ ایسے لوگ موجود ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹی تنقید کرتے ہیں لیکن آپ کی انتہائی درست اور مفصل سیرت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس کی تصدیق معتبر مسلم اور غیر مسلم مورخین نے کی ہے کہ یہ تنقید کس بنیاد پر کی گئی ہے۔ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں .اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام رول ماڈلز کو ایک طرف رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے عیب سیرت کا مطالعہ کریں اور اسے اپنائیں، کیونکہ یہ ہی دنیاوی اور دینی زندگی میں حقیقی کامیابی حاصل کرنے کا واحد راستہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا‘‘۔

اس دنیا میں اس سے بڑا کوئی مقصد نہیں۔ درحقیقت یہ وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے لوگ اپنے عقیدے سے قطع نظر کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھا ہے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

یہ سادہ سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص دنیوی اور دینی کامیابی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ لیکن اگر وہ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتے ہیں جو بھی داغدار کامیابی حاصل کرتے ہیں وہ بالآخر ان کے لیے بوجھ بن جائے گی اور یہ ایک عظیم دن پر عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔

ہجرت کے بعد 7 واں سال

خیبر کی جنگ

سبحانہ وتعالیٰ کی محبت حاصل کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ ان کے قلعوں میں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ اپنا جھنڈا کسی ایسے شخص کو دینے والا ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور یہ شخص بھی اللہ کا محبوب ہے۔ عالیہ، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شخص خیبر کو فتح کرے گا۔ اگلے دن اس نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور انہیں جھنڈا سونپ دیا اور پھر خیبر فتح ہو گیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ علی ابن ابی طالب اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے خلوص نیت سے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں، تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے محبوب بن جاتے ہیں۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آسمانی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے اعلان کیا ہے کہ مسلمان صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کے ذریعے ہی اس کا قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اور وہ رضاکارانہ عمل صالح کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل کر سکتے ہیں۔

یہ وضاحت اللہ تعالیٰ کے بندوں کو دو قسموں میں تقسیم کرتی ہے۔ پہلا گروہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اپنے واجبات جیسے فرض نماز اور لوگوں کے حوالے سے جیسے فرض صدقہ کی ادائیگی سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔ اس کا خلاصہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے سے ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم کے وہ لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیا جاتا ہے وہ پہلے گروہ سے برتر ہیں کیونکہ وہ نہ صرف اپنے فرائض کی ادائیگی کرتے ہیں بلکہ رضاکارانہ طور پر نیک کاموں میں بھی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کا یہی واحد راستہ ہے۔ جو اس کے علاوہ کوئی راستہ اختیار کرے گا وہ اس اہم مقصد کو حاصل نہیں کر سکے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں جدوجہد کیے بغیر ولیت حاصل کرنے کے تصور کو یکسر مسترد کرتا ہے۔ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے وہ محض جھوٹا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث کی تصدیق کی ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو باقی جسم بھی پاک ہوجاتا ہے۔ یہ عمل صالح کی طرف لے جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص اعمال صالحہ مثلاً اپنے واجبات کو ادا نہ کرے تو اس کا جسم نجس ہے یعنی اس کا روحانی دل بھی نجس ہے۔ یہ شخص کبھی اللہ تعالیٰ کے قرب تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سب سے بڑا رضاکارانہ عمل وہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہو۔ جو کوئی بھی اپنی روایات کی بنا پر رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے کا انتخاب کرتا ہے اسے شیطان نے دھوکہ دیا ہے کیونکہ کوئی بھی راستہ کسی کو اللہ تعالیٰ کے قریب نہیں لے جا سکتا سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے اور اعمال کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

دوسرے اعلیٰ طبقے میں شامل متقی مسلمان بھی وہ ہیں جو اس مادی دنیا کی غیر ضروری چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں۔ یہ رویہ انہیں اپنی کوششوں کو رضاکارانہ نیک اعمال انجام دینے پر مرکوز کرنے میں مدد کرتا ہے۔ یہی وہ گروہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت، عداوت، دے کر اور سب کچھ روک کر اپنے ایمان کو مکمل کیا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

اس کے بعد جو اہم حدیث زیر بحث ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص فرائض کی ادائیگی اور نفلی اعمال کی انجام دہی میں کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی پانچوں حواس کو برکت دیتا ہے تاکہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں استعمال کریں۔ یہ نیک بندہ بہت کم گناہ کرے گا۔ ہدایت میں اس اضافے کی طرف باب 29 العنکبوت، آیت 69 میں اشارہ کیا گیا ہے:

’’اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔‘‘

یہ مسلمان فضیلت کے اس درجے کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ جو اس درجے تک پہنچ جائے گا وہ اپنے دماغ اور جسم کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ وہ ہے جو جب بولتے ہیں تو اللہ کے لیے بولتے ہیں، جب خاموش ہوتے ہیں تو اللہ کے

لیے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو اس کے لیے کام کرتے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو اس کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک پہلو ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اس مسلمان کی دعا پوری ہو گی اور انہیں اللہ تعالیٰ کی پناہ اور حفاظت حاصل ہو گی۔ یہ ان لوگوں کے لیے ایک واضح سبق ہے جو حلال دنیاوی چیزوں کے خواہش مند ہیں۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے سوا کسی ذریعہ سے ان کو حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ کوئی روحانی استاد یا کوئی اور شخص کسی شخص کو اس وقت تک چیزیں نہیں دے سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوشش نہ کرے اور ان چیزوں کو حاصل کرنا ان کا مقدر ہو۔

اس حدیث کو ختم کرنے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا قرب صرف اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اس کی مخلصانہ اطاعت سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے اور دونوں جہانوں میں کامیابی کا واحد راستہ ہے۔

دوسروں کی رہنمائی کرنا

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال آپ کو ایک غیر مسلم قبیلے کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جو مدینہ کے قریب خیبر میں رہتا تھا۔ یہ حکم اس لیے دیا گیا کہ انہوں نے مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ مل کر ان کے خلاف مسلسل سازشیں کرتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونے والے امن معاہدے کو مسلسل توڑ دیا۔ ان کے قلعوں میں پہنچ کر اس نے اعلان کیا کہ اگلے دن وہ اپنا جھنڈا کسی ایسے شخص کو دینے والا ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور یہ شخص بھی اللہ کا محبوب ہے۔ عالیہ، اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ یہ شخص خیبر کو فتح کرے گا۔ دوسرے دن اس نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور جھنڈا ان کے سپرد کیا۔ اسے حکم دیا گیا کہ وہ ان کے قلعے کے قریب سوار ہو جائیں اور ان سے لڑنے سے پہلے انہیں اسلام کی طرف بلائیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر یہ نصیحت فرمائی کہ اگر کوئی ایک شخص آپ کے ذریعے سے ہدایت حاصل کر لے تو وہ عربوں کے مشہور ترین اونٹوں کے ریوڑ سے بہتر ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 251 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2674 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ دوسروں کو نیکی کی طرف رہنمائی کرنے والے کو ان کی نصیحت پر عمل کرنے والوں کے برابر اجر ملے گا۔ اور جو لوگ دوسروں کو گناہوں کی طرف رہنمائی کرتے ہیں ان سے ایسا حساب لیا جائے گا جیسے انہوں نے گناہ کیے ہوں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ دوسروں کو نصیحت اور رہنمائی کرتے وقت احتیاط برتیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نیکی کے کاموں میں صرف اس لیے نصیحت کرے کہ وہ اس سے ثواب حاصل کریں اور دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی نصیحت کرنے سے گریز کریں۔ ایک شخص قیامت کے دن محض یہ دعویٰ کر کے عذاب سے نہیں بچ سکے گا کہ وہ صرف دوسروں کو گناہوں کی طرف دعوت دے رہا ہے چاہے اس نے خود گناہ کیوں نہ کیے ہوں۔ اللہ تعالیٰ

رہنما اور پیروکار دونوں کو ان کے اعمال کے لیے جوابدہ ٹھہرائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کو صرف وہی کام کرنے کی تلقین کرنی چاہیے جو وہ خود کریں گے۔ اگر وہ اپنے نامہ اعمال میں کسی عمل کو ناپسند کرتے ہیں تو انہیں دوسروں کو اس عمل کی تلقین نہیں کرنی چاہیے۔

اس اسلامی اصول کی وجہ سے مسلمانوں کو یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے مناسب علم حاصل کریں کیونکہ اگر وہ دوسروں کو غلط نصیحت کرتے ہیں تو وہ آسانی سے اپنے گناہوں کو بڑھا سکتے ہیں۔

اس کے علاوہ، یہ اصول مسلمانوں کے لیے ان کاموں کا اجر حاصل کرنے کا ایک انتہائی آسان طریقہ ہے جو وہ خود اسباب کی کمی کی وجہ سے انجام نہیں دے سکتے، جیسے کہ دولت۔ مثال کے طور پر، ایک شخص جو مالی طور پر صدقہ دینے کی استطاعت نہیں رکھتا ہے وہ دوسروں کو ایسا کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے اور اس کے نتیجے میں وہ صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب حاصل کرے گا۔

دورہ)عمرہ(

کمزوری کے بغیر عاجزی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے ساتویں سال، آپ نے زیارت)عمرہ (کرنے کے لیے مکہ کا رخ کیا، جیسا کہ گزشتہ سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کے ساتھ اتفاق کیا گیا تھا۔ ان تک یہ خبر پہنچی کہ مکہ کے غیر مسلم رہنما یہ خبریں پھیلا رہے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی مشکل اور پریشانی میں ہیں۔ غیر مسلم بیت اللہ، کعبہ کے قریب قطار میں کھڑے ہو کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گواہی دے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر اس دن طاقت کا مظاہرہ کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ سے برکت کی دعا کی۔ اپنی طاقت دکھانے کے لیے انہوں نے خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے جزوی طور پر خانہ کعبہ کا طواف کیا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 308 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 2556 میں موجود حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزی اختیار کرنے والے کو بشارت دی ہے جو بغیر کسی عیب یعنی کمزوری کے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ عاجز اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات پر سرتسلیم خم کرتا ہے، قبول کرتا ہے اور اس پر عمل کرتا ہے، اس طرح اس کی بندگی کا ثبوت دیتا ہے۔ جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو وہ آسانی سے اسے قبول کرتے ہیں چاہے وہ ان کی خواہشات کے خلاف ہو اور اس سے قطع نظر کہ اسے کون ان تک پہنچاتا ہے۔ مطلب، وہ سچائی کو یہ سمجھتے ہوئے رد نہیں کرتے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ وہ دوسروں کو حقیر نہیں سمجھتے اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ کسی دنیاوی چیز کی وجہ سے جو ان کے پاس ہیں یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وجہ سے وہ ان سے برتر ہیں، کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کا آخری انجام یا دوسروں کا آخری نتیجہ ان کے لیے نامعلوم ہے۔ یعنی وہ مر سکتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی نہیں ہے۔ اس حقیقت کو انسان کو غرور کے مہلک گناہ سے روکنا چاہیے۔ ایک ایٹم کی قیمت کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ کمزوری کے بغیر عاجزی کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان ہمیشہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرتا ہے لیکن ضرورت پڑنے پر اپنا دفاع کرنے سے نہیں ڈرتا اور نہ ہی ان کی عاجزی ان کی بے عزتی اور بے عزتی کا باعث بنتی ہے۔

ہجرت کے بعد آٹھواں سال

فتح مکہ

سب سے پہلے اسلام کے لیے اخلاص

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک دوسرے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک قبیلے پر حملہ کیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں کو معلوم ہوا کہ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو انہوں نے اپنے ایک رہنما ابو سفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ وہ اس معاہدے کی توثیق کریں اور اس میں توسیع کریں کیونکہ وہ بہت زیادہ ہو گئے تھے۔ ان کی غداری کے نتائج کے بارے میں فکر مند .ابو سفیان نے بہت سے بزرگ صحابہ سے بات کی، جن میں علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنی طرف سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت کریں۔ اس نے ان کے ساتھ مختلف وابستگیوں کو درج کیا تاکہ ان پر فتح حاصل کی جاسکے جیسے کہ قبائلی اور رشتہ داریاں لیکن سب نے ایک ہی طرح سے جواب دیا۔ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کرنے کے لیے اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے سے انکار کر دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاہدے کی تجدید یا تجدید نہ کرنے پر راضی کرنے کی خواہش نہیں کی۔ اس کے بجائے انہوں نے فیصلہ اپنے رہنما پر چھوڑ دیا کہ وہ اس کی خدائی رہنمائی شدہ انتخاب پر بھروسہ کرے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 381-382 میں بحث کی گئی ہے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔“

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

رحم کے ساتھ دوسروں کا مشاہدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ حاطب ابن ابی بلتہ رضی اللہ عنہ نے ایک خاتون قاصد کو مکہ کی طرف ایک خط کے ساتھ روانہ کیا جس میں غیر مسلموں کو اطلاع دی کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف جارہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خط کی الہی اطلاع ملی اور اس کے نتیجے میں علی ابن ابی طالب، مقداد بن عمرو اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کو بھیجا کہ وہ ان کو روکیں اور واپس لے آئیں۔ مکہ پہنچنے سے پہلے خط منصوبہ کامیاب ہوا اور وہ خط حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس کر دیا گیا، آپ نے پھر حاطب رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ان سے ان کے خط کے متعلق سوال کیا۔ حاطب رضی اللہ عنہ نے اعلان کیا کہ اس نے نہ تو مرتد کیا ہے اور نہ ہی کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے بلکہ اس نے خط صرف اس لیے لکھا ہے کہ مکہ میں ان کے پاس کوئی نہیں تھا جو وہاں اپنے اہل و عیال کی حفاظت کر سکے اور اسے یقین تھا کہ اس خط کے ذریعے اسے فائدہ ہو گا۔ ان کا احسان اور اس کے نتیجے میں وہ اس کے خاندان اور املاک کو نقصان نہیں پہنچائیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تصدیق فرمائی کہ آپ نے سچ فرمایا ہے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے غداری کے جرم میں حاطب رضی اللہ عنہ کو پھانسی دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ وہ جنگ بدر میں لڑ چکے ہیں اور اللہ عزوجل پہلے ہی اس کو قتل کر چکا ہے۔ جنگ بدر کے تمام شرکاء کو بخش دیا۔ اس کا تذکرہ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 3 صفحہ 379 اور صحیح بخاری نمبر 3007 میں موجود حدیث میں کیا گیا ہے۔

" اے ایمان والو، میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ، ان کے ساتھ محبت کرو، جب کہ وہ اس بات کا انکار کر چکے ہیں جو تمہارے پاس حق آیا ہے، اس لیے کہ تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اپنے آپ کو نکال دیا ہے۔ "، تیرا رب۔ اگر تم میری راہ میں لڑنے اور میری رضا کے حصول کے لیے نکلے ہو، تو]انہیں دوست نہ بناؤ[۔ تم ان سے محبت کا اظہار کرتے

ہو، لیکن جو کچھ تم نے چھپا رکھا ہے اور جو تم نے ظاہر کیا ہے، میں سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ اور "تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا وہ یقیناً راہ کی درستگی سے بھٹک گیا ہے۔

اس پر امام محمد السلّابی کی کتابِ نبوی زندگی، جلد 1، صفحہ 1684-1685 میں بحث کی گئی ہے۔

اگرچہ حاطب رضی اللہ عنہ کے ارادے برے نہیں تھے کیونکہ وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کرنا چاہتے تھے اور بخوبی جانتے تھے کہ غیر مسلموں کے نام ان کے خط سے مکہ کی منصوبہ بند فتح میں کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جیسا کہ مکہ کے غیر مسلم پہلے ہی سے اس واقعہ کے قائل تھے، اس لیے انہیں چاہیے تھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخلص رہتے اور اپنے اہل و عیال کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیتے۔ اس ایک غلطی کی سزا دینے کے بجائے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے قربان کرتے ہوئے دیکھی اور اس لیے اس ایک غلطی کو نظر انداز کر دیا۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر

تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اسلام نرمی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ کے غیر مسلم رہنماؤں نے ایک ایسے قبیلے کی حمایت کرکے حدیبیہ میں کیے گئے صلح کے معاہدے کو توڑ دیا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک دوسرے قبیلے پر حملہ کیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جنگ بندی تقریباً 18 ماہ تک جاری رہی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مکہ کی طرف روانہ ہونے کا حکم دیا تھا۔ جب مسلمانوں کا بہت بڑا لشکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں داخل ہوا تو سب پر ظاہر تھا کہ وہ اس دن مکہ فتح کر لیں گے۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ غیر مسلم سے لینے کے بعد خانہ کعبہ کی چابیاں لے کر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس سے پہلے عثمان بن طلحہ چابیاں کے انچارج تھے۔ علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے چابیاں اپنے پاس رکھنے کی درخواست کی تاکہ وہ کعبہ کا متولی بن سکیں۔ لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن طلحہ کو بلوایا اور چابیاں واپس کر دیں اور بتایا کہ یہ دن تقویٰ اور نیک نیتی کا دن ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 408 میں بحث کی گئی ہے۔

امام واحدی کی، اصباب النزول، 4:58، صفحہ 54 کے مطابق، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان کو چابیاں واپس کردیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے باب 4 النساء آیت 58 نازل فرمائی:

’’بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں ان کے حقداروں کو واپس کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرو۔ اللہ کی طرف سے آپ کے لیے کیا ہی عمدہ حکم ہے !بے شک اللہ سب کچھ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔‘‘

اس کے جواب میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

" پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔‘‘

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے‘‘۔’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

لوگوں سے اخلاص

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھویں سال مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی اور فتح مکہ کے بعد خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو قبیلہ بنو جذیمہ کی طرف بلانے کے لیے بھیجا گیا۔ اسلام کو .اگرچہ وہ پہلے ہی اسلام قبول کر چکے تھے، لیکن غلط فہمی کی وجہ سے ان کے بعض قبائلی مارے گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو قبیلہ کی غلطی کی تلافی کے لیے روانہ کیا۔ اس نے مرنے والوں کے لیے معاوضہ ادا کیا اور مال کے نقصان کا معاوضہ دیا اور یہاں تک کہ ایک کتے کے پانی کے پیالے تک بھی۔ حتیٰ کہ اس نے ان کو بقیہ مال بھی دے دیا جو اس کے پاس تھا اگر ان کی تلافی میں غلطی ہو جائے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل کی توثیق فرمائی۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 190 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

حنین کی جنگ

اطاعت میں فتح

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ جنگ کے دوران مسلمانوں کا لشکر مغلوب ہو گیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہ میدان جنگ سے عارضی طور پر پیچھے ہٹ گئے۔ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اپنی بنیاد پر قائم رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ لیکن جب انہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر بلایا گیا تو وہ سب آگے بڑھے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا فرما دی۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 451 میں بحث کی گئی ہے اور امام محمد السلبی کی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 191 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ ابتدائی مشکل اس وقت پیش آئی جب بعض چھوٹے صحابہ رضی اللہ عنہ نے جنگ سے قبل اعلان کیا کہ ان کی بڑی فوج کو شکست نہیں ہوگی۔ باب 9 توبہ، آیات 25-26:

’’ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت سے علاقوں میں فتح عطا فرمائی ہے اور حنین کے دن بھی، جب تمہاری کثیر تعداد نے تمہیں خوش کیا، لیکن وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی، اور زمین تمہارے لیے محدود ہوگئی۔ اس کی وسعت پھر تم بھاگتے ہوئے واپس لوٹ گئے۔ پھر اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر اپنی تسکین نازل فرمائی اور ایسے لشکر بھیجے جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کو عذاب دیا۔ اور یہ کافروں کی سزا ہے۔"

یہ واقعہ اس بات کو سمجھنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حقیقی کامیابی صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جس میں اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب، تقدیر کا مقابلہ روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ حقیقی کامیابی کا تعلق دنیاوی مال، بڑی تعداد یا جسمانی طاقت سے نہیں ہے۔

اگرچہ آزمائشوں اور آزمائشوں نے مومنین کو ازل سے ہی متاثر کیا ہے خاص طور پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، لیکن ایسا لگتا ہے کہ جدید دور کے امتحانات مسلمانوں کے لیے مزید مشکلات اور ذلت کا باعث بنتے ہیں۔ جبکہ نیک پیشواؤں کو جن آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا وہ دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنے۔ امتحانات کے نتائج اور نتائج میں اس فرق کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ جب صالح پیش رووں کو درحقیقت دورِ حاضر کے مسلمانوں سے بڑے امتحانات کا سامنا کرنا پڑا، جس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4023 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے، تو انہوں نے ان امتحانات کا سامنا کیا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے احکامات کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر پر صبر کرنے کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے ہوئے آزمائشیں اور مشکلات۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بحفاظت امتحان پاس کر گئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے دونوں جہانوں میں بڑی عزت و عنایت حاصل کی۔ جبکہ اس دور میں بہت سے مسلمان آزمائشوں کا سامنا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہتے۔ وہ یہ سمجھنے میں ناکام رہتے ہیں کہ امتحان میں کامیابی اور عزت صرف انہی کو ملتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہتے ہیں جبکہ نافرمانی صرف رسوائی کا باعث بنتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کنارے پر نہ کریں جہاں وہ آسانی کے وقت صرف اس کے فرمانبردار ہوں اور مشکل کے وقت غصے اور نافرمانی سے اس سے منہ موڑ لیں۔ یہ حقیقی بندگی یا اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کوئی بھی عمل طویل مدت میں مسلمانوں کی مدد نہیں کرے گا اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مبنی نہ ہو۔ نافرمانی صرف ایک مشکل سے دوسری مشکل کی طرف لے جائے گی، ایک سے دوسری رسوائی۔ باب 4 النساء، آیت 147:

''اللہ تمہارے عذاب کا کیا کرے گا اگر تم شکر گزار ہو اور ایمان لاؤ؟''

طائف کا محاصرہ

نرمی اور دوسرا امکان

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ شہر فتح ہوا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ طائف کے غیر مسلموں نے تقریباً 30 دن تک محاصرہ کیا لیکن فتح نہیں ہوئی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کی فوج کو طائف سے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور ان کی رہنمائی کے لیے دعا کی۔ غالباً اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے برسوں پہلے، مدینہ کی طرف ہجرت سے پہلے، جہاں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف کے لوگوں کو تباہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا، کی وجہ سے روک دیا تھا۔ اس کے ساتھ ان کے ناروا سلوک کا۔ لیکن اس نے اس اختیار کو ٹھکرا دیا اور اس کے بجائے تبصرہ کیا کہ اسے امید صحیح بخاری نمبر 3231 میں موجود ایک حدیث میں اس ہے کہ وہ بالآخر اسلام قبول کر لیں گے۔ تحفظ کا یہ انتخاب جاری رہا اور مسلمانوں کو طائف کو فتح کرنے سے روک پر بحث کی گئی ہے۔ دیا۔

مزید برآں طائف کے لوگوں نے آخرکار اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو یہ دوسرا موقع دیا کہ انہوں نے حق کو قبول کر لیا اور ایک وفد مدینہ منورہ بھیجا تاکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کریں اور اسلام قبول کریں۔ .اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 476 میں بحث کی گئی ہے۔

اللہ تعالیٰ نرمی کی وجہ سے اس کے لیے عذاب میں جلدی نہیں کرتا۔ اس کے بجائے وہ انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے اور اپنے طرز عمل کو درست کرنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ جو مسلمان اس بات کو سمجھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے کبھی امید نہیں چھوڑے گا، بلکہ حد سے تجاوز نہیں کرے گا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لا کر خواہش مندانہ سوچ اختیار کرے گا، انہیں کبھی عذاب نہیں دے گا۔ وہ سمجھتے ہیں کہ سزا میں صرف تاخیر ہوتی ہے جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہیں کرتے۔ پس یہ الہی نام ایک مسلمان میں امید اور خوف پیدا کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو اس تاخیر کو توبہ کرنے اور نیک کاموں کی طرف جلدی کرنے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اس الٰہی صفت پر لوگوں کے ساتھ نرمی برتتے ہوئے عمل کرنا چاہیے، خاص طور پر جب وہ برے کردار کا مظاہرہ کریں۔ انہیں دوسروں کے ساتھ نرمی کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس طرح وہ اللہ تعالیٰ سے ان کی غفلت کے لمحات میں ان کے ساتھ نرمی برتنے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ انہیں اپنی بری خصوصیات کے ساتھ نرمی نہیں برتنی چاہئے یہ جانتے ہوئے کہ گناہوں کی سزا میں تاخیر ہوتی ہے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں تب تک ہمیشہ کے لئے ترک نہیں کیا جاتا۔ انہیں بھی چاہیے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق برائی کا جواب اچھائی سے دیتے ہوئے نرمی پر ثابت قدم رہیں۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

" اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس [عمل] سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

ہجرت کے بعد نواں سال

نیک کردار جنت کی طرف لے جاتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے الفلاس کے بت کو منہدم کرنے اور ایک غیر مسلم سے لڑنے کے لیے ایک مہم کی قیادت کی۔ قبیلہ، بنو تائی۔ بہت سے جنگی قیدیوں کو پکڑ کر مدینہ لایا گیا۔ حاتم الطائی کی بیٹی بھی ان میں شامل تھی۔ جب اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واک پاس جاتے دیکھا تو اس نے ان سے کہا کہ وہ اسے رہا کر دے اور اسے عرب قبائل کی بدتمیزی سے بچا لے کیونکہ وہ اپنی قوم کے سردار کی بیٹی تھی۔ اس کے بعد اس نے اپنے والد کی کچھ خوبیوں کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مقدس چیزوں کے محافظ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصیبت زدوں کو راحت دی، بھوکوں کو کھانا کھلایا، ننگے لوگوں کو کپڑے پہنائے، فراخدلی سے مہمان نوازی کی، بہترین خوراک فراہم کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امن پھیلایا اور ضرورت مندوں کی درخواست کو کبھی رد نہیں کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ یہ واقعی ایک سچے مومن کا بیان ہے حالانکہ حاتم الطائی مسلمان نہیں تھا۔ اس کے بعد اس نے اپنی بیٹی کی رہائی کا اعلان کیا اور تبصرہ کیا کہ اس کے والد ایک ایسے شخص تھے جو اعلیٰ کردار کے خصائل سے محبت کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو اعلیٰ کردار کی خصلتوں سے محبت ہے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ جنت میں کوئی نہیں جائے گا سوائے اعلیٰ کردار کے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 92 میں بحث کی گئی ہے اور امام محمد السلبی کی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 191 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے

ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش ہوتی ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

تبوک کی جنگ

پریشانی پیدا کرنے والے

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں لوگوں کی دیکھ بھال کے لیے پیچھے چھوڑ دیا۔ منافقین نے اس کے پیچھے رہنے کی وجہ سے جھوٹ پھیلایا اور یہ دعویٰ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو پیچھے چھوڑ دیا ہے، جیسا کہ وہ آپ کو ناپسند کرتے تھے۔ علی رضی اللہ عنہ اس سے پریشان ہوئے اور پھر مدینہ چھوڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ سے اس مسئلہ پر گفتگو کی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تسلی دی اور وہاں کے لوگوں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ واپس آنے کو کہا۔ انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ علی رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ اسی طرح تھے جیسے حضرت ہارون علیہ السلام کو ان کے بھائی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معزول کیا تھا۔ واضح فرق یہ تھا کہ خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہو گا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 7-8 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 290 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ بدگمانی پھیلانے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

یہ وہ ہے جو گپ شپ پھیلاتا ہے چاہے یہ سچ ہو یا نہیں اور اس سے لوگوں کے درمیان مسائل، ٹوٹے ہوئے اور ٹوٹے ہوئے رشتے ہوتے ہیں۔ یہ ایک خبیث خصلت ہے اور جو لوگ اس طرح کا سلوک کرتے ہیں وہ درحقیقت انسان کے شیطان ہیں کیونکہ یہ ذہنیت شیطان کے علاوہ کسی اور کی نہیں ہے کیونکہ وہ ہمیشہ لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1:

"ہر طعنہ زنی کرنے والے اور ٹھٹھا کرنے والے کے لیے تباہی ہے۔"

اگر یہ لعنت ان کو گھیرے ہوئے ہے تو اللہ تعالیٰ سے ان کے مسائل حل کرنے اور انہیں نعمتوں سے نوازنے کی امید کیسے کی جا سکتی ہے؟ صرف وہی وقت قابل قبول ہے جب کوئی دوسروں کو خطرے سے خبردار کر رہا ہو۔

ایک مسلمان پر فرض ہے کہ وہ کسی کہانی سنانے والے کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ وہ بدکار لوگ ہیں جن پر بھروسہ یا یقین نہیں کیا جانا چاہیے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو جہالت کی وجہ سے نقصان پہنچا دو۔‘‘

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کو اس بری صفت کو جاری رکھنے سے روکے اور انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرے۔ جیسا کہ قرآن پاک میں حکم دیا گیا ہے کہ ایک مسلمان کو اس شخص کے خلاف کوئی بری خواہش نہیں رکھنی چاہئے جس نے ان کے بارے میں کوئی بری بات کہی ہو۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

یہی آیت مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ وہ دوسروں کی جاسوسی کر کے کہانی کے علمبردار کو ثابت یا غلط ثابت کرنے کی کوشش نہ کریں۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اور جاسوسی نہ کرو"

بجائے اس کے کہ کہانی بیان کرنے والے کو نظر انداز کر دیا جائے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ کہانی سنانے والے کی طرف سے دی گئی معلومات کا کسی دوسرے شخص سے ذکر نہ کرے اور نہ ہی کہانی سنانے والے کا ذکر کرے کیونکہ اس سے وہ بھی کہانی سنانے والا بن جائے گا۔

مسلمانوں کو قصہ گوئی اور افسانہ نگاروں کی صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ وہ اس وقت تک بھروسہ یا صحبت کے لائق نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔

تبوک میں خطبہ نبوی

ایک جامع مشورہ

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے نویں سال اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ عظیم بازنطینی سلطنت کے خلاف جنگ کریں، جیسا کہ خبر پہنچی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنے کی تیاری کر رہے تھے، کیونکہ وہ اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے آگاہ ہو گئے۔ یہ جنگ تبوک کا باعث بنی۔ جب غزوہ تبوک پہنچا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تقریر فرمائی'' :لوگو، سب سے زیادہ سچی تقریر اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے۔ بندوں میں سب سے مضبوط لفظ)ایمان کی گواہی (ہے۔ سب سے افضل دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے۔ زندگی کے بہترین طریقے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات ہیں۔ سب سے افضل کلام اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ سب سے بہترین روایت قرآن پاک ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے منظور کیے گئے ہیں۔ بدتر طرز عمل وہ ہیں جو اختراع شدہ ہیں۔ بہترین رہنمائی انبیاء علیہم السلام کی ہے۔ مرنے والوں میں سب سے افضل شہید کے طور پر مارا جا رہا ہے۔ سب سے اندھی چیز ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ بہترین اعمال وہ ہیں جو نفع بخش ہوں۔ بہترین ہدایت وہ ہے جس کی پیروی کی جائے)بدعت نہیں(۔ بدتر اندھا پن)روحانی (دل کا ہے۔ اوپر والا ہاتھ)صدقہ دینے والا (نیچے والے ہاتھ)صدقہ لینے والے (سے بہتر ہے۔ جو تھوڑا ہے لیکن کافی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو بہت ہے لیکن فضول ہے۔ بدترین معافی وہ ہے جب موت قریب ہو۔ قیامت کے دن بدترین توبہ ہے۔ وہ لوگ ہیں جو صرف اس کے آخر میں جمعہ کی نماز پڑھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر بے فائدہ کرتے ہیں۔ گناہوں میں سے بدتر جھوٹی زبان ہے۔ بہترین مال وہ ہے جو نفس کی)قناعت (ہے۔ بہترین صفات تقویٰ ہے۔ حکمت کی انتہا اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ دل کی بہترین خوبی یقین)ایمان (ہے۔ شک کرنا کفر میں سے ہے۔ ماتم میں نوحہ کرنا زمانہ جاہلیت)قبل از اسلام (کا عمل ہے۔ دھوکہ جہنم میں پھیلی ہوئی مٹی کا ہے۔)زیادہ تر (شاعری شیطان کی طرف سے آتی ہے۔ شراب گناہوں کا مجموعہ ہے۔ عورتیں)مردوں کے لیے اور مرد عورتوں کے لیے (شیطان کے پھندے ہیں۔ جوانی جنون کی ایک شاخ ہے)کنٹرول نہ ہونے کی وجہ سے(۔ بدتر آمدنی سود سے ہوتی ہے۔ بدترین کھانا یتیموں کا مال کھا رہا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جسے دوسروں کے اعمال سے ڈرایا جائے۔ تم میں سے کسی کو آخرت کی طرف لے جانے کے لیے معاملہ)موت (کے لیے صرف چار بازو دور جانا ہے۔ کسی عمل کی بنیاد اس کے نتائج سے طے ہوتی ہے۔ حکایتوں میں بدتر وہ ہیں جو جھوٹی

ہیں۔ جو کچھ آنے والا ہے وہ قریب ہی ہے۔ مومن کو گالی دینا غضب ہے۔ مومن سے لڑنا کفر ہے۔ اس کا گوشت کھانا)غیبت (اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ اس کے مال کی حرمت اس کے خون کی حرمت کے برابر ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی قسم کھاتا ہے، اس نے اس کو جھوٹا کہا۔ جو اس کی بخشش مانگے گا اسے بخش دیا جائے گا۔ جو معاف کرے گا اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ جو غصے کو دبائے گا اللہ تعالیٰ اس کا اجر دے گا۔ جو مصیبت پر ثابت قدم رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرے گا۔ جو شہرت چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کر دے گا۔ جو ثابت قدم رہے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوگنا اجر دے گا۔ جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے گا، اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ اے اللہ عزوجل مجھے اور میری امت کو بخش دے۔ میں اپنے لیے اور تمہارے لیے معافی چاہتا ہوں۔ ‘‘اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 16-17 میں بحث کی گئی ہے۔

مقدس زیارت کو پاک کرنا

سچی عقیدت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے نویں سال، اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ یہ اعلان کریں کہ صرف ایک مسلمان ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں شرکت کر سکتا ہے۔ اس سال کے بعد حج کرنا۔ اس سے پہلے غیر مسلم اپنے اپنے گمراہ کن رسم و رواج کے مطابق حج کرتے تھے۔ اس اعلان سے پہلے اور اسی سال حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حج کا انچارج مقرر فرمایا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 48-49 اور امام محمد السلبی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 150-151 میں بحث کی گئی ہے۔

اس اعلان کو عام کرنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو حجاج میں شامل ہونے کے لیے روانہ کیا۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ ان سے ملے تو انہوں نے فوراً دریافت کیا کہ کیا آپ کو ان سے قیادت سنبھالنے کے لیے بھیجا گیا ہے یا کوئی پیغام پہنچانے کے لیے؟ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ صرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سنن نسائی نمبر 2996 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

نہ ابوبکر اور نہ علی رضی اللہ عنہ، قیادت میں دلچسپی رکھتے تھے، بلکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوص نیت سے اطاعت کرنا چاہتے تھے۔ یہ اخلاص ایمان کا جوہر ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ، اس کی کتاب، معانی، قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اخلاص ہے۔ اس پر درود ہو۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو " کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

حقیقی خوبصورتی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال ایک وفد نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عیادت کی۔ وفد میں دو آدمی شامل تھے جنہوں نے مدینہ پہنچ کر اپنے سفری کپڑے مہنگے اور اسراف کے لیے بدلے اور سونے کی انگوٹھیاں بھی پہنائیں۔ جب انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سلام کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کوئی جواب نہیں دیا اور نہ ہی ان سے بات کی۔ اس کے بعد مندوبین نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے صورتحال کے بارے میں سوال کیا۔ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے سفری لباس میں واپس آ جائیں اور سونے کی انگوٹھیاں اتار دیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب دیا اور ان سے بات کی۔ اس نے انہیں بتایا کہ جب وہ پہلی بار اپنے اسراف لباس میں اس کے پاس آئے تو شیطان ان کے ساتھ تھا اس لیے اس نے انہیں نظر انداز کیا۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 72 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1999 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ حسن کو پسند کرتا ہے۔

اسلام کسی مسلمان کو اپنے آپ کو سنوارنے میں توانائی، وقت اور پیسہ خرچ کرنے سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کے جسم کے حقوق کو پورا کرنے والا سمجھا جا سکتا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 5199 میں موجود حدیث میں اس کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن اہم چیز جو اس طرز عمل کو ناپسندیدہ یا حتیٰ کہ گناہ کے عمل سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی اپنے آپ کو سنوارتے وقت حد سے زیادہ، فضول خرچی یا اسراف کرے۔ اس کا تعین کرنے کا ایک اچھا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو سنوارنے سے اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے لیے اپنے فرض کو پورا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے جسے اسلامی علم حاصل کیے بغیر پورا کرنا ممکن نہیں۔ اور درحقیقت کسی کی جسمانی شکل کو درست کرنا تاکہ وہ صاف ستھرا اور ہوشیار نظر آئے، مہنگا نہیں ہے اور نہ ہی اس میں زیادہ وقت لگتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ سمجھنا زیادہ ضروری ہے کہ حقیقی خوبصورتی جس سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے، اس کا تعلق اندرونی حسن یعنی کردار سے ہے۔ یہ خوبصورتی دونوں جہانوں میں قائم رہے گی جبکہ ظاہری خوبصورتی وقت کے ساتھ ساتھ ختم ہو جائے گی۔ اس لیے اس حقیقی حسن کو ظاہری خوبصورتی پر حاصل کرنے کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے ترجیح دینی چاہیے تاکہ وہ اپنے کردار سے حسد جیسی بری خصلت کو ختم کر کے سخاوت جیسی اچھی خصوصیات کو اپنا لے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے میں مدد ملے گی، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ ہو گا اور ان کی مدد کرے گا۔ لوگوں کے حقوق کی تکمیل میں، جیسے کہ ان کے زیر کفالت۔

عیسائی وفد کا مدینہ منورہ کا دورہ

ظاہری ثبوت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے نویں سال عیسائیوں کے ایک وفد نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ ضدی عیسائی پادریوں کے ساتھ ایک طویل بحث کے بعد، باب 3 علی عمران، آیت 61، آیت نازل ہوئی:

" پھر جو کوئی اس کے بارے میں تم سے جھگڑے اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم آجائے تو کہہ دو کہ آؤ ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو، اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو، اپنے آپ کو اور اپنے آپ کو بلائیں، پھر دل سے دعا کریں اور پکاریں۔ جھوٹوں پر اللہ کی لعنت۔"

قرآن کریم نے عیسائیوں کے لیے یہ ثابت کیا ہے کہ ان کی کوئی بھی وجہ صحیح نہیں تھی جس سے ان کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت پر ایمان پیدا ہوا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہ انسان تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص اور منفرد انداز میں پیدا کیا اور اپنی نبوت کے ثبوت کے لیے بعض معجزات کرنے کی طاقت عطا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب ہونے سے بچایا اور اپنی طرف اٹھا لیا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام الٰہی ہوتے تو ایسا کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی کیونکہ کسی ہستی کو موت نہیں آتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق برتاؤ کرتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ غیر معمولی سلوک کس طرح اس نتیجے کو درست ثابت کر سکتا ہے کہ آپ الٰہی ہیں؟

اس کے علاوہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت بھی وہی ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام بشمول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ہے۔

آخر کار قرآن کریم نے یہاں تک قائم کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معراج کے بعد آپ کے شاگردوں کا مذہب وہی رہا، یعنی اسلام، جس کی تائید اب قرآن کریم نے کی ہے۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو ترک کر دیا اور ان کے لائے ہوئے دین میں بدعات متعارف کرائیں۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا تاکہ حالات کو درست کریں اور انسانیت کو اس صراط مستقیم پر گامزن کریں جو پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام نے بتائی تھی۔ اہل کتاب کے لیے یہ بات واضح تھی کیونکہ قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے آسمانی صحیفوں میں بیان کیا گیا تھا لیکن پھر بھی انہوں نے دولت کے لالچ اور سماجی رتبے کی وجہ سے ان کا انکار کیا۔ ان کے ایمان پر سمجھوتہ
باب 6 الانعام، آیت 20:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کو پہچانتے ہیں۔]قرآن پاک [جیسا کہ وہ اپنے]اپنے [بیٹوں کو پہچانتے ہیں..."

اور باب 2 البقرہ، آیت 146:

’’جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح جانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں‘‘۔

ان مسائل پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے بعد بھی نجران کے عیسائی وفد نے حق کو جھٹلایا۔ ان کی ضد کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے عقیدہ کی مزید تردید کرتے ہوئے انہیں باہمی اجتماع میں مدعو کیا جہاں دونوں فریق جھوٹ بولنے والے گروہ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت بھیجیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہل و عیال علی ابن ابی طالب، ان کی اہلیہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دو بیٹوں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو بلوایا۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔ یہ دیکھنے کے بعد عیسائی وفد نے اس اجتماع میں شرکت سے انکار کر دیا کیونکہ وہ بخوبی جانتے تھے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ بول رہے ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر وہ باہمی عداوت پر راضی ہو جاتے تو ان پر آگ برستی۔ اس پر امام واحدی کی، اصباب النزول، 3:61، صفحہ 33 میں بحث کی گئی ہے۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 2، صفحہ 179-180 میں نقل کی گئی ایک اور حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر وہ سب اللہ تعالیٰ کی لعنت کے لیے دعا کریں، جھوٹوں پر پھر جب وہ گھر لوٹتے تو انہیں ان کی جائیداد یا خاندان کا پتہ نہیں ہوتا۔

جب انہوں نے اس باہمی تعطل میں حصہ لینے سے انکار کر دیا تو سب پر یہ بات واضح ہو گئی کہ نجران میں عیسائیت کے پادری اور رہنما، جن کی اپنے عقیدے کے لیے لگن بہت مشہور تھی، ان عقائد کی پیروی کرتے تھے جن پر وہ خود بھی مکمل یقین نہیں رکھتے تھے۔

ہجرت کے بعد 10 واں سال

بہترین بنیں۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مدینہ کی طرف ہجرت کے دسویں سال آپ نے یمن کی طرف ایک غزوہ روانہ کیا۔ ان میں سے ایک صحابی بریدہ رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے اعتراف کیا کہ اس وقت وہ ایک اور صحابی علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے بارے میں بغض رکھتے تھے۔ اس مہم کے بعد غنیمت کی تقسیم ضروری تھی چنانچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کام کے لیے روانہ کیا۔ اس کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس واپس آئے اور علی رضی اللہ عنہ پر تنقید کی، حالانکہ انہوں نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بریدہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا آپ علی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتے ہیں، آپ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر ان سے فرمایا کہ اسے ناپسند نہ کرو اور اس کے بجائے اس سے محبت میں اضافہ کرو کیونکہ وہ اس کے لائق ہیں۔ اس تبصرے کے بعد بریدہ رضی اللہ عنہ نے خلوص کے ساتھ اعلان کیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے زیادہ کسی سے محبت نہیں کرتے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 142-143 میں بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین گروہ ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی زندگی کے دوران دیکھا، یقیناً ایک عنصر ہے۔ لیکن جو کوئی ان کی زندگی اور ان کے اعمال صالحہ کے بارے میں جانتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ ان کی برتری صرف اس منفرد اور عظیم عمل سے زیادہ ہے۔

ان کی برتری کی ایک بڑی وجہ اس واقعہ میں اور صحابی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے متعلق ایک حدیث میں دکھائی گئی ہے جو کہ صحیح مسلم نمبر 6515 میں موجود ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک بار صحرا میں اپنی گاڑی پر سوار تھا کہ ایک اعرابی سے ملاقات ہوئی۔ ابن

عمر رضی اللہ عنہ نے اعرابی کو سلام کیا، اعرابی کے سر پر اپنی پگڑی رکھ دی اور اعرابی کو اپنی سواری پر سوار ہونے کی تاکید کی۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بتایا گیا کہ اس نے اعرابی کو جو سلام کیا وہ کافی سے زیادہ تھا کیونکہ اعرابی اس بات پر بہت خوش ہوا ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صحابی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سلام کیا۔ ، اسے سلام کیا۔ اس کے باوجود ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے بہت آگے جا کر بدویوں کا بہت احترام کیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے ایسا صرف اس لیے کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت کی تھی کہ ایک شخص اپنے والدین کی عزت کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ محبت اور احترام کیا جائے۔ والدین کے رشتہ دار اور دوست۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے مزید کہا کہ اعرابی کے والد اپنے والد امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دوست تھے۔

یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ وہ مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے تابع تھے۔ انہوں نے نہ صرف فرض کی ادائیگی کی اور تمام گناہوں سے اجتناب کیا بلکہ ان تمام اعمال کو مکمل طور پر پورا کیا جن کی سفارش ان کے لیے ممکن حد تک ممکن تھی۔ ان کی سر تسلیم خم کرنے کی وجہ سے وہ اپنی خواہشات کو ایک طرف رکھ کر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے تھے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ آسانی سے اعرابی کو نظر انداز کر سکتے تھے کیونکہ اس نے جو عمل کیا تھا ان میں سے کوئی بھی واجب نہیں تھا، اس عذر کو استعمال کرنے والے بہت سے مسلمانوں کے برعکس، اس نے مکمل طور پر اسلام کی تعلیمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور جس طرح اس نے عمل کیا۔ .

اسلام کی تعلیمات کو تسلیم نہ کرنے کی وجہ سے مسلمانوں کا ایمان کمزور ہوا ہے۔ بعض تو صرف واجبات کو پورا کرتے ہیں اور دوسرے اعمال صالحہ سے اعراض کرتے ہیں، مثلاً صدقہ، جو ان کی خواہشات کے خلاف یہ کہتے ہوئے کہ اعمال واجب نہیں ہیں۔ تمام مسلمان آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ختم ہونے کی خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن اگر وہ ان کے راستے یا راستے پر نہ چلیں تو یہ کیسے ممکن ہے؟ اگر کوئی مسلمان ان کے سوا کسی اور راستے پر چلے گا تو وہ ان کے ساتھ کیسے جا سکتا ہے؟ ان کے ساتھ ختم ہونے کے لیے ان کے راستے پر چلنا چاہیے۔ لیکن یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب کوئی شخص اپنی خواہشات کے مطابق کام کرنے کی بجائے اسلام کی تعلیمات کو مکمل طور پر تسلیم کر لے جیسا کہ انہوں نے کیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نقصان پہنچانا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ ایک صحابی عمرو بن شاس اسلمی رضی اللہ عنہ جو اس مہم میں شامل تھے، نے محسوس کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ان کے ساتھ سخت سلوک کیا ہے۔ جب عمرو رضی اللہ عنہ مدینہ واپس آئے تو انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کو مختلف ملاقاتوں میں اور مختلف لوگوں سے جن سے اس نے بات کی تھی، تنقید کی۔ ایک دن وہ مسجد میں داخل ہوا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھورتے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے پاس بیٹھ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر عمرو رضی اللہ عنہ کو بتایا کہ اس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے۔ عمرو رضی اللہ عنہ نے اسے نقصان پہنچانے پر افسوس کا اظہار کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں یہ تبصرہ فرمایا کہ جس نے علی رضی اللہ عنہ کو نقصان پہنچایا اس نے اسے نقصان پہنچایا۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی جلد 4 صفحہ 143 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کے غیر معمولی منفی رویے کو نظر انداز کریں۔ تمام مسلمان امید کرتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں

کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

..." اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے"۔

اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حقیقی اس کے علاوہ یہ واقعہ ان تمام لوگوں سے محبت کرنا جو اللہ سبحانہ وتعالیٰ :محبت کی علامت کو نمایاں کرتا ہے، یعنی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے

محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

سچا ہونا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ اس مہم کے دوران حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ضرورت مندوں کے لیے چند اونٹوں کو صدقہ کے طور پر منتخب کیا۔ اس کے کچھ آدمیوں نے پوچھا کہ کیا وہ ان اونٹوں پر سواری کر سکتے ہیں اور اپنے اونٹوں کو آرام دے سکتے ہیں۔ لیکن اس نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ چونکہ انہیں خیراتی عطیات کے لیے منتخب کیا گیا تھا صرف وہی لوگ ان کا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 144 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو

مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔
باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

اعتماد دکھا رہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ علی رضی اللہ عنہ نے سونے کا ایک ٹکڑا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس بھیجا جسے آپ نے چار لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کسی نے تبصرہ کیا کہ سونے پر ان کا ان مردوں سے زیادہ حق ہے۔ جب یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے سوال کیا کہ کیا لوگ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مزید فرمایا کہ آپ پر اس ذات کا بھروسہ ہے جو آپ پر صبح و شام کی خبریں نازل کرتا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنا بھروسا ظاہر کرے، خلوص نیت سے آپ کی پیروی اور اطاعت کرتے ہوئے چاہے آپ کی روایات کے پیچھے موجود حکمتیں ان پر ظاہر نہ ہوں۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

‘‘اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔’’

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

اعمال کا مثبت انداز میں فیصلہ کرنا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ علی رضی اللہ عنہ نے سونے کا ایک ٹکڑا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو واپس بھیجا جسے آپ نے چار لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کسی نے تبصرہ کیا کہ سونے پر ان کا ان مردوں سے زیادہ حق ہے۔ جب یہ بات حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے سوال کیا کہ کیا لوگ آپ پر بھروسہ کرتے ہیں اور مزید فرمایا کہ آپ پر اس ذات کا بھروسہ ہے جو آپ پر صبح و شام کی خبریں نازل کرتا ہے۔ اس کے بعد ایک شخص نے بڑی بدتمیزی سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سرزنش کرتے ہوئے اسے اور دوسروں کو یاد دلایا کہ وہ اللہ سے سب سے زیادہ ڈرتے ہیں۔ وہ آدمی پھر چلا گیا۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو اس کی توہین کے جرم میں پھانسی دینے کی اجازت چاہی لیکن حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ یہ شخص فرض نماز پڑھنے والا ہو سکتا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے پھر تبصرہ کیا کہ وہ بہت سے لوگ تھے جو نماز پڑھتے تھے لیکن منافق تھے کیونکہ انہوں نے ایسی باتیں زبانی بیان کیں جو ان کے دلوں کے خلاف تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر جواب دیا کہ مجھے لوگوں کے دلوں کو تلاش کرنے کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ہی ان کی نیت کی تلاش میں ان کے پیٹ کاٹنے کا حکم دیا گیا ہے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 146 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4993 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت کی کہ لوگوں کے بارے میں اچھا گمان کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت کا ایک پہلو ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک پہلو ہے۔

چیزوں کو منفی انداز میں بیان کرنا اکثر غیبت اور غیبت جیسے گناہوں کا باعث بنتا ہے۔ ہر صورت میں ایک مسلمان کو چاہیے کہ جہاں ممکن ہو مثبت انداز میں چیزوں کی تشریح کرے تاکہ شک کا فائدہ دوسروں تک پہنچایا جا سکے۔ بدقسمتی سے، منفی سوچ کو اپنانے سے خاندانی یونٹ سے لے

کر قومی سطح تک لوگوں پر اثر پڑتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک قوم کتنی بار ایک مفروضے اور شک پر جنگ میں گئی ہے؟ میڈیا میں پائے جانے والے اسکینڈلز کی اکثریت مفروضوں پر مبنی ہے۔ یہاں تک کہ ایسے قوانین بھی بنائے گئے ہیں جو مفروضوں اور شبہات کے استعمال کی حمایت کرتے ہیں۔ یہ اکثر ٹوٹنے اور ٹوٹنے والے رشتوں کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ اس ذہنیت کے حامل لوگ ہمیشہ یہ مانتے ہیں کہ دوسرے ان کے الفاظ یا اعمال کے ذریعے ان پر تنقید کر رہے ہیں۔ یہ کسی کو دوسروں سے مشورہ لینے سے روکتا ہے کیونکہ ان کا خیال ہے کہ صرف مشورہ دینے والے کی طرف سے ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے اور یہ ایک کو مشورہ دینے سے روکتا ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دوسرا شخص ان کی باتوں پر کوئی توجہ نہیں دے گا۔ اور ایک شخص اس منفی ذہنیت کے حامل شخص کو نصیحت کرنے سے گریز کرے گا کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ صرف ایک دلیل کا باعث بنے گا۔ یہ دیگر منفی خصلتوں کی طرف جاتا ہے جیسے تلخی۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگر وہ یہ فرض کر لیں کہ کوئی ان پر تنقید کر رہا ہے تو پھر بھی ان کی نصیحت کو قبول کرنا چاہیے اگر یہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر مبنی ہے۔ انہیں کوشش کرنی چاہیے کہ جہاں ممکن ہو ان چیزوں کی مثبت انداز میں تشریح کریں جو مثبت ذہنیت کا باعث بنے۔ اور ایک مثبت ذہنیت صحت مند تعلقات اور احساسات کا باعث بنتی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"...اے لوگو جو ایمان لائے ہو، بہت زیادہ گمان سے بچو۔ بے شک کچھ گمان گناہ ہوتا ہے"

انصاف کرو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت میں یمن کی طرف ایک مہم روانہ کی۔ اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ذکر کیا کہ وہ جوان تھے اور علم سے محروم تھے کہ یمن میں جو مقدمات آپ کے پاس لائے گئے تھے ان کا صحیح فیصلہ کیسے کریں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ علی رضی اللہ عنہ کے سینے پر رکھا اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کی زبان کو ثابت قدم رکھے اور ان کے دل کو ہدایت دے۔ اس کے بعد اس نے اسے نصیحت کی کہ اگر دو حریف اس کے پاس فیصلے کے لیے آئیں تو جب تک وہ دونوں طرف سے نہ سن لے فیصلہ نہ کرے۔ اس نے نتیجہ اخذ کیا کہ اس طرح برتاؤ کرنے سے اس پر چیزیں واضح ہو جائیں گی۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 147 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ عدل کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’ اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس]ذاتی [جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

الوداعی مقدس زیارت

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال میں آپ حج کے ارادے سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 152 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1773 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ قبول شدہ حج کا ثواب جنت کے سوا کچھ نہیں۔

حج کا اصل مقصد مسلمانوں کو آخرت کے آخری سفر کے لیے تیار کرنا ہے۔ جس طرح ایک مسلمان اپنے گھر، کاروبار، دولت، خاندان، دوست احباب اور سماجی حیثیت کو حج مقدس کرنے کے لیے چھوڑتا ہے، یہ اس کی موت کے وقت اس وقت ہو گا جب وہ آخرت کی طرف آخری سفر پر نکلے گا۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ کسی شخص کا اہل و عیال ان کی قبر پر چھوڑ دیتے ہیں اور ان کے ساتھ صرف اس کے اچھے اور برے اعمال ہی ہوتے ہیں۔

جب کوئی مسلمان اپنے حج کے دوران اس بات کو ذہن میں رکھے گا تو وہ اس فرض کے تمام پہلوؤں کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا۔ یہ مسلمان ایک بدلے ہوئے شخص کے گھر واپس آئے گا کیونکہ وہ اس مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کو جمع کرنے کے بجائے آخرت کے اپنے آخری سفر کی تیاری کو ترجیح دے گا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں جدو جہد کریں گے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کریں گے، جس میں ان کی تکمیل کے لیے اس دنیا سے لے جانا بھی شامل ہے۔ ضرورتیں اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضرورتیں بغیر فضول خرچی یا اسراف کے۔

مسلمانوں کو حج کو تعطیل اور خریداری کی جگہ نہیں سمجھنا چاہیے کیونکہ یہ رویہ اس کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ مسلمانوں کو ان کے آخرت کے آخری سفر کی یاد دلاتا ہے جس کی واپسی اور کوئی دوسرا موقع نہیں ہے۔ صرف اسی سے انسان کو حج کی صحیح تکمیل اور آخرت کے لیے مناسب تیاری کرنے کی ترغیب ملے گی۔

سچی قربانی

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ حج کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے حج کے لیے کل 100 اونٹوں کی قربانی دی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے 63)اپنی عمر کی تعداد (اپنے ہاتھ سے قربان کی اور علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ باقی 37 قربانی کریں۔ امام ابن کثیر، رسول کی زندگی، جلد 4، صفحہ 209 اور امام محمد السلبی کی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 201 میں۔

قربانی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک روایت ہے جسے مسلمان حج کے موسم میں نقل کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے فرزند حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کریں۔ باب 37 صفات، آیت 102:

اور جب وہ اس کے ساتھ مشقت کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا کہ اے میرے بیٹے، میں نے خواب " میں دیکھا ہے کہ میں تجھ پر قربان ہو جاؤں، تو دیکھو کہ تمہارا کیا خیال ہے۔ "اس نے کہا اے میرے ابا جی جیسا آپ کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو، اللہ نے چاہا تو آپ مجھے ثابت قدم پائیں گے۔

سمجھنے کے لیے پہلا سبق یہ ہے کہ آزمائشوں اور آزمائشوں کا سامنا کرتے وقت صبر کی اہمیت ہے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان سے زیادہ محبوب یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ان سے زیادہ سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2472 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے لیے کسی کو آزمایا نہیں گیا۔

مسلمانوں کو یہ بات بھی ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ خواہ وہ کسی بھی صورت حال میں ہوں ان کے لیے فائدہ مند ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی مشکل کا سامنا کرے اور صبر کا مظاہرہ کرے تو اسے اس کا اجر ملے گا۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں اور شکر گزار ہوتے ہیں تو انہیں اس کا اجر ملے گا۔ لہٰذا اس حدیث کے مطابق مسلمان کو ہر صورت فائدہ پہنچتی ہے، خواہ وہ اس کے پیچھے حکمت کا مشاہدہ نہ کرے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

"لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

مسلمانوں کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وہ ایک ایسی صورت حال کا سامنا کریں گے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مقرر کر دیا ہے، چاہے وہ اس پر کس طرح کا ردعمل ظاہر کریں۔ اگر وہ صبر کے ساتھ اس کا مقابلہ کریں گے تو انہیں دنیا اور آخرت میں بے شمار اجر ملے گا۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

لیکن اگر وہ بے صبری سے اس کا سامنا کریں گے تو پھر انہیں مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ لہذا کسی بھی طرح سے انہیں مشکل کا سامنا کرنا پڑے تاکہ وہ اس سے فائدہ بھی اٹھا سکیں۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو بے ہودہ نہیں ہونا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ دنیا جنت نہیں ہے۔ یہ دنیا بنی نوع انسان کو آزمانے کے لیے بنائی گئی ہے اس لیے یہ کبھی بھی آزمائشوں اور آزمائشوں سے پاک نہیں ہو سکتی۔ جب کوئی مسلمان مشکلات اور آزمائشوں کا سامنا کرتے ہوئے اپنی فطری فطرت کو پہچان لیتا ہے تو وہ حیران نہیں ہوتا جیسا کہ وہ دنیا سے اس کی توقع رکھتے ہیں۔ جس طرح ایک شخص حملہ آور ہونے کی توقع رکھتا ہے اگر وہ اپنے آپ کو کسی جنگلی جانور کے ساتھ پاتا ہے تو اسے اس دنیا میں آزمائشوں اور آزمائشوں کی توقع کرنی چاہیے۔ اس طرح ذہنی طور پر تیاری کرنے سے ایک مسلمان کو پکڑے جانے سے بچ جائے گا جو کہ بے صبری کا سبب ہے۔

اس عظیم واقعہ سے ایک اور سبق یہ ہے کہ جس طرح انسان اس مادی دنیا میں چیزیں حاصل نہیں کر سکتا، جیسے کہ مال قربانی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا اور نہ ہی مسلمان قربانی کے بغیر اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر سکتا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 2:

’’کیا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انہیں یہ کہنے پر چھوڑ دیا جائے گا کہ ہم ایمان لائے ہیں اور ان کی آزمائش نہیں کی جائے گی؟‘‘

مسلمانوں کو شکر گزار ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ ان سے اتنی بڑی قربانیوں کا تقاضا نہیں کرتا جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء علیہم السلام نے کی تھیں۔ اور نہ ہی اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے یہ مطالبہ کر رہا ہے کہ وہ اس طرح قربانی کریں جس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ نے کی۔ انہوں نے اپنا مال، گھر، خاندان اور جانیں قربان کر دیں۔ اس کے بجائے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چند فرضی فرائض سونپے ہیں جن کے لیے ان کے وقت، توانائی اور مال کی بہت کم قربانی درکار ہے۔ اگر کوئی جنت کی عظمت پر غور کرے تو اسے احساس ہو جائے گا کہ وہ قربانیاں دینے کی ترغیب دی گئی ہیں جو وعدے کے انعام کے مقابلے میں بہت کم ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کریں۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی اس بات کی دلیل ہے کہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر اپنی خواہشات، محبت اور خواہشات کو قربان کرنے کے لیے ہمیشہ تیار رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جانوروں کی قربانی کی رسم مسلمان ہر سال ادا کرتے ہیں۔ یہ صرف ایک جانور کی قربانی نہیں بلکہ بہت کچھ ہے۔ باب 22 الحج، آیت 37:

”اللہ تک نہ ان کا گوشت پہنچے گا اور نہ ان کا خون، لیکن جو چیز اس تک پہنچے گی وہ تمہاری طرف سے تقویٰ ہے۔ اسی طرح ہم نے ان کو تمہارے تابع کر دیا ہے تاکہ تم اللہ کی اس بات پر تسبیح کرو جس کی طرف اس نے تمہیں ہدایت کی ہے۔“

مسلمانوں کو چاہئے کہ اس آیت میں بیان کردہ تقویٰ کو پورا سال اپنائیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو اپنی خواہشات کے سامنے رکھیں۔ تب ہی وہ صحیح معنوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نقش قدم پر چل سکیں گے۔

اس عظیم واقعہ سے سیکھنے کا ایک اور اہم سبق اللہ تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اس عظیم واقعہ کی طرح ناگزیر اور تباہ کن حالات میں بھی ایک مسلمان کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے کہ ان کا علم بہت محدود ہے اور وہ انتہائی کم نظر ہیں۔ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے انتخاب کے پس پردہ حکمتوں کو پوری طرح نہیں جان سکتے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ کا علم اور الٰہی ادراک لامحدود ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پر بھروسہ کرنا چاہیے، جس طرح ایک نابینا شخص اپنے جسمانی رہنما کی رہنمائی پر بھروسہ کرتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ ایک مسلمان کا رویہ جو بھی ہو اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہو گا، اس لیے بہتر ہے کہ اس کی حکمت پر بھروسہ کیا جائے بجائے اس کے کہ وہ بے صبری کا مظاہرہ کرے جو مزید پریشانی کا باعث بنے۔

اس کے علاوہ اپنی زندگی کے اندر ان گنت مثالوں کو یاد رکھنا بھی ضروری ہے جب کوئی شخص کسی چیز کی خواہش کرتا ہے صرف اسے حاصل کرنے کے بعد پچھتاوا کرتا ہے۔ اور جب وہ کسی چیز کو ناپسند کرتے تھے تو صرف بعد میں اپنا خیال بدلنے کے لیے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

چونکہ تقدیر لوگوں کے ہاتھ سے نکل چکی ہے، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس چیز پر توجہ مرکوز کریں جو ان کے اختیار میں ہے اگر وہ مشکلات سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ ایک مسلمان کو دونوں جہانوں کی تمام مشکلات سے بچا لے گا۔ انہیں صرف اس کی فرمانبرداری کرنا ہے۔ باب 65 میں طلاق، آیت 2:

‘‘اور جو اللہ سے ڈرے گا اللہ اس کے لیے نکلنے کا راستہ بنا دے گا۔’’

جو چیز کسی کے اختیار میں نہیں ہے اس کے معنی یعنی تقدیر پر زور دینا حماقت ہے اور جو چیز کسی کے اختیار میں ہے اس سے غافل رہنا یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا۔

ہجرت کے بعد گیارہواں سال

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری

قیادت کی خواہش سے بچیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اس دور میں علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو بالواسطہ طور پر نصیحت کی گئی کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھیں کہ آپ کے بعد مسلمانوں کی قیادت کون کرے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس بارے میں ان سے نہیں پوچھیں گے اور نہ ہی قائد کے طور پر تقرری کے لیے کہیں گے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 326 میں بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت اور سماجی رتبے کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کے ریوڑ پر.

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات

اللہ کی عبادت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ اپنی بیماری سے پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک بار یہ نصیحت فرمائی تھی کہ کسی بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ وہ جنت میں اپنا آرام گاہ نہ دیکھ لیں اور زندگی میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے کو کہا جائے۔ اور موت .صحیح بخاری نمبر 4428 میں موجود ایک حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ جو زہر انہیں خیبر میں برسوں پہلے دیا گیا تھا وہ انہیں تکلیف دے رہا تھا اور محسوس ہوا کہ وہ اس سے مر جائیں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں شہادت کا شرف بخشا۔ اپنے آخری لمحات میں، اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور سب سے اعلیٰ صحابی کے لیے اعلان کیا، یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے۔ انتقال کے وقت ان کی عمر 63 برس تھی۔ اسے جنت کے ایک بلند ترین مقام پر منتقل کیا گیا جو کہ جنت کی سب سے اعلیٰ اور شاندار سطح ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 343 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ جاننا ضروری ہے کہ ان کی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے کیونکہ یہ وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافے کا سبب بن سکتی ہے یا بعض صورتوں میں نافرمانی کا باعث بن سکتی ہے۔ جب کوئی اللہ کی عبادت کرتا ہے تو اس سے حلال دنیاوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے اس کی نافرمانی کا خطرہ مول لے لیتا ہے۔ اس قسم کے شخص کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔ باب الحج، آیت 11 22:

اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی " ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

جب وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں تو دنیاوی نعمتوں کو حاصل کرنے کے لیے جب وہ ان کو حاصل کرنے میں ناکام رہتے ہیں یا کسی مشکل کا سامنا کرتے ہیں تو وہ اکثر ناراض ہو جاتے ہیں جو انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے دور کر دیتا ہے۔ یہ لوگ اکثر اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور نافرمانی کرتے ہیں، اس صورت حال کے مطابق جس کا وہ سامنا کر رہے ہیں جو حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی حقیقی بندگی کے خلاف ہے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ سے حلال دنیوی چیزوں کی خواہش کرنا اسلام میں قابل قبول ہے، لیکن اگر کوئی اس رویہ پر قائم رہے تو وہ اس آیت میں مذکور کی طرح ہو سکتے ہیں۔ آخرت میں نجات پانے اور جنت حاصل کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا افضل ہے۔ مشکلات کا سامنا کرتے وقت یہ شخص اپنے رویے کو تبدیل کرنے کا امکان نہیں رکھتا ہے۔ لیکن سب سے اعلیٰ اور بہترین وجہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا ہے، صرف اس لیے کہ وہ ان کا رب اور کائنات کا رب ہے۔ یہ مسلمان اگر مخلص ہو گا تو ہر حال میں ثابت قدم رہے گا اور اس اطاعت کے ذریعے انہیں دنیاوی اور دینی دونوں نعمتیں حاصل ہوں گی جو دنیاوی نعمتوں سے بڑھ کر پہلی قسم کے انسان کو حاصل ہوں گی۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی نیت پر غور کریں اور اگر ضروری ہو تو اس کی اصلاح کریں تاکہ یہ انھیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دے۔ حالات

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس عارضی ٹھکانے سے ابدی آسودگی کی طرف ایک بلند ترین مقام پر پہنچا دیا، جو جنت کے سب سے اعلیٰ اور شاندار درجے پر ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 79:

‘‘امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔ ’’

اور باب 93 عاد الدوحہ، آیات 4-5:

اور آخرت تمہارے لیے پہلی زندگی سے بہتر ہے۔ اور تمہارا رب تمہیں دینے والا ہے اور تم راضی " ہو جاؤ گے۔"

یہ اپنے مشن کی تکمیل کے بعد تھا جو اللہ تعالیٰ نے انہیں سونپا۔ اس نے اپنی قوم کو نصیحت کی تھی اور دونوں جہانوں میں بہترین کی طرف ہدایت دی تھی۔ اس نے انہیں تنبیہ کی تھی اور ان کو اس چیز سے روکا تھا جو انہیں یہاں زمین اور آخرت میں نقصان پہنچانے والی تھی۔ درود و سلام ہو اللہ کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم، محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی زندگی

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب

فرمانبردار رہنا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ ان کے شدید غم کی وجہ سے ہر شخص نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر مختلف رد عمل ظاہر کیا۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں اس پر یقین کرنے سے انکار کیا اور دعویٰ کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی زیارت کے لیے گئے تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح واپس آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اللہ تعالیٰ سے ملاقات ہوئی اور اس کے نتیجے میں چالیس دن کے لیے اپنی قوم سے رخصت ہوئے۔

جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہنچے تو انہوں نے مسجد نبوی میں لوگوں سے خطاب کیا۔ اس نے باب 3 علی عمران آیت 144 کی تلاوت کی:

محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول نہیں ہیں۔ اس سے پہلے]دوسرے [رسول گزر چکے ہیں۔ پس " اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے؟ اور جو الٹے پاؤں پھرے گا وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔

اور پھر یہ فرمایا’’ :اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زندگی بخشی، اور آپ کو زندہ رکھا یہاں تک کہ آپ نے اللہ کے دین کو قائم کیا، اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کیا۔ سربلند، صاف، اس کا پیغام پہنچایا اور اس کی راہ میں لڑا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے پاس لے لیا اور آپ کو راستے پر چھوڑ دیا۔ اور کوئی ہلاک نہیں ہوگا سوائے واضح نشانیوں اور درد کے۔ جن کا رب اللہ تعالیٰ ہے وہ جان لیں کہ اللہ تعالیٰ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ اور جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتے تھے وہ جان لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت ہو گئے ہیں۔ اللہ سے ڈرو اے لوگو !اپنے دین کو مضبوطی سے پکڑو اور اپنے رب پر بھروسہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کا دین قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلام مکمل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مدد کرے گا جو اس کی حمایت کرتے ہیں اور جو اس کے دین کا احترام کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے درمیان موجود ہے۔ یہ روشنی اور علاج دونوں ہے۔ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت دی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کو حلال سمجھتا ہے اور کس چیز کو حرام۔ ہم پروا نہیں کریں گے کہ مخلوق میں سے کون ہم پر)ہم پر حملہ کرنے (اترتا ہے۔ ہم مخالفت کرنے والوں کے خلاف اسی طرح بھرپور طریقے سے لڑیں گے جس طرح ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ جنگ لڑی تھی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے خطاب کیا تو سب نے حق کو تسلیم کر لیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو چکر آیا اور وہ زمین پر گر پڑے اور آخرکار تسلیم کر لیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر امام ابن کثیر کی سیرتِ نبوی، جلد 4، صفحہ 348-349، اور امام کی وفات واقع ہو چکی ہے۔ محمد السلّابی، عمر ابن الخطاب، ہز لائف اینڈ ٹائمز، جلد 1، صفحہ 139-141 میں بحث کی گئی ہے۔

ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت

حق کا ساتھ دینا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے گیارہویں سال آپ کی آخری بیماری کی علامات ظاہر ہونے لگیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد اہل مدینہ شدید اضطراب اور تذبذب کا شکار ہو گئے۔ اس وقت مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کرنے پر اتفاق کیا۔ صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث میں اس پر بحث ہوئی ہے -

اس واقعہ سے سیکھنے کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کا ساتھ دینے کی اہمیت ہے۔ اس اور دیگر احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ کسی اور کو اپنا خلیفہ منتخب کریں۔ درحقیقت انہوں نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام بھی رکھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے لیے یہ بہترین موقع تھا کہ وہ بغیر کسی دلیل اور پریشانی کے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے نمائندے کے طور پر اہم کردار ادا کریں۔ لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کردار کے لیے بہترین شخص کو مقرر کر کے صحیح کام کرنے اور مسلم قوم کی مدد کرنے کا انتخاب کیا۔ اسے اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر اس نے کسی اور کا ساتھ دیا تو اس کا درجہ اور سماجی حیثیت کم ہو جائے گی یا اسے بھلا دیا جائے گا۔ درحقیقت، اس کی عزت اور سماجی حیثیت اس صحیح انتخاب کے بعد ہی بڑھی۔

بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اور یہاں تک کہ اسلامی ادارے بھی اس طرح کا برتاؤ نہیں کرتے۔ وہ اکثر کسی کی مدد کرنے کے بجائے صرف ان لوگوں کی حمایت کرتے ہیں جن کے ساتھ ان کا رشتہ ہے۔ وہ ایسا برتاؤ کرتے ہیں کہ اگر وہ اچھی باتوں میں دوسروں کا ساتھ دیں گے تو ان کی سماجی

حیثیت کم ہو جائے گی۔ کچھ اس سے بھی نیچے گر گئے ہیں اور برے کاموں میں اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کا ساتھ دیتے ہیں اور اچھے کام کرنے والے اجنبیوں کا ساتھ دینے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ ایک بڑی وجہ ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ کمزور ہوتا چلا گیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تعداد میں تھوڑے تھے لیکن کسی اور چیز کی پرواہ کیے بغیر ہمیشہ بھلائی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دے کر اپنا فرض ادا کیا۔ مسلمانوں کو اپنا رویہ بدلنا چاہیے اور ان کے نقش قدم پر چلنا چاہیے اگر وہ دونوں جہانوں میں طاقت اور عزت چاہتے ہیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

مزید برآں، اگرچہ یہ واضح تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، حتیٰ کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے بھی پسندیدہ انتخاب تھے، پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واضح طور پر نامزد نہیں کیا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور نیا لیڈر نامزد کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امتحان تھا۔ ایک امتحان یہ دیکھنے کے لیے کہ آیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم قیادت کے لیے بحث اور جدوجہد کریں گے یا خلوص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور سر تسلیم خم کریں گے اور بہترین شخص کو اس کردار کے لیے نامزد کریں گے۔ جیسا کہ تاریخ واضح طور پر ظاہر کرتی ہے، انہوں نے یہ امتحان اڑتے رنگوں کے ساتھ پاس کیا۔ اس لیے یہ ان کے لیے ایک امتحان تھا، اور مستقبل کے مسلمانوں کے لیے ایک سبق تھا کہ وہ ہمیشہ دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو صراحت کے ساتھ مقرر کیا گیا تھا تو پھر مستقبل میں کچھ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بیان کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقرری پر کبھی متفقہ طور پر راضی نہیں ہوئے اور وہ صرف۔ اسے قبول کیا کیونکہ انہیں ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس لیے کسی صریح حکم سے گریز کرنے سے اس باطل عقیدہ کو روکا گیا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان واضح اشارے کے تحت اپنا لیڈر منتخب کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا تھا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ ہونا چاہیے۔ .اس سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلیفہ کے حق میں مزید اضافہ ہوا، جیسا کہ ان کی طرف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اشارہ کیا تھا، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آزادانہ طور پر مقرر کیا تھا۔ .

اتحاد

متفقہ طور پر اسلام کے پہلے خلیفہ کے طور پر مقرر ہونے کے بعد، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے استعفی دینے کی کوشش کی کیونکہ وہ قیادت کی کوئی خواہش نہیں رکھتے تھے .انہوں نے کھلے عام یہ درخواست کی اور یہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے آگے بڑھ کر واضح کر دیا کہ کوئی بھی ان کا استعفیٰ نہیں چاہتا اور نہ ہی وہ ان کا استعفیٰ قبول کریں گے۔ انہوں نے اس بات کا اعادہ کیا کہ کس طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں تمام حالات میں سب سے آگے رکھا، جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھانا۔ اس کی تصدیق بہت سی احادیث سے ہوئی ہے، جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 682 میں موجود ہے۔ تمام صحابہ نے علی سے اتفاق کیا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے اصرار کیا کہ وہ ان کی رہنمائی کریں۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابوبکر صدیق، صفحہ 212 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

برسوں بعد، اپنی خلافت کے دوران، علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کو امامت کے لیے منتخب کرنے پر راضی تھے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے مذہب میں)نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری بیماری کے دوران نماز باجماعت پڑھائی (اور اسی طرح تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی امامت کرنے پر آپ سے راضی ہوئے۔ ان کے دنیاوی معاملات بھی۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 5 میں بحث ہوئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان سے اس طرح برتاؤ کیا جیسا کہ ان کی تربیت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر کے معاملات میں متحد ہونے کے لیے کی تھی۔ مسلمانوں کو ان تعلیمات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی چیزوں میں متحد ہو جائیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے

کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے

علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ

سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم

کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

ایک مخلص مشیر

ابو بکر، عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان کی خلافت کے دوران، علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ان سب کے بڑے مشیر مانے جاتے تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 216-217 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مثال کے طور پر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آغاز میں خلیفہ نے خود مرتدین کے خلاف جنگ کی قیادت کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ تھے جنہوں نے انہیں مدینہ میں رہنے اور کسی مہم میں شامل نہ ہونے کی تلقین کی۔ اس نے خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر مسلمان اسے کھو دیں گے تو اس کے بعد اسلام کبھی ترقی نہیں کرے گا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ان کی مخلصانہ نصیحت کو قبول کیا۔

جب بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شروع میں ابوبکر کے مرتدین سے لڑنے کے منصوبے کے خلاف مشورہ دیا تو علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اتفاق کیا اور تبصرہ کیا کہ اگر اس نے ان سے واجب صدقہ نہیں لیا تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہیں کرے گا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 217-218 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اسی طرح اپنے دور خلافت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ وہ فارسیوں سے لڑنے کے لیے ایک مہم کے ساتھ مدینہ سے نکل جائیں لیکن علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اس کے خلاف خبردار کیا کیونکہ اس سے استحکام پیدا ہو گا۔ ملت اسلامیہ خطرے میں امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 254-255 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام معاشرے کے قائدین کے لیے اخلاص ہے۔ اس میں انہیں بہترین مشورے کی پیشکش کرنا اور ان کے اچھے فیصلوں میں کسی بھی ضروری طریقے سے مدد کرنا شامل ہے، جیسے کہ مالی یا جسمانی مدد۔ امام مالک کی موطا، کتاب نمبر 56، حدیث نمبر 20 میں موجود ایک حدیث کے مطابق اس فرض کو ادا کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔ باب 4 النساء آیت 59:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی جو تم میں سے حاکم ہیں..."

اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ معاشرے کے سربراہان کی اطاعت فرض ہے۔ لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ یہ اطاعت اس وقت تک فرض ہے جب تک کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرے۔ مخلوق کی کوئی اطاعت نہیں اگر یہ خالق کی نافرمانی کا باعث بنے۔ اس طرح کے معاملات میں لیڈروں کے خلاف بغاوت کرنے سے گریز کیا جانا چاہیے کیونکہ اس سے صرف معصوم لوگوں کا ہی نقصان ہوتا ہے۔ اس کے بجائے قائدین کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی سے نیکی اور برائی سے منع کرنا چاہیے۔ دوسروں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی تلقین کرنی چاہیے اور ہمیشہ راہنماؤں سے صحیح راستے پر چلنے کی دعا کرنی چاہیے۔ لیڈر سیدھے رہیں گے تو عوام بھی سیدھے رہیں گے۔

لیڈروں کے ساتھ دھوکہ کرنا منافقت کی علامت ہے جس سے ہر وقت بچنا چاہیے۔ اخلاص میں ان معاملات میں ان کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنا بھی شامل ہے جو معاشرے کو بھلائی پر اکٹھا کرتے ہیں اور ہر اس چیز سے تنبیہ کرتے ہیں جو معاشرے میں خلل پیدا کرے۔

خلیفہ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات

دوسروں کی حمایت کرنا

اپنی آخری بیماری کے دوران حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد مدینہ کے لوگوں سے علانیہ خطاب کیا اور انہیں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو مقرر کرنے کے اپنے فیصلے سے آگاہ کیا۔ اس کے ساتھ، اسلام کے اگلے خلیفہ کے طور پر۔ ان سب نے اعلان کیا کہ وہ عمر رضی اللہ عنہ کی بات سنیں گے اور ان کی اطاعت کریں گے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق صفحہ 728 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک روایت کے مطابق، عمر بن خطاب کا نام لینے سے پہلے، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے پوچھا کہ کیا وہ اس شخص سے راضی ہوں گے جسے آپ نے منتخب کیا ہے؟ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا کہ وہ اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نہ ہوں۔ اس پر امام سیوطی کی تاریخ الخلفاء صفحہ 71 میں بحث ہوئی ہے۔

جیسا کہ علی رضی اللہ عنہ ایک سچے آدمی تھے، انہوں نے جہاں بھی جھوٹ بولا حق کا ساتھ دیا۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

ایک دیانت دار تعریف

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد مدینہ غم میں ڈوب گیا، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ہوا تھا۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھر کے باہر کھڑے ہو گئے، اور انہوں نے درج ذیل تعریف کی" :اے ابوبکر، اللہ آپ سے راضی ہو۔ آپ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی ساتھی اور دوست تھے۔ آپ اس کے لیے سکون تھے اور جس پر وہ سب سے زیادہ بھروسہ کرتا تھا۔ اگر اس کے پاس کوئی راز ہوتا تو وہ تمہیں بتاتا۔ اور اگر اسے کسی معاملے میں کسی سے مشورہ کرنا ہو تو وہ آپ سے مشورہ کرے گا۔ آپ اپنی امت میں سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے اور آپ ایمان میں سب سے زیادہ مخلص تھے۔ آپ کا ایمان کسی دوسرے شخص سے زیادہ مضبوط تھا، جیسا کہ آپ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے۔ اور آپ دینی علم میں سب سے زیادہ دولت مند تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام دونوں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے تھے۔ تمام لوگوں میں سے آپ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بہترین صحابی تھے۔ آپ بہترین صفات کے مالک تھے۔ آپ کا ماضی بہترین تھا۔ آپ سب سے اونچے مقام پر ہیں؛ اور تم اس کے سب سے قریب تھے۔ اور آپ تمام لوگوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے، جو آپ کی رہنمائی اور اخلاق کے لحاظ سے سب سے زیادہ تھے۔ آپ کا رتبہ ہر کسی سے بلند تھا اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کی عزت و تکریم کی اور آپ کو ہر کسی سے زیادہ عزت و تکریم میں رکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اسلام کی طرف سے، اللہ آپ کو بہترین اجر عطا فرمائے۔ جب لوگوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ زندگی بھر تم اس کی دونوں آنکھیں تھے جن سے اس نے دیکھا اور اس کے کان تھے جن سے اس نے سنا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام اپنی کتاب میں سچا رکھا ہے جب فرمایا:

اور وہ جو حق لے کر آیا اور اس پر ایمان لایا)ابوبکر رضی اللہ عنہ (وہی لوگ صالح ہیں۔ "باب 39 " از زمر، آیت 33۔

جب لوگ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت میں بخل کرتے تھے تو آپ نے انہیں تسلی دی۔ اور جب لوگ خاموش بیٹھے تو آپ اس کے ساتھ شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے، ان ہی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن کا اسے سامنا کرنا پڑا۔ مشکل کی گھڑیوں میں آپ واقعی ان کے اچھے اور نیک ساتھی تھے۔ آپ ان دونوں میں سے دوسرے، غار میں آپ کے ساتھی تھے۔ اور وہ جس پر سکون نازل ہوا:

" اگر تم ان کی مدد نہ کرو گے تو اللہ پہلے ہی اس کی مدد کر چکا ہے جب کہ کافروں نے انہیں دو میں سے ایک کی طرح]مکہ سے [نکال دیا تھا، جب وہ غار میں تھے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی)ابوبکر رضی اللہ عنہ (سے فرمایا :غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اور اللہ نے اس پر اپنا سکون نازل کیا اور سپاہیوں سے اس کی مدد کی]یعنی فرشتے [جنہیں تم نے نہیں دیکھا تھا "...باب 9 توبہ آیت 40۔

آپ ہجرت)مدینہ منورہ (کے دوران آپ کے ساتھی تھے اور آپ اللہ تعالیٰ کے دین اور اس کی امت کے بارے میں آپ کے جانشین تھے۔ اور آپ واقعی ایک اچھے جانشین ثابت ہوئے جب لوگ مرتد ہوگئے۔ آپ نے وہ کام کیا جو آپ سے پہلے کسی اور خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ آپ اس وقت مضبوطی اور بہادری کے ساتھ کھڑے ہوئے جب آپ کے دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہ اپنی ہمت کھو بیٹھے اور نرم پڑ گئے۔ اور جب وہ کمزور ہو گئے تو آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کیا۔ آپ واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :آپ کے جسم میں کمزور مگر اللہ تعالیٰ کے احکام کے حوالے سے مضبوط ہیں۔ اپنے آپ میں عاجزی، لیکن اللہ کے نزدیک آپ کا درجہ بلند ہے۔ لوگوں کی نظروں میں معزز، دلوں میں عزت دار اور عظیم۔ ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی آپ کو ناپسند کرنے، آپ پر شک کرنے یا آپ کو حقیر سمجھنے کی کوئی وجہ نہیں تھی۔ آپ نے ہمیشہ کمزوروں اور عاجزوں کو مضبوط اور معزز سمجھا، اس بات کو یقینی بنایا کہ آپ نے انہیں وہی دیا جو ان کا حق تھا۔ اور اس سلسلے میں آپ رشتہ داروں اور اجنبیوں سے یکساں سلوک کرتے تھے۔ تمام لوگوں میں سے آپ ان لوگوں کا احترام کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ فرمانبردار تھے اور جو اس سے سب سے زیادہ ڈرتے تھے۔ آپ نے اپنے مجموعی کردار میں سچائی اور ہمدردی کو مجسم کیا۔ آپ کی تقریر میں ہمیشہ حکمت اور فیصلہ کن خصوصیات پائی جاتی تھیں۔ اور آپ نے ہمیشہ نرمی اور مضبوطی کے درمیان ایک عظیم توازن قائم کیا۔ آپ نے ہمیشہ اپنے فیصلے کی بنیاد علم پر رکھی اور ایک بار جب آپ نے اپنے فیصلے کر لیے تو آپ نے ہمیشہ ان پر عمل کرنے کا پختہ عزم رکھا۔ بے شک ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور اسی کی طرف ہماری واپسی ہے۔ ہم اس سے راضی ہیں اور اس کے فرمان کے تابع

ہیں۔ اور اللہ کی قسم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے علاوہ مسلمانوں کو آپ کی وفات سے بڑی مصیبت کبھی نہیں پہنچی۔ آپ ہمیشہ اس دین کے محافظ، حرمت اور عزت کا ذریعہ تھے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں شامل فرمائے اور آپ کے اجر سے ہمیں محروم نہ کرے اور آپ کے بعد ہمیں گمراہ نہ کرے۔ اس کی تعریف سن کر لوگوں نے جواب دیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے سچ کہا ہے۔ امام محمد السلّابی کی سیرت ابو بکر صدیق، صفحہ 736-738 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خلافت

ایک کنسلٹنٹ

عمر بن خطاب کے دور خلافت میں علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ان کے ایک سینئر مشیر اور عزیز دوست سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ سب سے بہتر قاضی علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ کسی قانونی معاملے یا مسئلے سے اللہ عزوجل کی پناہ مانگتے جو علی رضی اللہ عنہ کو سنبھال نہ سکے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 245-246 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر عمر رضی اللہ عنہ نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ عورتیں اب علی رضی اللہ عنہ جیسے بیٹے نہیں پیدا کر سکتیں اور اگر علی رضی اللہ عنہ نہ ہوتے تو وہ ہو جاتے۔ برباد امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 248-249 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

اسلامی کیلنڈر

ایک دفعہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو ایک دستاویز ملی جس پر صرف مہینہ لکھا ہوا تھا۔ لہٰذا، وہ دستاویز کا حوالہ دینے والے سال پر کام نہیں کر سکا۔ اس کے بعد اس نے ایک اسلامی کیلنڈر بنانے کے لیے بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کیا۔ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان کا کیلنڈر اس وقت سے شروع ہونا چاہیے جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت فرمائی تھی۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 225-227 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ اتحاد کا ایک اور عمل تھا جس کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کی تائید کی، کیونکہ اس وقت کے لوگ ماضی کے واقعات کی بنیاد پر وقت کا فیصلہ کریں گے، جن میں سے کچھ کا تعلق زمانہ جاہلیت سے تھا۔ جہالت۔ اسلامی کیلنڈر متعارف کرانے سے اس سے گریز کیا گیا اور اس کے بجائے مسلمانوں کو متحد کیا۔

مسلمانوں کو اپنے درمیان اتحاد پیدا کرنے کے لیے تمام اقدامات کرنے چاہئیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ

وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر

عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

نیک سلوک

قرآن کریم کی رہنمائی میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات اور بزرگ صحابہ کرام، خلیفہ عمر رضی اللہ عنہ نے، نئی فتح شدہ زمینوں کو آپس میں تقسیم نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ فوجیوں اس کو ابتدا میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا، جو آخر کار اس کے منصوبے پر راضی ہو گئے۔ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے شروع ہی سے ان سے اتفاق کیا۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بجائے غیر مسلموں کو اپنی زمینیں رکھنے کی اجازت دی اور ان پر وہ ٹیکس لگا دیا جو وہ برداشت کر سکتے تھے۔ اس کے فیصلے سے غیر مسلم خوش ہوئے کیونکہ اس نے انہیں اپنی زندگی میں پہلی بار محسوس کیا کہ وہ، حکمران طبقہ نہیں، زرعی زمین کے مالک ہیں۔ سابقہ دور حکومت میں یہ غیر مسلم محض مزدور تھے جنہوں نے زمین کاشت کی اور اس کے بدلے میں عملی طور پر کچھ نہیں ملا۔ تمام آمدنی حکمران طبقہ لے جائے گا جب کہ ان کے پاس پیسے رہ جائیں گے۔ عمر رضی اللہ عنہ کے فیصلے نے ان غیر مسلموں کو غیر مسلموں کے خلاف مسلمانوں کے ساتھ اتحاد کرنے کی ترغیب دی اور ان میں سے بہت سے لوگوں نے ان کی خلافت کی وجہ سے پوری زمین میں پھیلنے والے انصاف اور امن کو دیکھ کر اسلام قبول کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 466-467 اور امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 251-252 میں بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک ،عام طور پر کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا فائدہ خود کو ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے...

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 6:

‘‘...اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے’’

عوام کی قیادت

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ اگر لوگ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ان کے بعد خلیفہ مقرر کر دیں تو وہ ان کو حق کی راہ پر گامزن کر دیں گے۔ اگر لوگ ہچکچاتے۔ یہاں تک کہ آپ کو وار کرنے کے بعد، عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اگر لوگ علی رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ مقرر کریں تو وہ انہیں سیدھے راستے پر لے جائیں گے .امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 252 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ ایک بہترین رہنما تھے جیسا کہ انہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی کی۔

تمام مسلمانوں خصوصاً والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو جو نصیحت کرتے ہیں اس پر عمل کریں۔ اگر کوئی تاریخ کے اوراق پلٹائے تو ظاہر ہے کہ جنہوں نے اپنی تبلیغ پر عمل کیا ان کا دوسروں پر ان لوگوں کے مقابلے میں بہت زیادہ مثبت اثر پڑا جنہوں نے مثال کے طور پر رہنمائی نہیں کی۔ بہترین نمونہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جنہوں نے نہ صرف اس پر عمل کیا بلکہ ان تعلیمات پر کسی اور سے زیادہ سختی سے عمل کیا۔ صرف اس رویہ سے مسلمان بالخصوص والدین کا دوسروں پر مثبت اثر پڑے گا۔ مثال کے طور پر، اگر ایک ماں اپنے بچوں کو خبردار کرتی ہے کہ جھوٹ نہ بولیں کیونکہ یہ گناہ ہے لیکن اکثر ان کے سامنے جھوٹ بولتی ہے تو اس کے بچے اس کی نصیحت پر عمل کرنے کا امکان نہیں رکھتے۔ ایک شخص کے اعمال کا ہمیشہ دوسروں پر اس کی تقریر سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل ہونا ضروری ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی مخلصانہ کوشش کریں۔ قرآن کریم نے مندرجہ ذیل آیت میں واضح کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرز عمل کو ناپسند کرتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 3267 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جس شخص نے نیکی کا حکم دیا لیکن خود اس سے روکا اور برائی سے منع کیا اور خود اس پر عمل کیا وہ خود ہی اس پر عمل کرے گا۔ جہنم میں سخت سزا دی گئی۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

لہٰذا تمام مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان کی نصیحت پر خود عمل کرنے کی کوشش کریں پھر دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کریں۔ مثال کے طور پر رہنمائی کرنا تمام انبیاء علیہم السلام کی روایت ہے اور دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔

قابل اعتماد ہونا

خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جب بھی مدینہ سے روانہ ہوئے تو واپس آنے تک ہمیشہ اس کے امور کے لیے کسی معتبر کو انچارج مقرر کرتے۔ اس نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ایک سے زیادہ مواقع پر انچارج مقرر کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 253 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں

کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

برکتیں رکھنا

خلیفہ عمر بن خطاب نے ایک مرتبہ ینبو میں کچھ زمین علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو دی تھی۔ اس نے کچھ اضافی زمین بھی خریدی اور پانی کی تلاش میں زمین کھودی۔ ان زمینوں سے بہت زیادہ پانی بہا اور علی رضی اللہ عنہ نے تمام زمین غریبوں اور مسکینوں کے لیے وقف کر دی۔ اس نے اوقاف کی دستاویز میں درج ذیل لکھا" :یہ علی ابن ابو طالب کے اپنے مال کے تصرف کے بارے میں ہدایات ہیں :میں ینبو، وادی القراء، العدنیہ اور راح کی زمینیں صدقہ کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے، اس میں سے ہر طرح سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، جنگ اور امن کے وقت، قریبی اور دور کے رشتہ داروں پر خرچ کرنا۔ یہ بیچنے یا دینے یا وراثت میں نہیں ملنا ہے، چاہے میں زندہ ہوں یا مردہ۔ میں اس سے اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کا گھر چاہتا ہوں۔ میں اس کے سوا کچھ نہیں چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول کرے اور اس کا وارث بنائے اور وہ بہترین وارث ہے۔ اس بارے میں میرا فیصلہ ہے، میرے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان معاہدہ ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 258-259 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ نعمتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ آخرت کے لیے ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیں تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر .اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو خلیفہ منتخب کرنا

حکمرانی

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پہلے ہی جانتے تھے کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3675 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ مسجد نبوی میں جماعت کی امامت کے لیے نکلے۔ جیسے ہی اس نے نماز شروع کی تو اسے یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ مجھے کتے نے مار ڈالا ہے۔ اس کے بعد ایک غیر مسلم غلام ابو لولوہ نے اسے زہر آلود دو دھاری چاقو سے وار کیا۔ اس شخص نے بھاگنے کی کوشش کی اور تیرہ لوگوں کو چاقو مارا، جن میں سے سات مر گئے، یہاں تک کہ ایک مسلمان نے اس پر چادر ڈال دی اور جب اسے معلوم ہوا کہ وہ پکڑا گیا ہے، اس نے خود کو مار ڈالا۔ اس سے پہلے کہ عمر رضی اللہ عنہ گر پڑے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑا اور انہیں آگے بڑھایا تاکہ وہ جماعت کی امامت کر سکیں۔ اس کے بعد اسے اپنے گھر لے جایا گیا جہاں اس نے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ وہ اپنے قرض کی ادائیگی کو یقینی بنائیں اور ان سے کہا کہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زوجہ محترمہ سے پوچھ لیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اپنے گھر میں دفن کرنے کی اجازت کے لیے اپنے دو صحابہ یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس۔ ، جس پر وہ راضی ہوگئی۔ جب ان سے اگلا خلیفہ نامزد کرنے کی تاکید کی گئی تو آپ نے انہیں مشورہ دیا کہ اگلا خلیفہ مندرجہ ذیل چھ لوگوں میں سے مقرر کیا جائے گا جن سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے پہلے خوش ہو چکے تھے :علی ابن ابو طالب، عثمان بن عفان، عز زبیر بن عوام، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم۔ عمر نے زور دیا کہ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ مقرر نہیں کیا جائے گا لیکن وہ اگلے کو منتخب کرنے میں مدد کر سکتے ہیں۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے شعیب رومی رضی اللہ عنہ کو اگلے خلیفہ کے مقرر ہونے تک نماز باجماعت کی امامت کے لیے بھی مقرر کیا۔ انہوں نے ان چھ میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے سے گریز کیا جسے وہ اگلے خلیفہ کے طور پر منتخب کرتے ہیں اور نماز کی امامت کرتے ہیں کیونکہ یہ عمر رضی اللہ عنہ کی طرف سے ایک قسم کی توثیق ہوتی کہ اگلا خلیفہ کون ہونا چاہیے۔ وہ کسی بھی طرح انتخاب پر اثر انداز ہونے کی خواہش نہیں رکھتے تھے۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 2، صفحہ 398 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو اگلا خلیفہ بننے سے روک کر بادشاہوں کی روایت سے گریز کیا، حالانکہ وہ اس کے لائق تھا۔ وہ صرف اس کام کے لیے بہترین آدمی کی خواہش رکھتا تھا اس لیے اس نے ان چھ کو منتخب کیا جو خلیفہ کے کردار کے لیے بہترین تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا لوگوں کے ساتھ کتنا اخلاص تھا۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام عام لوگوں کے ساتھ اخلاص ہے۔ اس میں ان کے لیے ہر وقت بہترین کی خواہش کرنا اور اسے اپنے قول و فعل سے ظاہر کرنا شامل ہے۔ اس میں دوسروں کو نیکی کی تلقین کرنا، برائیوں سے روکنا، دوسروں کے ساتھ ہر وقت رحم اور مہربانی کرنا شامل ہے۔ اس کا خلاصہ صحیح مسلم نمبر 170 میں موجود ایک حدیث سے کیا جا سکتا ہے۔ یہ متنبہ کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے چاہتا ہے۔

لوگوں کے ساتھ مخلص ہونا اس قدر ضروری ہے کہ صحیح بخاری نمبر 57 میں موجود حدیث کے مطابق حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرض کو فرض نماز کی ادائیگی اور صدقہ فطر کے آگے ڈال دیا۔ صرف اس حدیث سے ہی اس کی اہمیت کا اندازہ ہو سکتا ہے کیونکہ اس میں دو اہم واجبات رکھے گئے ہیں۔

لوگوں کے ساتھ خلوص کا یہ حصہ ہے کہ جب وہ خوش ہوں تو خوش ہوں اور جب وہ غمگین ہوں جب تک کہ ان کا رویہ اسلام کی تعلیمات کے خلاف نہ ہو۔ اعلیٰ درجے کے اخلاص میں دوسروں کی زندگیوں کو بہتر بنانے کے لیے انتہائی حد تک جانا شامل ہے، چاہے یہ خود کو مشکل میں ڈالے۔ مثال کے طور پر، ضرورت مندوں کو مال عطیہ کرنے کے لیے کچھ چیزیں خرید کر قربانی کر سکتے ہیں۔ لوگوں کو ہمیشہ بھلائی پر متحد کرنے کی خواہش اور کوشش کرنا دوسروں کے ساتھ اخلاص کا حصہ ہے۔ جبکہ دوسروں میں تفرقہ ڈالنا ابلیس کی خصوصیت ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 53:

شیطان یقیناً ان کے درمیان تفرقہ ڈالنا چاہتا ہے‘‘۔’’

لوگوں کو متحد کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے عیبوں پر پردہ ڈالا جائے اور انہیں گناہوں کے خلاف نجی طور پر نصیحت کی جائے۔ جو اس طرح عمل کرتا ہے اس کے گناہوں پر اللہ تعالیٰ پردہ ڈال دیتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1426 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ جب بھی ممکن ہو دوسروں کو دین اور دنیا کے اہم پہلوؤں کی نصیحت اور تعلیم دینی چاہیے تاکہ ان کی دنیوی اور دینی زندگی بہتر ہو۔ دوسروں کے ساتھ خلوص کا ثبوت یہ ہے کہ وہ ان کی غیر موجودگی میں ان کی حمایت کرتا ہے، مثلاً دوسروں کی غیبت سے۔ دوسروں سے منہ موڑنا اور صرف اپنی فکر کرنا مسلمان کا رویہ نہیں ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر جانور اس طرح برتاؤ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر کوئی پورے معاشرے کو نہیں بدل سکتا تو پھر بھی وہ اپنی زندگی میں ان لوگوں کی مدد کرنے میں مخلص ہو سکتا ہے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار اور دوست۔ سیدھے الفاظ میں، کسی

کو دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ باب 28 القصص، آیت 77:

اور نیکی کرو جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ بھلائی کی ہے‘‘۔’’

ایک عمدہ رول ماڈل

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بستر پر بٹھا دیا گیا اور لوگوں نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کے لیے دعائیں مانگیں۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی اور کہا کہ کوئی ایسا نہیں ہے کہ وہ اللہ عزوجل سے ملاقات کو عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ اپنے اعمال کے ساتھ پسند کرے۔ صحیح بخاری نمبر 3685 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ ایک اچھے رول ماڈل کے انتخاب کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹیں تو بہت سے ایسے لوگ نظر آئیں گے جنہوں نے بڑی دنیاوی کامیابیاں حاصل کیں اور بعض صورتوں میں ابھی تک بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا، وہ کم از کم ایک ایسی چیز بھی دیکھیں گے جو ان کے کارناموں کو داغدار کرتی ہے۔ لیکن اگر کوئی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ کا مشاہدہ کرے تو انہیں کامیابی اور ان گنت چیزوں کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا جن سے بنی نوع انسان کو فائدہ ہوتا ہے۔ اگر چہ ایسے لوگ موجود ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھوٹی تنقید کرتے ہیں لیکن آپ کی انتہائی درست اور مفصل سیرت سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ جس کی تصدیق معتبر مسلم اور غیر مسلم مورخین نے کی ہے کہ یہ تنقید کس بنیاد پر کی گئی ہے۔ جھوٹ کے سوا کچھ نہیں .اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام رول ماڈلز کو ایک طرف رکھ کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بے عیب سیرت کا مطالعہ کریں اور اسے اپنائیں، کیونکہ یہ ہی دنیاوی اور دینی زندگی میں حقیقی کامیابی حاصل کرنے کا واحد راستہ ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’ کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا‘‘۔

اس دنیا میں اس سے بڑا کوئی مقصد نہیں۔ درحقیقت یہ وہ چیز ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے لوگ اپنے عقیدے سے قطع نظر کوشش کرتے ہیں۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ سب کچھ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھا ہے۔ باب 33 الاحزاب، آیت 21:

’’ یقیناً تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کی امید رکھتا ہے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔‘‘

یہ سادہ سی بات ہے کہ اگر کوئی شخص دنیوی اور دینی کامیابی چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلے۔ لیکن اگر وہ اس کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کرتے ہیں جو بھی داغدار کامیابی حاصل کرتے ہیں وہ بالآخر ان کے لیے بوجھ بن جائے گی اور یہ ایک عظیم دن پر عذاب کا باعث بن سکتا ہے۔

اچھی صحبت

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کو بستر پر بٹھا دیا گیا اور لوگوں نے آپ کو گھیر لیا اور آپ کے لیے دعائیں مانگیں۔ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ان کے لیے دعا کی اور تبصرہ کیا کہ وہ ہمیشہ یہ سوچتے تھے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنے دو صحابہ کے ساتھ رکھے گا، یعنی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوطالب علیہ السلام۔ بکر رضی اللہ عنہ، جیسا کہ انہوں نے اکثر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنا، ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر کرتے ہوئے سنا۔ صحیح بخاری نمبر 3685 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

اس کی دنیا میں اچھی صحبت آخرت میں اچھی صحبت کا باعث بنی۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا

پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خلافت

تیسرا صحیح ہدایت والا خلیفہ

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اور ان کے مشورے کی بنیاد پر انہوں نے جن چھ کو نامزد کیا :علی ابن ابو طالب، عثمان ابن عفان، عز زبیر بن عوام، طلحہ ابن عبید اللہ، سعد ابن ابی وقاص۔ اور عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ان سے ملاقات کی۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے دوسروں پر زور دیا کہ وہ حکمرانی کے امیدواروں کو کم کر کے تین کر دیں۔ عز زبیر نے اپنا حق علی رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنا حق عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ سعد نے اپنا حق عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے حق میں چھوڑ دیا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے اپنے حق سے دستبردار ہو کر باقی دو یعنی علی اور عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھی کے حق میں اپنا حق چھوڑنے کی تلقین کی۔ وہ دونوں خاموش رہے اور سوچ رہے تھے کہ کیا کریں۔ پھر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے ان سے دوسروں سے مشورہ کرنے کی اجازت طلب کی تاکہ وہ فیصلہ کر سکیں کہ اگلا خلیفہ کون ہونا چاہیے۔ دونوں نے اس کی تجویز مان لی۔ بالآخر عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، اور ان کے بعد سب سے پہلے بیعت کرنے والے علی رضی اللہ عنہ تھے۔ اس کے بعد باقی لوگوں نے بھی ان کی بیعت کی۔ صحیح بخاری نمبر 3700 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

یہ بات واضح ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اللہ تعالیٰ کے لیے مکمل اخلاص کے ساتھ عمل کیا اور دنیاوی اسباب سے متاثر نہیں ہوئے اور یہ کہ وہ اگلے خلیفہ کے طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے پوری طرح راضی تھے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

"اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

مزید متعلقہ مسائل پر توجہ مرکوز کرنا

ابوبکر، عمر بن خطاب اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی نامزدگی، اسلام کے پہلے تین خلفاء کی حیثیت سے ہمیشہ سے بحث کا موضوع رہی ہے۔ صحیح رہنمائی کرنے والے علماء نے اکثر اسلام کے پہلے تین خلیفہ ہونے کے حق کے بارے میں بہت زیادہ بحث کی ہے تاکہ دو گروہوں کو حق پر متحد کیا جا سکے :سنی اور شیعہ۔ اگرچہ یہ ایک مناسب مقصد ہے، لیکن اوسط مسلمان کو ان مباحثوں یا اس سے ملتی جلتی دیگر بحثوں میں نہیں پڑنا چاہیے، جیسے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان اختلاف، کیونکہ یہ ایسے مسائل ہیں جو اللہ عزوجل کی مرضی ہے۔ ان سے قیامت کے دن نہ پوچھنا۔ یہ مسائل اللہ عزوجل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 141:

" یہ وہ قوم ہے جو گزر چکی ہے۔ اس کا نتیجہ ہوگا جو اس نے کمایا اور تمہیں وہی ملے گا جو تم نے کمایا۔ اور تم سے نہیں پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔

ایک مسلمان کو اس بات پر پختہ یقین ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صحیح ہدایت پر تھے اور اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی تھا۔ یہ بات قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے ثابت ہے۔ مثال کے طور پر، باب 9 توبہ، آیت 100:

" اور مہاجرین)مکہ سے آنے والے (اور انصار)مدینہ کے رہنے والوں (میں سب سے پہلے]ایمان میں [اور وہ لوگ جنہوں نے حسن سلوک کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔‘‘

چونکہ قیامت کے دن ان مسائل کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا، اس لیے ایک مسلمان کو ان چیزوں پر توجہ مرکوز کرنی چاہیے جن کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔ جب کوئی مسلمان قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو پوری طرح سمجھ لے اور اس پر عمل کر لے تو کیا اسے دوسرے مسائل پر توجہ دینے کا حق ہے؟ جیسا کہ عملی طور پر کوئی بھی اس سطح تک نہیں پہنچا ہے، اس لیے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ ان مسائل پر توجہ مرکوز کریں جو متعلقہ ہیں، یعنی وہ مسائل جو اس بات کا تعین کریں گے کہ وہ جنت میں جائیں گے یا جہنم میں۔

آخر میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید کرنا اور ان کی پاکیزہ ہستیوں پر تہمت لگانا حماقت ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو آگے بڑھانے کا انتخاب کیا ہے۔ اور درود و سلام، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہدایت کے ان دو ذرائع کو ان کے ذریعے محفوظ کیا۔ باب 15 الحجر، آیت 9:

بے شک ہم نے ہی اس پیغام کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں‘‘۔’’

لہٰذا اگر کوئی ان پر تنقید کرتا ہے تو وہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر شکوک و شبہات ڈال رہے ہیں جو کہ انتہائی خطرناک بات ہے۔

آخر میں جو شخص کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتا ہو اسے کافر ہونے سے ڈرنا چاہیے جیسا کہ کافر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناپسند کرتے ہیں، قرآن کریم کے مطابق۔ باب 48 الفتح، آیت 29:

" محمد اللہ کے رسول ہیں؛ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زبردست اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہو، اللہ کے فضل اور [اس کی خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے ہے [یعنی نماز]۔ تورات میں ان کی تفصیل یہی ہے۔ اور انجیل میں ان کا بیان ایک ایسے پودے کی طرح ہے جو اپنی شاخیں نکالتا ہے اور انہیں مضبوط کرتا ہے تو وہ مضبوط ہو کر اپنے ڈنڈوں پر کھڑے ہو کر بونے والوں کو خوش کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جائے۔ ان سے راضی [کافر..."

قرآن مجید کو جمع کرنا

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں یمامہ کی جنگ ہوئی۔ اس کی وجہ سے بہت سے مسلمان ہلاک ہوئے، جن میں سے بہت سے قرآن پاک حفظ کر چکے تھے، عمر بن خطاب نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس خوف سے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کی ترغیب دی کہ آیا حافظوں کے حافظے کی صورت میں آیات ضائع ہو جائیں گی۔ قرآن پاک کی جنگوں میں مرتے رہے یا شہید ہوتے رہے۔ اس سے پہلے قرآن کریم کی آیات کسی ایک کتاب میں موجود نہیں تھیں، بلکہ وہ یا تو حفظ کی جاتی تھیں یا مختلف چیزوں مثلاً پتھروں پر لکھی جاتی تھیں، جو مختلف لوگوں کے قبضے میں تھیں۔ ابتدا میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کچھ ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا کیونکہ وہ ایسا کام کرنے کی خواہش نہیں رکھتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے میں بہت سخت تھے۔ لیکن جب آخرکار عمر نے اصرار کیا تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ قرآن کریم کی آیات کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ کرنے کے لیے یہی بہترین عمل ہے۔ ابوبکر نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس اہم اور مشکل کام کے لیے مقرر کیا۔ انہوں نے قرآن پاک کو کتابی شکل میں جمع کرنے کے لیے انتھک محنت کی۔ یہ نسخہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی، پھر یہ عمر رضی اللہ عنہ کو اور آخر کار ان کی بیٹی اور مؤمنین کی والدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہما کے پاس پہنچ گئی۔ اس سے خوش .صحیح بخاری نمبر 7191 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دور خلافت تک مسلمانوں کے لیے قرآن مجید کی مختلف لہجوں کے مطابق تلاوت کرنا جائز تھا جس میں یہ نازل ہوا تھا۔ سات مختلف بولیوں میں نازل ہوا۔ اس سے اس کی تلاوت میں لچک پیدا ہوئی۔ لیکن آرمینیا اور آذربائیجان کی فتح کے دوران حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ نے شام اور عراق سے آنے والے سپاہیوں کے قرآن پاک کی تلاوت میں اختلاف کو دیکھا۔ وہ ڈرتا تھا کہ یہ اختلافات بالخصوص جاہل مسلمانوں میں تفرقہ کا باعث بن سکتے ہیں کیونکہ وہ تلاوت کے ان طریقوں پر اعتراض کر سکتے ہیں جن سے وہ واقف نہیں تھے۔ چنانچہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے درخواست کی کہ امت مسلمہ کو ایک قراءت پر جمع کریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد اس پر اتفاق کیا اور ان میں سے کسی نے بھی آپ کے فیصلے سے اختلاف نہیں کیا۔ اس نے قرآن پاک کا طبعی نسخہ بھیجا جو مومنین کی والدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ اس ورژن کی کاپیاں بنائیں؛ اور انہیں پوری اسلامی سلطنت میں بھیج دیا اور انہیں اس کی قراءت کے طریقے پر چلنے کا

حکم دیا جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے قبیلہ قریش کی قرات کا طریقہ تھا۔ صحیح بخاری نمبر 4987 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

جب کچھ گمراہ لوگ عثمان کے اعمال پر تنقید کرتے تو علی رضی اللہ عنہ ان کا دفاع کرتے اور لوگوں کو تنبیہ کرتے کہ صرف ان کے بارے میں اچھی بات کریں۔ انہوں نے لوگوں کو یاد دلایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کرنے کے بعد لوگوں کو صرف ایک قراءت پر جمع کیا۔ اور اگر وہ اس وقت خلیفہ ہوتا تو وہ بھی یہی کرتا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 280-281 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قرآن پاک کو آنے والی نسلوں تک پہنچانے کو یقینی بنانے کے لیے بہت بڑے اقدامات کیے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ہر وقت قرآن پاک کی سچی اطاعت اور اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی کوششوں کا احترام کریں۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور

قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

"اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔"

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اعمال اسلام میں اتحاد کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود

ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند

کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ تخلیق.

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم

کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

صبر کو اپنانا

جب عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کیا گیا تو بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انہیں مدد کی پیشکش کی، جنہوں نے ان سے جنگ کرنے اور باغیوں کو ختم کرنے پر زور دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عزم میں اس وقت اضافہ ہوا جب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ انہیں تنبیہ کی تھی کہ ان کے انتقال کے بعد فتنہ و فساد برپا ہو گا۔ ان کو تکلیف دو .جب انہوں نے اس سے حفاظت حاصل کرنے کے بارے میں سوال کیا تو اس نے کہا کہ انہیں امانت دار اور اس کے گروہ کے ساتھ سلامتی حاصل کرنی چاہئے اور پھر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کیا۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کی اطاعت کرنے والوں کو صبر کرنے کی تلقین کی اور لڑائی میں مشغول نہ ہو کر باغیوں کا خون نہ بہایا جائے اور نہ ہی ان کی خاطر ان کا خون بہایا جائے۔ ایک موقع پر عثمان کے ساتھ 700 سے زیادہ مخلص مسلمان تھے، جن میں صحابہ کرام جیسے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، سب ان سے لڑنے اور دفاع کے لیے تیار تھے لیکن آپ نے انہیں منع کر دیا۔

علی رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے خلاف لڑنے کی اجازت طلب کی کیونکہ اس نے کوئی غلط کام نہیں کیا تھا اور اصرار کیا کہ ان کے پاس 500 مخلص مسلمان ہیں جو ان کے ساتھ لڑیں گے، پھر بھی عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں لڑائی سے منع کر دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے کھاتے پر خون بہے ۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 287-288 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جب باغیوں نے کھانا اور پانی عثمان تک پہنچنے سے روکا تو علی رضی اللہ عنہ نے بہت بڑا خطرہ مول لے کر پانی تک پہنچایا اور بہت سے مخلص مسلمان زخمی ہو گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 288 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

المغیرہ ابن شهبہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا کہ وہ یا تو لڑیں اور اپنا دفاع کریں جیسا کہ وہ حق میں تھے یا مکہ بھاگ جائیں جہاں انہیں یقین تھا کہ باغی ان پر حملہ نہیں کریں گے یا شام کی طرف بھاگ جائیں جہاں گورنر حفاظت کرے گا۔ اس کا مطلب ہے معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میں مسلمانوں کا خون بہانے والا پہلا مسلمان لیڈر نہیں بنوں گا۔ اسے ڈر تھا کہ اگر وہ مکہ بھاگ گیا تو وہ اس پر حملہ کر دیں گے۔ اور وہ کبھی بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر سے شام یا کسی اور جگہ نہیں بھاگے گا۔ امام محمد السلّابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 547-551 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1302 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مشکل کے وقت حقیقی صبر کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ حقیقی صبر کسی آفت کے دوران ظاہر ہوتا ہے، مشکل کے آغاز سے ہی۔ کسی مشکل کی حقیقت کو قبول کرنا، جیسے کسی عزیز کی موت، آخرکار وقت گزرنے کے ساتھ سب کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ قبولیت ہے سچا صبر نہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے صبر کریں اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا انتخاب کرتا ہے وہ سب سے بہتر ہے خواہ وہ انتخاب کے پیچھے موجود حکمتوں کا مشاہدہ کرنے میں ناکام رہے۔ اس کے بجائے، انہیں ان کئی بار غور کرنا چاہیے جب انہیں یقین تھا کہ ابھی تک کوئی چیز اچھی تھی، وہ بری اور اس کے برعکس ختم ہوئی۔ انتہائی کم نظری اور انسانوں کے محدود علم اور اللہ تعالیٰ کے لامحدود علم و حکمت کو سمجھنا ایک مسلمان کو مشکل کے آغاز سے ہی صبر کا مظاہرہ کرنے میں مدد فراہم کر سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اس کے علاوہ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی زندگی کے آخر تک صبر کا مظاہرہ کرتے رہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک شخص صبر کا اجر آسانی سے کھو سکتا ہے یہاں تک کہ اگر وہ شروع سے ہی صبر کر رہا تھا تو اس نے مزید بے صبری کا مظاہرہ کیا۔ یہ شیطان کا ایک انتہائی مہلک جال ہے۔ وہ عشروں تک صبر کے ساتھ صرف ایک مسلمان کا ثواب برباد کرنے کا انتظار کرتا ہے۔ قرآن پاک واضح کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو اس کا اجر ملے گا جو وہ قیامت تک لے کر آئیں گے، یعنی جب وہ مر جائیں گے تو اپنے ساتھ لے جائیں گے، یہ اعلان نہیں کرتا کہ وہ صرف ایک عمل کرنے کے بعد ثواب حاصل کریں گے، جیسے کہ شروع ہونے پر صبر کرنا۔ ایک مشکل باب 6 الانعام، آیت 160:

"...جو شخص]قیامت کے دن [نیک عمل لے کر آئے گا"

آخر کار، زندگی میں ایک مسلمان کو ہمیشہ یا تو آسانی یا مشکل کے وقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ کوئی بھی شخص کچھ مشکلات کا سامنا کیے بغیر صرف آسانی کے اوقات کا تجربہ نہیں کرتا ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ اگرچہ تعریف کے اعتبار سے مشکلات کا مقابلہ کرنا مشکل ہے وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حقیقی عظمت اور بندگی کو حاصل کرنے اور اس کے اظہار کا ذریعہ ہیں۔ اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں لوگ زندگی کے اہم اسباق سیکھتے ہیں جب انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور پھر جب وہ آسانی کے وقت کا سامنا کرتے ہیں۔ اور لوگ اکثر آسانی کے اوقات کے مقابلے مشکل کے وقت کا سامنا کرنے کے بعد بہتر کے لیے بدل جاتے ہیں۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے صرف اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ درحقیقت اگر کوئی قرآن پاک کا مطالعہ کرے تو وہ سمجھے گا کہ زیر بحث واقعات کی اکثریت مشکلات پر مشتمل ہے۔ یہ اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ حقیقی عظمت ہمیشہ آسانی کے اوقات کا تجربہ کرنے میں مضمر نہیں ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مشکلات کا سامنا کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔ یہ اس حقیقت سے ثابت ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جن بڑی مشکلوں کا ذکر کیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کا خاتمہ ان لوگوں کے لیے

حتمی کامیابی پر ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرنے کی فکر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ یہ صرف ان کے لیے چمکنے کے لمحات ہیں اور سچی اطاعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی کا اعتراف کرتے ہیں۔ یہ دونوں جہانوں میں حتمی کامیابی کی کلید ہے۔

خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت

خلیفہ کی قربانی

جب حج کا موسم ختم ہوا تو بہت سے زائرین نے خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی حفاظت کے لیے مدینہ کی طرف کوچ کرنا شروع کیا اور اسی مقصد کے لیے مختلف اسلامی خطوں کے گورنروں کی طرف سے بہت سے سپاہیوں کو بھیجا گیا۔ باغیوں کے لیڈروں نے اس کی خبر سنی اور محسوس کیا کہ انہیں جلد ہی کارروائی کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وہ مخالفت سے مغلوب ہو جائیں گے۔ شہادت کے دن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روزے سے تھے اور سو گئے۔ اس نے خواب میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کو دیکھا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے ساتھ افطار کرو۔ بیدار ہونے کے بعد، عثمان رضی اللہ عنہ نے تبصرہ کیا کہ وہ اس دن مرنے والا ہے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ وہ شہید ہونے والا ہے اور اس لیے انہوں نے مزید پختہ عزم کر لیا کہ کسی کو بھی اس کا دفاع کرنے کی اجازت نہیں دیں گے، کیونکہ یہ ان کی جان بچانے کے بغیر صرف خونریزی اور تفرقہ کا باعث بنے گا۔ اس نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اور ان مخلص مسلمانوں کو جو ان کے گھر پر تعینات تھے تاکید کی کہ جب کچھ تشدد شروع ہو جائے تو وہ لڑائی نہ کریں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے مخلص مسلمانوں کو وہاں سے نکل جانے پر آمادہ کرنے کے بعد بالآخر چند باغی عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئے اور ان پر اس وقت حملہ کر دیا جب وہ قرآن پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔ اس کی بیوی نے اس کی مدد کرنے کی کوشش کی اور وہ بھی انکاؤنٹر میں زخمی ہوگئی۔ اس نے ان پر چیخ چیخ کر کہا کہ وہ ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہیں جو ساری رات جاگتا اور ایک ہی چکر میں پورا قرآن پاک پڑھتا ہے۔ لیکن اس سے بدکاروں کو باز نہ آیا۔ انہوں نے خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا اور ان کا خون قرآن کریم کی درج ذیل آیت، باب 2، آیت 137 پر گرا:

" پس اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لائے جس طرح تم مانتے ہو تو وہ ہدایت پا چکے ہیں۔ لیکن اگر وہ منہ پھیر لیں تو وہ صرف اختلاف میں ہیں اور اللہ ان کے مقابلے میں تمہارے لیے کافی ہے۔ اور وہ سننے والا جاننے والا ہے۔‘‘

عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کے بعد، انہوں نے ان کے گھر اور یہاں تک کہ سرکاری خزانے کو بھی لوٹ لیا، حالانکہ اس میں عملی طور پر کچھ بھی نہیں تھا کیونکہ عثمان رضی اللہ عنہ اسے جلدی جلدی ضرورت مندوں پر خرچ کرتے تھے۔

وین سال میں اس وقت پیش آیا جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی عمر 82 سال تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ کی شہادت کا شدید غم ہوا اور زبانی طور پر اپنی مایوسی کا اظہار کیا، جیسے کہ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، جنہوں نے پہلے درج ذیل آیت کی تلاوت کی اور پھر اللہ سے دعا کی۔ عالی، مصیبت پیدا کرنے والوں کو پکڑنے کے لیے۔ اور اس کی دعا قبول ہوئی اور باغیوں کے تمام رہنما بالآخر مارے گئے۔ باب 18 الکہف، آیات 103-106:

’’ کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس سے ملاقات کا انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن]یعنی اہمیت [نہیں دیں گے۔ یہ ان کی جزا جہنم ہے جس کی انہوں نے تکذیب کی اور انہوں نے میری آیات اور میرے رسولوں کا مذاق اڑایا۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ بہت غمگین اور غصے میں تھے۔ اس کو اتنا غصہ آیا کہ اس نے اپنے بیٹے حسن کو تھپڑ مارا اور دوسرے بیٹے حسین رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کے دروازے پر کھڑا

کرتے ہوئے مارا۔ اس نے دوسرے لوگوں پر بھی سخت تنقید کی جو خلیفہ کے دروازے پر تعینات تھے۔ اس نے باغیوں پر لعنت بھیجی اور خلیفہ کے قتل میں اپنی بے گناہی کا اعلان کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 288 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے یہاں تک کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے والے باغیوں کا ذکر کرتے ہوئے درج ذیل آیات کا حوالہ دیا۔ باب 59 الحشر، آیات 16-17:

’’ وہ شیطان کی مثال کی طرح ہیں جب وہ انسان سے کہتا ہے کہ کافر ہو جا‘‘۔ لیکن جب وہ کفر کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں تم سے بیزار ہوں، میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں۔ پس ان دونوں کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور یہ ظالموں کی سزا ہے۔"

امام محمد السلّابی کی سیرت عثمان ابن عفان، ذون نورین، صفحہ 571-580 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی خلافت

مزید ہنگامہ آرائی

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت نے مزید فتنہ و فساد برپا کر دیا۔ اس واقعہ کی وجہ سے مسلم قوم تقسیم ہوئی اور آج تک ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف نفرت پیدا ہوئی اور کئی آفتیں آئیں۔ بدکار غالب آ گئے اور نیک لوگ مغلوب ہو گئے۔ بدکار لوگ زیادہ متحرک ہو گئے اور مزید مسائل پیدا کر دیے اور نیک لوگ اس پر قابو پانے کے لیے نیکی پھیلانے میں ناکام رہے۔ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کی، جنہوں نے ہچکچاتے ہوئے قبول کر لیا، کیونکہ انہیں مزید اختلاف کا اندیشہ تھا، اور وہ اس وقت اگلے خلیفہ بننے کے سب سے زیادہ حقدار تھے۔ اور باقی رہنے والوں میں سب سے بہتر تھا، لیکن لوگ اس طرح تقسیم ہو گئے جیسے فتنوں کی آگ جل چکی تھی۔ اتحاد ٹوٹ گیا اور کوئی نظم و ضبط باقی نہ رہا اور نئے خلیفہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس قابل نہ رہے کہ وہ نیکی اور عدل کو پھیلانے کے لیے وہ سب کچھ حاصل کر سکے جو وہ چاہتے تھے۔

باغیوں میں ظاہر ہونے والی دو روحانی بیماریاں باقی قوم میں پھیلنے لگیں :شکوک و شبہات کی آزمائش اور خواہشات کی آزمائش۔ شکوک و شبہات کی آزمائش اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی وجہ سے ہوتی ہے جو ایمان کی کمزوری کا باعث بنتی ہے۔ جب ایمان کی کمزوری ہو تو حق سے انحراف آسان ہو جاتا ہے۔ وہ قرآن پاک کی غلط تشریحات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر یقین کرنے میں آسانی سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہ اسلام کے نام پر معصوم لوگوں کو نقصان پہنچانے کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اس کے علاوہ، یہ اللہ تعالیٰ پر امید کی بجائے خواہش مندانہ سوچ کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے۔ خواہش مند سوچ یہ ہے کہ جان بوجھ کر اللہ کی نافرمانی پر اڑے رہنا، پھر بھی یہ یقین رکھنا کہ وہ معاف کر دے گا۔

خواہشات کی آزمائش میں مادی دنیا کو آخرت کی تیاری پر ترجیح دینا شامل ہے۔ ان کی خواہشات انہیں دنیاوی نعمتیں حاصل کرنے، لطف اندوز ہونے اور ذخیرہ کرنے اور آخرت کو نظر انداز کرنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ اگر خواہشات کافی مضبوط ہوں تو وہ کسی کو حرام کی طرف راغب کر سکتے ہیں حتیٰ کہ دولت اور اختیار جیسی دنیاوی چیزوں کی خاطر دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ خواہشات انسان کو اللہ تعالیٰ کے احکامات اور ممانعتوں کو چننے کی ترغیب دیتی ہیں، اس طرح انسان اپنی خواہشات اور خواہشات کے مطابق اطاعت اور نظر انداز کرتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ شخص اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے الٰہی تعلیمات کی غلط تشریح کرتا ہے۔ آخرت کو نظر انداز کرنا اپنے احتساب کو یاد کرنے سے روکتا ہے اور جب ایسا ہو جائے تو کوئی بھی عمل ممکن ہو جاتا ہے۔

شکوک و شبہات اور خواہشات دونوں کی آزمائشوں کا علاج خلوص دل سے قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا ہے تاکہ انسان کو یقین کا یقین حاصل ہو۔ یہ شکوک و شبہات اور خواہشات کے نتائج کے خلاف ایک ڈھال کا کام کرتا ہے۔

اگر چہ ملت اسلامیہ کے اندر انتشار تیزی سے پھیل گیا، لیکن اس نے خلیفہ، علی ابن ابو طالب اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر ثابت قدم رہنے سے نہیں روکا۔ . لیکن جو لوگ گمراہی اور فساد پھیلانے پر جمے رہے وہ دنیا میں بھی اپنی خیانت کے نتائج سے نہیں بچ سکے اور انہیں آخرت میں ضرور پورا پورا بدلہ ملے گا اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے بھی۔ باب 26 شعراء آیت 227:

‘‘اور جن لوگوں نے ظلم کیا ہے وہ جان لیں گے کہ وہ کس طرح لوٹائے جائیں گے۔’’

صحیح مسلم نمبر 7400 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص بڑے فتنوں اور فتنوں کے دوران اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہے وہ اس شخص کی طرح ہے جس نے ہجرت کی ہو۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات طیبہ میں ہجرت کا ثواب بہت بڑا عمل تھا۔ درحقیقت، صحیح مسلم نمبر 321 میں موجود حدیث کے مطابق اس سے پچھلے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرتے ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرتے رہیں۔

ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جس وقت کا ذکر ہے وہ آچکا ہے۔ اسلام کی تعلیمات سے گمراہ ہونا بہت آسان ہو گیا ہے کیونکہ مسلمان قوم پر دنیاوی خواہشات کے دروازے کھل گئے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ ان سے غافل نہ ہوں اور متنازعہ مسائل اور لوگوں سے اجتناب کریں اور اپنی زندگی کے ہر پہلو میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہیں اگر وہ اس حدیث میں مذکور ثواب حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

قیادت کی خواہش

عثمان بن عفان کی شہادت کے بعد تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خوشی سے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس نے شروع میں انکار کر دیا اور انہیں کسی اور کو منتخب کرنے کا مشورہ دیا اور اس شخص سے اپنی اطاعت کا وعدہ کیا۔ یہاں تک کہ اس نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کی بیعت کی جنہوں نے انکار کر دیا اور اس کے بجائے خلیفہ کا کردار ادا کرنے پر اصرار ، کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 315-316 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ بلاشبہ خلافت کے سب سے زیادہ حقدار تھے، جیسا کہ باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے پہلے وہ مسلمان ہوئے، سب سے زیادہ علم والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ترین تھے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، نسب میں سب سے زیادہ بہادر، اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پیارے، سب سے زیادہ پیارے اور اس کے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر، سب سے افضل، سب سے اعلیٰ، مرتبے میں سب سے زیادہ اور وہ جو اخلاق و کردار میں سب سے زیادہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتا تھا۔ اس لیے وہ خلافت کے لیے کسی اور سے زیادہ موزوں تھے۔ ایک حقیقت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی گواہی دی ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 318 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حتیٰ کہ معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت شام کے گورنر تھے، نے بھی علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تردید نہیں کی۔ اس نے تبصرہ کیا کہ میں جانتا تھا کہ علی رضی اللہ عنہ ان سے بہتر ہیں اور خلافت کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کا معاملہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے خلاف انتقام لینے پر مبنی تھا، خلیفہ کے طور پر ان کے کردار کو چیلنج نہیں کرنا تھا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 325-327 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے قیادت کی خواہش نہیں کی کیونکہ وہ اس سے وابستہ امتحانوں سے ڈرتے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ مال و دولت کی خواہش ایمان کے لیے دو بھوکے بھیڑیوں کی ہلاکت سے زیادہ تباہ کن ہے۔ بھیڑوں کا ایک ریوڑ.

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہی کسی مسلمان کا ایمان محفوظ رہے اگر وہ دنیا میں دولت اور شہرت کی تمنا کرے جس طرح شاید ہی کسی بھیڑ کو دو بھوکے بھیڑیوں سے نجات ملے۔ لہٰذا اس عظیم مثال میں دنیا میں زیادہ دولت اور سماجی حیثیت کے بعد حرص کی برائی کے خلاف سخت تنبیہ ہے۔

ایک شخص کی شہرت اور رتبے کی خواہش اس کے ایمان کے لیے زیادہ دولت کی خواہش سے زیادہ تباہ کن ہے۔ ایک شخص اکثر اپنی محبوب دولت کو شہرت اور وقار کے حصول پر خرچ کرتا ہے۔

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ کوئی شخص مقام و شہرت حاصل کر کے صحیح راستے پر قائم رہے جس کے تحت وہ مادی دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 6723 میں موجود ایک حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص معاشرے میں قیادت جیسے مقام کی تلاش میں ہے اسے خود اس سے نمٹنے کے لیے چھوڑ دیا جائے گا لیکن اگر کوئی اسے مانگے بغیر حاصل کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا۔ اعلیٰ، اس کے فرمانبردار رہنے میں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی ایسے شخص کا تقرر نہیں کرتے تھے جو کسی منصب پر فائز ہونے کی درخواست کرتا ہو یا اس کی خواہش بھی ظاہر کرتا ہو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 6923 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ صحیح بخاری نمبر 7148 میں موجود ایک اور حدیث

میں متنبہ کیا گیا ہے کہ لوگ مقام و مرتبہ حاصل کرنے کے خواہش مند ہوں گے لیکن قیامت کے دن ان کے لیے یہ بڑی پشیمانی ہوگی۔ یہ ایک خطرناک خواہش ہے کیونکہ یہ انسان کو اس کو حاصل کرنے کے لیے شدید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے اور پھر اسے برقرار رکھنے کے لیے مزید کوشش کرنے پر مجبور کرتی ہے خواہ یہ ظلم اور دیگر گناہوں کی ترغیب دے۔

رتبہ کی خواہش کی بدترین قسم وہ ہے جب کوئی اسے مذہب کے ذریعے حاصل کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2654 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ شخص جہنم میں جائے گا۔

لہٰذا ایک مسلمان کے لیے زیادہ مال و دولت اور اعلیٰ سماجی رتبے کی خواہش سے بچنا زیادہ محفوظ ہے کیونکہ یہ دو چیزیں ہیں جو آخرت کی تیاری سے غافل ہو کر اس کے ایمان کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

انصاف کا نفاذ

عثم بن عفان کی شہادت کے اگلے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مخلص مسلمانوں نے مسجد نبوی میں علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کی۔ اس پر درود ہو۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو مخاطب کر کے بتایا کہ وہ آئندہ خلیفہ ہونے کو قبول کرنے سے گریزاں ہیں لیکن لوگوں نے اصرار کیا کہ وہ اسے قبول کر لیں۔ اس نے واضح کیا کہ ان کے تعاون کے بغیر اس کے پاس کوئی اختیار نہیں ہے اور ان کی دولت کی کنجیاں اب اس کے پاس ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ انہیں کوئی حق نہیں ہے کہ وہ چاندی کی ایک کنڈلی بھی اپنے پاس رکھ سکیں۔ یہاں تک کہ اس نے انہیں اپنا خیال بدلنے کا موقع بھی پیش کیا کہ وہ اسے اگلا خلیفہ منتخب کر لیں لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر سب نے اس سے بیعت کی۔ اس کے بعد اس نے انہیں یاد دلایا کہ ان کا فرض اس کی اطاعت کرنا ہے اور وہ سیدھے راستے پر چلنے اور سیدھے اور عادل ہونے کے پابند ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 328 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

”اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس]ذاتی [جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

باہمی محبت

اگرچہ بہت سے جاہل لوگوں نے ابوبکر، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان پچر پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ میل جول اور برتاؤ کہ ان کے درمیان محبت اور احترام کے سوا کچھ نہیں تھا۔ ان کے درمیان کسی قسم کی بدمزاجی صرف خود غرضی اور لالچ کی نشاندہی کرے گی – وہ منفی خصوصیات جن سے وہ سب آزاد تھے۔ مثال کے طور پر، ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بار اعلان کیا کہ انہوں نے اپنے رشتہ داروں کے ساتھ بھلائی کرنے کے مقابلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آل کے ساتھ بھلائی کو ترجیح دی۔ اس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 4036 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ان لوگوں کو ترجیح دیتے تھے جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیادہ قریب اور محبوب تھے اور جنہوں نے اسلام کی خاطر زیادہ قربانیاں دیں، ان امور میں جو انصاف سے متصادم نہیں مثال کے طور پر، انہوں نے ایک مرتبہ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو سرکاری خزانے سے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے زیادہ مال مختص کیا۔ جب ان کے بیٹے نے یہ سوال کیا تو اس نے جواب دیا کہ اسامہ کے والد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب تھے، پھر ان کے والد)یعنی عمر رضی اللہ عنہ (کو۔ ان کے ساتھ (اور اسامہ رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ محبوب تھے)یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما(۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر ابن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 248-249 میں بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے علی کے بیٹے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حسین بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ وقت گزارنے کی دعوت دی۔ .جب وہ اپنے گھر پہنچے تو دیکھا کہ کیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو عمر رضی اللہ عنہ سے ملنے کی اجازت نہیں دی گئی جو معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، چنانچہ وہ واپس پلٹ گئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس جانے کی اجازت لیے بغیر۔ آخر کار جب عمر رضی اللہ عنہ کو

معلوم ہوا کہ واقعہ کیا ہے تو انہوں نے حسین بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ان کے پاس جانے کا زیادہ حق ان کے اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہے۔ اس سے خوش .اس کے بعد انہوں نے تبصرہ کیا کہ لوگوں کو جو نعمتیں عطا کی گئی ہیں وہ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل کی وجہ سے عطا کی ہیں۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 256 میں بحث کی گئی ہے۔

یہاں تک کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ سرکاری خزانے سے عوام کو کتنا مال دیا جائے گا تو آپ نے لوگوں کو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق کے مطابق تقسیم کر دیا۔ حالانکہ اسے اپنے اور اپنے خاندان سے شروع کرنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 257 میں بحث کی گئی ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان، عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سمیت تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت اور احترام کرتا تھا۔ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے حتیٰ کہ اپنی بیٹی ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی تھیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دے دیں۔ اس سے خوش .علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بچوں کے نام بھی پہلے تین خلفاء کے نام پر رکھے :ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہ۔ کیا کوئی سمجھدار شخص کسی ایسے شخص کے ساتھ ایسا سلوک کرے گا جس کو وہ پسند نہیں کرتا تھا یا اس کے ساتھ ہوتا ہے؟ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور اوقات، جلد 1، صفحہ 258 میں بحث کی گئی ہے۔

عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سر کا بوسہ لیا اور دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس سرزمین میں نہ رکھے جہاں علی رضی اللہ عنہ غائب تھے۔

عثمان کی خلافت کے دوران، علی رضی اللہ عنہ ان کے ایک سینئر مشیر اور عزیز دوست سمجھے جاتے تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 216-217 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنی خلافت کے دوران اکثر ایک مخصوص چادر پہنتے تھے۔ جب اس کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ میرے بھائی اور عزیز دوست عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے دیا تھا۔ انہوں نے مزید کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص تھے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے، پھر علی رضی اللہ عنہ رو پڑے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 258 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

آخرکار علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ اگر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے خلیفہ اول بننے کا حکم دیتے تو وہ ابوبکر یا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس کی اجازت نہ دیتے۔ ان سے راضی ہونا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منبر پر کھڑا ہونا۔ وہ ان سے لڑتا، خواہ اس کے پاس اپنی چادر کے علاوہ ان سے لڑنے کے لیے کچھ نہ ہوتا، کیونکہ وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات پر عمل کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے اس بات کی تصدیق کی کہ ان سے پہلے تمام خلفاء کا انتخاب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مشورے سے ہوا تھا اور وہ سب خلیفہ کے طور پر ان کی نامزدگی پر خوش تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 215 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح

بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

ایک خوبصورت خطبہ - 1

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے، انہیں دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 334-335 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کتاب ہدایت نازل کی ہے جس میں نیکی اور بدی کی وضاحت کی ہے۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ نیکی کریں اور برائی سے دور رہیں۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط

تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’ اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے واجبات کو ادا کرنے کی تلقین کی۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔ عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے ، انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے واجبات کو ادا کرنے کی تلقین کی تاکہ وہ انہیں جنت کی طرف رہنمائی کرے۔

صحیح بخاری نمبر 6502 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک آسمانی حدیث میں، اللہ تعالیٰ نے اعلان فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص فرائض کی ادائیگی اور نفلی اعمال بجا لانے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کے پانچ حواس کو برکت دیتا ہے تاکہ وہ ان کو اس کی

اطاعت میں استعمال کریں۔ یہ نیک بندہ بہت کم گناہ کرے گا۔ ہدایت میں اس اضافے کی طرف باب 29 العنکبوت، آیت 69 میں اشارہ کیا گیا ہے:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

یہ مسلمان فضیلت کے اس درجے کو پہنچ جاتا ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں کیا گیا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ جو اس درجے تک پہنچ جائے گا وہ اپنے دماغ اور جسم کو گناہوں سے محفوظ رکھے گا۔ یہ وہ ہے جو جب بولتے ہیں تو اللہ کے لیے بولتے ہیں، جب خاموش ہوتے ہیں تو اللہ کے لیے خاموش رہتے ہیں۔ جب وہ کام کرتے ہیں تو اس کے لیے کام کرتے ہیں اور جب وہ خاموش ہوتے ہیں تو اس کی خاطر ہوتے ہیں۔ یہ توحید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک پہلو ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے مقدس حدود قائم کر دی ہیں جو نامعلوم نہیں ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام نے حلال و حرام کو واضح کر دیا ہے۔ ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن سے بچنا چاہیے تاکہ ایمان اور عزت کی حفاظت ہو۔

مسلمانوں کی اکثریت فرض فرائض اور شراب نوشی جیسی حرام چیزوں کی اکثریت سے واقف ہے۔ لہٰذا یہ مسلمانوں کے اندر کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کرتے اس لیے ان کو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق فرائض کو پورا کرو اور حرام سے

پرہیز کرو۔ باقی تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں اور معاشرے میں شکوک پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ کسی نے رضاکارانہ عمل کیوں نہیں کیا بلکہ وہ پوچھے گا کہ اس نے رضاکارانہ عمل کیوں کیا۔ اس لیے رضاکارانہ عمل کو چھوڑنے کا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جب کہ رضاکارانہ عمل کرنے سے سزا، جزا یا معافی ہوگی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس مختصر مگر انتہائی اہم حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ بہت سے مسائل اور بحثوں کو حل اور روک دے گی۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب کوئی مشتبہ یا حتیٰ کہ فضول چیزوں میں ملوث ہوتا ہے تو یہ اسے غیر قانونی کے قریب لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، گنہگار تقریر اکثر بیکار اور بیکار تقریر سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے ایمان اور عزت کے لیے یہ زیادہ محفوظ ہے کہ وہ مشکوک اور لغو باتوں سے بچ جائے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان کی حرمت کو تمام مقدسات سے زیادہ حرمت والا بنایا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 67 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ اسلام میں مسلمان کا خون، مال اور عزت حرمت ہے۔

یہ حدیث، بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح، مسلمانوں کو سکھاتی ہے کہ کامیابی صرف اسی وقت حاصل ہو سکتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے حقوق، جیسے فرض نماز، اور لوگوں کے حقوق کو ادا کرے۔ ایک کے بغیر دوسرا کافی اچھا نہیں ہے۔

سچا مومن اور مسلمان وہ ہے جو دوسروں کے نفس اور مال سے ان کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عمل یا الفاظ سے دوسروں کو نقصان نہ پہنچائیں۔

ایک مسلمان کو دوسروں کے مال کا احترام کرنا چاہیے اور انہیں غلط طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے، مثال کے طور پر، قانونی معاملے میں۔ صحیح مسلم نمبر 353 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جو شخص ایسا کرے گا وہ جہنم میں جائے گا اگرچہ اس نے حاصل کی ہوئی چیز درخت کی ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے مال کو صرف ان کی خواہش کے مطابق استعمال کریں اور انہیں اس طریقے سے واپس کریں کہ اس کے مالک کی خوشنودی ہو۔

غیبت یا غیبت جیسے فعل یا تقریر سے کسی مسلمان کی عزت کو پامال نہیں کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی عزت کا دفاع کرے خواہ ان کی موجودگی میں ہو یا غیر موجودگی میں کیونکہ یہ جہنم کی آگ سے ان کی حفاظت کا باعث بنے گا۔ جامع ترمذی نمبر 1931 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرتے ہوئے اپنے نفس، مال یا عزت پر ظلم کرنے سے گریز کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ جس طرح کوئی اسے اپنے لیے پسند کرتا ہے اسے دوسروں کے لیے بھی پسند کرنا چاہیے اور اسے اپنے عمل اور تقریر سے ثابت کرنا چاہیے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن کی نشانی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عقیدت اور توحید کی بنیاد پر اکٹھا کیا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو " کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند

کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں، سوائے اس کے کہ کوئی شرعی وجہ ہو۔ کسی مسلمان کو نقصان پہنچانا جائز نہیں ہے سوائے اس کے کہ کوئی شرعی وجہ ہو۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں

چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ عوام کے مفادات پر توجہ دیں۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص کسی مسلمان کی تکلیف کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ایک مصیبت کو دور کرے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مسلمان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہی سلوک ہوتا ہے جس طرح وہ عمل کرتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ مثال کے طور پر، باب 2 البقرہ، آیت 152:

"...پس مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد رکھوں گا

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 1924 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو دوسروں پر رحم کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر رحم کیا جائے گا۔

پریشانی وہ چیز ہے جو کسی کو پریشانی اور مشکل میں ڈال دیتی ہے۔ لہٰذا جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کسی دوسرے کے لیے ایسی تکلیف کو آسان کرے خواہ دنیوی ہو یا دینی، وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے سختیوں سے محفوظ رہے گا۔ متعدد احادیث میں مختلف طریقوں سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2449 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت فرمائی کہ جس نے کسی بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا اس کو قیامت کے دن جنت کے پھل کھلائے جائیں گے۔ اور جو شخص کسی پیاسے مسلمان کو پانی پلائے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کو جنت کا پانی پلائے گا۔

چونکہ آخرت کی مشکلات دنیا میں پائی جانے والی مشکلات سے کہیں زیادہ ہیں یہ ثواب ایک مسلمان کے لیے اس وقت تک روک دیا جاتا ہے جب تک کہ وہ آخرت تک نہ پہنچ جائے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس وقت تک مسلمان کی مدد کرتا رہے گا جب تک وہ دوسروں کی مدد کرتا رہے گا۔ ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ جب وہ کسی کام کے لیے کوشش کرتے ہیں یا کسی خاص کام کو مکمل کرنے کے لیے کسی دوسرے کی مدد کرتے ہیں تو اس کا نتیجہ کامیاب یا ناکامی پر ختم ہو سکتا ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کا کامیاب نتیجہ یقینی ہوتا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مفاد کے لیے تمام اچھے کاموں میں

دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کریں تاکہ انہیں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ قیامت ان کے پیچھے ہے اور جلد ہی ان کو پکڑ لے گی۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکٹھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ ملے اور اس لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی چھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک

شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11:

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کردے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں وہ بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ وہ اس مادی دنیا میں کم دلچسپی ظاہر کریں تاکہ وہ نیک لوگوں میں شامل ہو جائیں۔

یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب کوئی شخص اس مادی دنیا اور آخرت کے حوالے سے صحیح فہم اور ادراک اختیار کرتا ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4108 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں سمندر کے مقابلے میں پانی کے قطرے کی طرح ہے۔

درحقیقت یہ تمثیل اس لیے دی گئی تاکہ لوگ سمجھ سکیں کہ مادی دنیا آخرت کے مقابلے میں کتنی چھوٹی ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کا موازنہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ مادی دنیا عارضی ہے جبکہ آخرت ابدی ہے۔ یعنی محدود کا لامحدود سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ مادی دنیا کو چار قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے :شہرت، قسمت، اختیار اور کسی کی سماجی زندگی، جیسے ان کا خاندان اور دوست۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کسی کو کوئی بھی دنیاوی نعمت حاصل ہو جو ان گروہوں میں آتی ہے وہ ہمیشہ نامکمل، عارضی ہوگی اور موت انسان کو نعمتوں سے کاٹ دے گی۔ دوسری طرف

آخرت کی نعمتیں پائیدار اور کامل ہیں۔ تو اس لحاظ سے مادی دنیا ایک نہ ختم ہونے والے سمندر کے مقابلے میں ایک قطرے سے زیادہ نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، ایک شخص کو اس دنیا میں طویل زندگی کا تجربہ کرنے کی ضمانت نہیں ہے کیونکہ موت کا وقت نامعلوم ہے .جبکہ ہر ایک کو موت کا تجربہ کرنے اور آخرت تک پہنچنے کی ضمانت ہے۔ لہٰذا کسی کی ریٹائرمنٹ جیسے دن کے لیے کوشش کرنا بے وقوفی ہے، جس تک وہ آخرت کے لیے کوشش کرتے ہوئے کبھی نہ پہنچ سکے جس تک پہنچنے کی ان کی ضمانت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی دنیا کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ایک پل ہے جسے آخرت تک پہنچنے کے لیے عبور کرنا ضروری ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اس مادی دنیا سے اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق بغیر فضول خرچی اور اسراف کے پورا کرنا چاہیے۔ اور پھر اپنی بقیہ کوششیں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ابدی آخرت کی تیاری میں وقف کریں۔

ایک ذہین انسان نہ ختم ہونے والے سمندر پر پانی کے قطرے کو ترجیح نہیں دے گا اور ایک ذہین مسلمان دنیاوی مادی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر لوگوں کو نصیحت کی کہ اگر کوئی اچھی چیز دیکھیں تو اس پر عمل کریں اور اگر کوئی برائی دیکھیں تو اسے چھوڑ دیں۔

جامع ترمذی نمبر 2012 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ غور و فکر کرنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے جب کہ جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے۔

یہ ایک انتہائی اہم تعلیم ہے جس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے مسلمان جو بہت زیادہ نیک اعمال انجام دیتے ہیں اکثر انہیں جلد بازی سے تباہ کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ غصے میں کچھ برے الفاظ کہہ سکتے ہیں جس کی وجہ سے وہ قیامت کے دن جہنم میں جا سکتے ہیں۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2314 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

زیادہ تر گناہ اور مشکلات، جیسے دلائل، اس لیے پیش آتے ہیں کیونکہ لوگ چیزوں کو سوچنے میں ناکام رہتے ہیں اور اس کے بجائے جلد بازی میں کام کرتے ہیں۔ ذہانت کی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی بولنے یا عمل کرنے سے پہلے سوچتا ہے اور صرف اس وقت آگے آتا ہے جب وہ جانتا ہو کہ اس کی بات یا عمل دنیاوی یا دینی معاملات میں اچھا اور فائدہ مند ہے۔

اگر چہ ایک مسلمان کو اعمال صالحہ میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے، پھر بھی ان کو انجام دینے سے پہلے غوروفکر کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کسی نیک عمل کا بدلہ محض اس لیے نہیں ملتا کہ اس کی شرائط اور آداب جلد بازی کی وجہ سے پورے نہ ہوئے ہوں۔ اس سلسلے میں، کسی بھی معاملے میں سوچنے کے بعد ہی آگے بڑھنا چاہیے۔

جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ نہ صرف اپنے گناہوں کو کم کرے گا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کرے گا بلکہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں پیش آنے والی مشکلات مثلاً جھگڑے اور اختلاف کو کم کر دے گا۔

ایمانداری اور عاجزی

محمد بن الحنفیہ رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ اپنے والد علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل لوگ کون تھے؟ علی نے ابوبکر صدیق اور پھر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا نام رکھا۔ جب ان کے بیٹے نے مداخلت کی اور پوچھا کہ کیا آپ)یعنی علی رضی اللہ عنہ (عمر کے بعد سب سے افضل ہیں، تو علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ مسلمانوں میں سے صرف ایک آدمی ہیں۔ سنن ابوداؤد نمبر 4629 میں موجود حدیث میں اس پر بحث ہوئی ہے۔

ایک اور موقع پر علی رضی اللہ عنہ نے یہ تبصرہ کیا کہ اگر کوئی یہ دعویٰ کرے کہ وہ ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے بہتر ہے تو وہ ان کو بہتان کی قانونی سزا دے گا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 219 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ غرور سے پاک تھے اس لیے اس معاملے میں سچ بولنے میں کوئی حرج نہیں تھا۔
باب 25 الفرقان، آیت 63:

اور رحمٰن کے بندے وہ ہیں جو زمین پر آسانی سے چلتے ہیں‘‘۔’’

نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے پاس جو بھی خوبی ہے وہ صرف اور صرف اس اللہ تعالیٰ کے بندوں لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے۔ اور جس برائی سے وہ بچ گئے وہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ جو چیز کسی کی نہیں اس پر فخر کرنا کیا حماقت نہیں؟ بالکل اسی طرح

ان سے تعلق نہیں رکھتا مسلمانوں کو یہ جیسے کوئی شخص کسی اسپورٹس کار پر فخر نہیں کرتا جو نہیں سمجھنا چاہیے کہ حقیقت میں کچھ بھی ان کا نہیں ہے۔ یہ رویہ یقینی بناتا ہے کہ انسان ہر وقت عاجز رہے۔ اللہ تعالیٰ کے عاجز بندے صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث پر مکمل یقین رکھتے ہیں جس میں بتایا گیا ہے کہ کسی شخص کے اعمال صالحہ انہیں جنت میں نہیں لے جائیں گے۔ .صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی اس کا سبب بن سکتی ہے۔ اس لیے کہ ہر عمل صالح اسی وقت ممکن ہے جب اللہ تعالیٰ اس کو انجام دینے کے لیے کی رحمت اللہ علم، طاقت، موقع اور الہام عطا فرمائے۔ یہاں تک کہ عمل کی قبولیت بھی منحصر ہے۔ پر .جب کوئی اس کو ذہن میں رکھتا ہے تو یہ انہیں غرور سے بچاتا ہے اور انہیں عاجزی اختیار کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ عاجز ہونا کمزوری کی علامت نہیں ہے کیونکہ اسلام نے ضرورت پڑنے پر اپنے دفاع کی ترغیب دی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلام مسلمانوں کو کمزوری کے بغیر عاجزی کا درس دیتا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2029 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تصدیق کی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے اٹھائے گا۔ پس حقیقت میں عاجزی دونوں جہانوں میں عزت کا باعث بنتی ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے مخلوق میں سے سب سے زیادہ حلیم پر غور کرنے کی ضرورت ہے، یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح طور پر لوگوں کو اس اہم صفت کو اپنانے کا حکم دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے۔ باب 26 اشعرا، آیت 215:

"اور اپنے بازو کو نیچے رکھو]یعنی مہربانی کرو [مومنوں میں سے جو تمہاری پیروی کرتے ہیں۔"

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عاجزانہ زندگی گزاری۔ مثال کے طور پر، اس نے خوشی سے گھر میں گھریلو فرائض انجام دیے اور یہ ثابت کیا کہ یہ کام صنفی غیر جانبدار ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 538 میں ہوتی ہے۔

عاجزی ایک اندرونی خصوصیت ہے جو باہر کی طرف ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ چلنے کا طریقہ۔ اس پر ایک اور آیت باب 31 لقمان، آیت 18 میں بحث کی گئی ہے۔

"اور اپنا رخسار لوگوں کی طرف مت پھیرو اور زمین پر اکڑ کر نہ چلو۔"

اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے کہ جنت ان عاجز بندوں کے لیے ہے جن میں غرور کا کوئی نشان نہیں ہے۔ باب 28 القصص، آیت 83:

آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے مقرر کیا ہے جو زمین میں بلندی اور فساد نہیں چاہتے۔ اور ’’]بہترین [انجام نیک لوگوں کے لیے ہے۔‘‘

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 1998 میں موجود ایک حدیث کی تصدیق فرمائی ہے کہ جس کے پاس ذرہ برابر بھی تکبر ہو گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔ فخر کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کو ہے کیونکہ وہ پوری کائنات کا خالق، پالنے والا اور مالک ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، فخر اس وقت ہوتا ہے جب کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں اور جب سچائی ان کے سامنے پیش کی جاتی ہے تو اسے مسترد کر دیتا ہے کیونکہ وہ سچائی کو اس کی تصدیق طرف سے آتا ہے ۔ ان کے علاوہ کسی اور کی قبول کرنا ناپسند کرتے ہیں جب وہ سنن ابوداؤد نمبر 4092 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

سچی رہنمائی پر عمل کریں۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ لوگوں کو ہدایت کے دو منابع یعنی قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے کی تاکید کریں گے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ایک بار یہ تبصرہ کیا کہ لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کی پیروی کرنی چاہیے)جس میں قرآن پاک کی پیروی بھی شامل ہے(، کیونکہ یہ بہترین ہدایت ہے اور اس کے لیے ان کی روایات پر عمل کرنا چاہیے۔ بہترین طریقے.

انہوں نے ایک بار تبصرہ کیا کہ وہ کسی کی رائے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کو نہیں چھوڑیں گے۔

ایک اور موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل نہیں ہوئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن کریم اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق عمل کیا۔ اسے، جتنا وہ کر سکتا تھا۔

ایک خطبہ کے دوران آپ نے ایک بار لوگوں کو دین پر چلنے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور روایات پر عمل کرنے کی تلقین کی۔ انہوں نے مزید کہا کہ وہ قرآن پاک میں جو کچھ نہ سمجھے اس کا جواب تلاش کرنے کی کوشش کریں اور جو کچھ اس نے منظور کیا، اسے قبول کرنا چاہیے اور جو ناپسندیدہ ہے، اسے رد کرنا چاہیے۔

ایک اور خطبہ میں انہوں نے لوگوں کو بتایا کہ نئے ایجاد کردہ معاملات معاملات سے بدتر ہیں۔ اور بدعت کرنے والے کو گمراہ کیا جاتا ہے اور کوئی بدعت کرنے والا بدعت نہیں لاتا لیکن انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو چھوڑ دیا ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 115-117 اور 119-120 میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

سنن ابو داؤد نمبر 4606 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ ہر وہ معاملہ جس کی بنیاد اسلام پر نہ ہو اسے رد کر دیا جائے گا۔

اگر مسلمان دنیوی اور دینی دونوں معاملات میں دائمی کامیابی چاہتے ہیں تو انہیں قرآن پاک کی تعلیمات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنا چاہیے۔ اگرچہ بعض اعمال جو براہ راست ہدایت کے ان دو ذرائع سے نہیں کیے گئے ہیں ان کو پھر بھی ایک صالح عمل قرار دیا جا سکتا ہے، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو باقی تمام چیزوں پر ترجیح دی جائے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں ذرائع سے نہ لینے والی چیزوں پر جتنا زیادہ عمل کرے گا خواہ وہ عمل صالح ہی کیوں نہ ہو ہدایت کے ان دونوں ذرائع پر اتنا ہی کم عمل کرے گا۔ اس کی ایک واضح مثال یہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اپنی زندگیوں میں ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جن کی رہنمائی کے ان دو ذرائع میں کوئی بنیاد نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اگر یہ ثقافتی عادات گناہ نہیں ہیں تو انہوں نے مسلمانوں کو ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے سے روک دیا ہے کیونکہ وہ اپنے طرز عمل سے مطمئن ہیں۔ یہ ہدایت کے دو ذرائع سے ناواقفیت کا باعث بنتا ہے جس کے نتیجے میں صرف گمراہی ہی ہوتی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھے اور ان پر عمل کرے جو راہنماؤں کے ذریعہ قائم کیے گئے ہیں اور اس کے بعد ہی دوسرے رضاکارانہ اعمال صالحہ پر عمل کرنا چاہیے اگر اس کے پاس ایسا کرنے کے لیے وقت اور توانائی ہو۔ لیکن اگر وہ جاہلیت کا انتخاب کریں اور عمل کو اختیار کریں اگرچہ وہ ہدایت کے ان دو ذرائع کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کے گناہ ہی کیوں نہ ہوں۔

معلومات کی تصدیق کرنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو یقینی بنانے کے لیے بہت بڑا قدم اٹھایا۔ اس کی ایک شاخ اس بات کو یقینی بنانا تھا کہ حاصل کردہ علم درست اور درست ہو۔ لوگوں کو اس اہم اصول کی تعلیم دینے کے لیے وہ جو یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ سنا یا دیکھا ہے، اس سے قسم کھائیں کہ وہ سچ کہہ رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کا برتاؤ نہیں کیا جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دیانت پر شک کیا جاتا تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا اس لیے کیا تھا تاکہ دوسروں اور آنے والی نسلوں کے لیے اس علم کی اہمیت کو اجاگر کیا جائے جو انہوں نے سیکھا اور اس پر عمل کیا۔ درست اور درست .امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 117 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس سے کسی کو معلومات پر عمل کرنے یا دوسروں کے ساتھ شیئر کرنے سے پہلے اس کی تصدیق کرنے کا اہم اصول سیکھنا چاہیے۔

کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سوشل میڈیا کے اس دور میں غیر مستند خبروں کے پھیلاؤ پر قابو پانا کتنا مشکل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

’’ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔‘‘

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا اور بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

دنیا سے لاتعلقی کی تعریف

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار درج ذیل آیت کی تلاوت کی اور اس پر تبصرہ کیا کہ جو شخص ماضی پر غمگین نہیں ہوتا اور جو کچھ ان کو دیا گیا ہے اس پر)زیادہ سے زیادہ (خوش نہیں ہوتا ہے وہ پورے معنی میں زہد بن گیا ہے۔ لفظ باب 57 الحدید، آیت 23:

"تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہیں کریں گے۔"

امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 111-112 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جو اس طرح کے برتاؤ سے گریز کرتا ہے وہ ایسا کرتا ہے کیونکہ اس کا روحانی دل مادی دنیا سے وابستہ نہیں ہے اور یہ سنت ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ مادی دنیا جس سے کسی کو لاتعلقی اختیار کرنی چاہیے دراصل اس کی خواہشات سے مراد ہے۔ یہ مادی دنیا کا حوالہ نہیں دیتا، جیسے پہاڑ۔ اس کی نشاندہی باب 3 علی عمران، آیت 14 سے ہوتی ہے:

لوگوں کے لیے مزین ہے اس چیز کی محبت جس کی وہ خواہش کرتے ہیں - عورتوں اور بیٹوں کی، " سونے اور چاندی کے ڈھیروں سے، عمدہ نشان والے گھوڑے، اور مویشی اور کھیتی والی زمین۔ یہ دنیوی زندگی کا مزہ ہے، لیکن اللہ کے پاس بہترین واپسی]یعنی جنت [ہے۔

یہ چیزیں لوگوں کی خواہشات سے جڑی ہوتی ہیں اور ان سے انسان آخرت کی تیاری سے غافل ہو جاتا ہے۔ جب کوئی اپنی خواہشات سے پرہیز کرتا ہے تو وہ درحقیقت مادی دنیا سے الگ ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں نہیں ہیں وہ اس کی باطنی خواہش اور اس سے محبت کی وجہ سے پھر بھی دنیا دار سمجھا جا سکتا ہے۔ جبکہ ایک مسلمان جس کے پاس دنیاوی چیزیں ہیں، جیسا کہ بعض صالح پیشروؤں کی طرح، وہ مادی دنیا سے لاتعلق سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ وہ اپنے دماغ، دل اور اعمال کی خواہش نہیں رکھتے اور ان پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ ابدی آخرت میں جھوٹ کی خواہش رکھتے ہیں۔

پرہیزگاری کا پہلا درجہ ناجائز اور فضول خواہشات سے منہ موڑنا ہے جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کی رضا سے نہیں ہے۔ یہ شخص آخرت پر توجہ مرکوز کرتے ہوئے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو نبھانے میں مصروف رہتا ہے۔ وہ ان چیزوں اور لوگوں سے منہ موڑ لیتے ہیں جو انہیں اس اہم کام کو پورا کرنے سے روکتے ہیں۔

پرہیز کا اگلا مرحلہ وہ ہے جب انسان اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی چیزیں لیتا ہے جس کی اسے ضرورت ہوتی ہے۔ وہ اپنا وقت ان چیزوں میں نہیں لگاتے جن سے انہیں اگلے جہان میں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ صحیح بخاری نمبر 6416 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ نصیحت ہے، آپ نے ایک مسلمان کو اس مادی دنیا میں اجنبی یا مسافر کی طرح رہنے کی نصیحت کی۔ دونوں قسم کے لوگ مادی دنیا سے صرف وہی لیں گے جس کی انہیں ضرورت ہے تاکہ وہ اپنی منزل یعنی آخرت تک بحفاظت پہنچ سکیں۔ ایک مسلمان یہ سمجھ کر حاصل کر سکتا ہے کہ ان کی موت اور آخرت کی روانگی کتنی قریب ہے۔ موت نہ صرف انسان پر کسی بھی وقت آ سکتی ہے بلکہ اگر کوئی لمبی عمر بھی گزارے تو ایسا لگتا ہے جیسے ایک لمحے میں گزر گیا۔ اس حقیقت کا ادراک کر کے انسان ابدی آخرت کی خاطر لمحہ بہ لمحہ قربان کر دیتا ہے۔ اس مادی دنیا میں لمبی عمر کی امید کو مختصر کرنا انہیں

اعمال صالحہ کرنے، اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے اور آخرت کی تیاری کو ہر چیز پر ترجیح دینے کی ترغیب دے گا۔ جو شخص لمبی عمر کی امید رکھتا ہے وہ اس کے برعکس رویہ اختیار کرنے کی ترغیب دے گا۔

جو واقعی مادی دنیا میں پرہیزگار ہے وہ نہ اس پر الزام لگاتا ہے اور نہ اس کی تعریف کرتا ہے۔ جب وہ اسے حاصل کرتے ہیں تو وہ خوش نہیں ہوتے اور نہ ہی وہ غمگین ہوتے ہیں جب وہ ان کے پاس سے گزر جاتا ہے۔ اس متقی مسلمان کا ذہن ابدی آخرت پر اتنا مرکوز ہے کہ چھوٹی مادی دنیا کو لالچ سے دیکھ سکے۔

پرہیز کئی مختلف سطحوں پر مشتمل ہے۔ بعض مسلمان اپنے دلوں کو ہر فضول اور فضول مشغلہ سے آزاد کرنے کے لیے پرہیز کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر پوری توجہ مرکوز کر سکیں اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کر سکیں۔ سنن ابن ماجہ نمبر 257 میں موجود حدیث کے مطابق ایسا سلوک کرنے والا یہ پائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کے دنیوی امور کی دیکھ بھال کے لیے کافی ہو گا۔ لیکن جس کو صرف دنیاوی چیزوں کی فکر ہے وہ ان کے وسیلے پر رہ جائے گا اور اسے تباہی کے سوا کچھ نہیں ملے گا۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ جو شخص اس مادی دنیا کی زیادتی جیسے مال کی زیادتی کے پیچھے پڑے گا وہ یہ پائے گا کہ اس کا کم سے کم اثر ان پر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی اطاعت سے غافل ہو جاتا ہے۔ یہ اب بھی سچ ہے یہاں تک کہ اگر کوئی شخص مادی دنیا کے اضافی پہلوؤں کے حصول میں کوئی گناہ نہ کرے۔

کچھ لوگ قیامت کے دن اپنے احتساب کو ہلکا کرنے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ جس کے پاس جتنی زیادہ چیزیں ہوں گی ان کا احتساب کیا جائے گا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ جس کے اعمال کی جانچ پڑتال کرے گا اسے قیامت کے دن سزا دی جائے گی۔ صحیح بخاری نمبر 6536 میں موجود ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ جس کا احتساب جتنا ہلکا ہو گا اتنا ہی کم ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 6444 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ دنیا میں جس کے پاس بہت کچھ ہے وہ قیامت کے دن بہت کم نیکی کے مالک ہوں گے سوائے وقف کرنے والوں کے۔ ان کا مال و دولت ان طریقوں سے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں، لیکن یہ تعداد میں تھوڑے ہیں۔ یہ لمبا احتساب یہی وجہ ہے کہ ہر شخص خواہ امیر

ہو یا غریب، قیامت کے دن یہ تمنا کرے گا کہ انہیں زمین پر ان کی زندگی کے دوران صرف ان کا روزانہ کا رزق دیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4140 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

کچھ مسلمان اس مادی دنیا کی زیادتی سے جنت کی خواہش سے پرہیز کرتے ہیں جو اس مادی دنیا کی لذتوں سے محروم ہونے کا باعث بنتی ہے۔

کچھ لوگ جہنم کے خوف سے مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرتے ہیں۔ وہ بجا طور پر اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جتنا زیادہ اس مادی دنیا کی زیادتی میں مبتلا ہوتا ہے وہ اتنا ہی ناجائز کے قریب ہوتا ہے جو جہنم کی طرف لے جاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ درحقیقت یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 4215 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ مسلمان۔ اس وقت تک پرہیزگار نہیں بنیں گے جب تک کہ کسی ایسی چیز سے پرہیز نہ کریں جو گناہ نہیں ہے اس خوف سے کہ وہ گناہ کا باعث بن جائے۔

پرہیزگاری کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے جو کچھ چاہتا ہے اسے سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ہے جس کا تذکرہ پورے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بندگی میں مادی دنیا کی زیادتی سے پرہیز کرنا، یہ جانتے ہوئے کہ ان کا رب مادی دنیا کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مادی دنیا کی زیادتی کی مذمت کی ہے اور اس کی قدر کو حقیر قرار دیا ہے۔ یہ نیک بندے شرمندہ تھے کہ ان کا رب انہیں کسی ایسی چیز کی طرف مائل دیکھے جو اسے ناپسند ہے۔ یہ سب سے بڑے بندے ہیں کیونکہ یہ صرف اپنے رب کی مرضی کے مطابق عمل کرتے ہیں یہاں تک کہ انہیں دنیا کی حلال آسائشوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کے خزانوں کی پیشکش کے باوجود غربت کا انتخاب کیا۔ صحیح بخاری نمبر 6590 میں موجود ایک حدیث میں اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ انتخاب اس لیے کیا کیونکہ آپ جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے یہی چاہتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مادی دنیا کو ناپسند فرمایا، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کی محبت میں اسے رد فرمایا۔ ایک سچا بندہ کس طرح اس سے محبت کر سکتا ہے جو ان کے رب کو ناپسند ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غربت کا انتخاب کرکے غریبوں کے لیے مثال قائم کی اور امیروں کو اپنے قول و فعل سے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا۔ وہ آسانی سے متبادل کا انتخاب کر سکتا تھا اور عملی طور پر امیروں کو دکھا سکتا تھا کہ دنیا کے خزانوں کو لے کر زندگی کیسے گزاری جائے اور وہ اپنے قول و فعل سے غریبوں کو صحیح زندگی گزارنے کا طریقہ سکھا سکتا تھا۔ لیکن اس نے غربت کا انتخاب ایک خاص وجہ سے کیا جو اس کے رب العالمین کی بندگی سے باہر تھی۔ اس پرہیز کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے اپنایا۔ مثال کے طور پر، اسلام کے پہلے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، ایک بار جب انہیں شہد کے ساتھ میٹھا پانی پلایا گیا تو رو پڑے۔ انہوں نے وضاحت کی کہ میں نے ایک بار حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ وہ ایک غیر مرئی چیز کو دھکیل رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بتایا کہ اس کے پاس مادی دنیا آگئی ہے اور آپ نے اسے حکم دیا کہ اسے تنہا چھوڑ دو۔ مادی دنیا نے جواب دیا کہ وہ مادی دنیا سے بھاگ گیا ہے لیکن اس کے بعد والے ایسا نہیں کریں گے۔ اس کی وجہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پانی کو شہد سے میٹھا دیکھ کر رو پڑے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ مادی دنیا انہیں گمراہ کرنے کے لیے آئی ہے۔ یہ واقعہ امام اشفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 47 میں درج ہے۔

درحقیقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے لذت حاصل کرنے کے لیے نہ کبھی کھایا اور نہ لباس پہنا بلکہ مادی دنیا سے صرف وہی لیا جو ان کی ضرورت تھی اور آخرت کی تیاری پر توجہ دی۔ جب مادی دنیا ان کے قدموں پر رکھ دی گئی تو وہ اس خوف میں مبتلا تھے کہ شاید ان کا اجر انہیں آخرت کے بجائے اس دنیا میں مل گیا ہے۔

جو بھی واقعی پرہیزگار ہے وہ ان کے نقش قدم پر چلے گا۔ مسلمانوں کو اس مادی دنیا کی غیر ضروری آسائشوں میں مبتلا ہو کر اپنے آپ کو بیوقوف نہیں بنانا چاہیے جب کہ یہ دعویٰ کریں کہ ان کا دل اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے۔ اگر کسی کا دل پاک ہوتا ہے تو یہ اس کے اعضاء اور اس کے اعمال میں ظاہر ہوتا ہے جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4094 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جس کا دل اللہ تعالیٰ سے لگا ہوا ہے وہ اس سے پہلے صالحین کے نقش قدم پر چلتا ہے۔ انہیں مادی دنیا کی

ضرورت ہے، صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرنا، اور آخرت کی تیاری کے لیے کوشش کرتے ہوئے مادی دنیا کی زیادتی سے منہ موڑنا۔ یہ حقیقی پرہیزگاری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا اظہار یہ کہہ کر کیا کہ وہ ان کے لیے ان سے زیادہ محبوب ہیں۔ مال، اولاد، باپ، ماں اور ٹھنڈا پانی جب پیاس لگے۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 123 میں بحث ہوئی ہے۔

قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ایک اہم جز ہے۔ ایمان کی .درحقیقت صحیح مسلم نمبر 165 میں موجود ایک حدیث یہ بتاتی ہے کہ انسان ایمان کی مٹھاس تبھی چکھ سکے گا جب وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ساری مخلوق سے زیادہ محبت کرے گا۔ .صحیح مسلم کی ایک اور حدیث نمبر 168 میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ تمام مخلوقات سے بڑھ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ اس حقیقت کی وجہ سے تمام مسلمان دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کی تائید ثبوتوں سے ہونی چاہیے۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں ہوگی۔

قرآن پاک میں محبت کی نشانی بتائی گئی ہے۔ یہ واضح طور پر نصیحت کرتا ہے کہ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے اور اس کی محبت اور بخشش چاہتا ہے تو اسے عملی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا چاہیے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا، اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔‘‘

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرنے کی کوشش کرے، ان کی روایات کو ان کے قول و فعل پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگیوں میں لاگو کرے۔ انہیں اس کے احکام کی تعمیل کرنی چاہیے اور اس کی ممانعتوں سے بچنا چاہیے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

اور جو کچھ رسول نے تمہیں دیا ہے وہ لے لو۔ اور جس چیز سے اس نے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔''

کسی کو اپنی روایات میں سے انتخاب اور انتخاب نہیں کرنا چاہئے اور انہیں اپنے طرز عمل میں صرف اس وقت لاگو کرنا چاہئے جب یہ ان کے مطابق ہو۔ جو ایسا کرتا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے جبکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کی پیروی کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس غلط رویہ کی ایک واضح نشانی یہ ہے کہ کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اعمال کی ترجیح کو بدل دیتا ہے۔ مثلاً وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعمال کو ترجیح دیں گے جو آپ کے دوسرے اعمال سے کم اہمیت کے حامل ہیں۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 5363 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں ہوتے تو گھر کے کاموں میں گھر والوں کی مدد کرتے لیکن جب نماز کا وقت آتا تو آپ امامت کے لیے نکل جاتے۔ مسجد میں باجماعت نماز .اگر کوئی گھر کے کاموں میں اپنے گھر والوں کی مدد کرتا ہے لیکن بغیر کسی عذر کے جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کے لیے مسجد نہیں آتا تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہیں کر رہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اعمال کی ترجیح کو دوبارہ ترتیب دیا ہے۔ مسجد میں نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کے مطابق گھر کے کاموں میں مدد کرنے پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اور اگر کوئی شخص اس ترجیح کو دوبارہ ترتیب دیتا ہے تو وہ اس کی روایت پر عمل نہیں کرتا۔ گھر کے کاموں میں گھر والوں کی مدد کرنا بلاشبہ ایک نیک عمل ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل نہیں کر رہے ہیں، خواہ ایسا ہی کیوں نہ ہو۔ درحقیقت وہ صرف اپنی خواہشات کے پیچھے چل رہے ہیں۔ یہ ایک اہم نکتہ ہے جسے مسلمانوں کو سمجھنا چاہیے۔ لیکن یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسلمان

نیک اعمال کرنا چھوڑ دیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر صحیح طریقے سے عمل کرنے کی پوری کوشش کریں۔

جنت کا راستہ

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہمیشہ لوگوں کو اسلامی علم حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا تھا کہ کسی کو بھی سیکھنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہئے اگر وہ کچھ نہیں جانتے ہیں۔

ایک اور موقع پر آپ نے لوگوں کو علم حاصل کرنے کی نصیحت کی جس کے نتیجے میں وہ اس کے لیے مشہور ہوں گے اور اس پر عمل کریں تاکہ وہ اہل علم بن جائیں۔

انہوں نے ایک بار خبردار کیا کہ علم کا حقیقی علمبردار وہ ہے جو سیکھے ہوئے اعمال پر عمل کرے اور جس کا عمل اس کے علم کے مطابق ہو۔

ایک اور موقع پر انہوں نے خبردار کیا کہ علم اس میں شامل ہونے کے لیے عمل کو پکارتا ہے۔ اگر عمل جواب دیتا ہے)تو اچھا (ورنہ علم چلا جاتا ہے۔

انہوں نے لوگوں کو ترغیب دی کہ جب وہ دوسروں سے ملاقات کریں تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر گفتگو کریں۔

اس نے لوگوں کو علم سیکھنے کی ترغیب دی جو مفید تھا۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا تھا کہ علم اس سے زیادہ ہے جو سیکھا جا سکتا ہے، اس لیے علم کی ہر شاخ سے جو سب سے بہتر ہے اسے لینا چاہیے۔

جب علی رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کی موت سے اسلامی فقہ اور علم ختم ہو گیا ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 344-347 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے

دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

گورنر کو مشورہ

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ مصر کے اپنے گورنروں میں سے ایک کو حسب ذیل نصیحت کی، جس کا ذکر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 564-565 میں کیا گیا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت کی کہ اگر اس کے پاس دو معاملات ہیں جن میں سے ایک کا تعلق آخرت سے ہے اور دوسرا جس کا تعلق اس مادی دنیا سے ہے تو وہ اس چیز سے شروع کرے جس کا تعلق ہے۔ آخرت کے ساتھ کرنا۔

جامع ترمذی نمبر 2465 کی حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص آخرت کو مادی دنیا پر ترجیح دے گا اسے قناعت ملے گی، اس کے معاملات درست کر دیے جائیں گے اور ان کو اس کی نعمتیں حاصل ہوں گی۔ آسان طریقے سے ان کا مقدر رزق۔

اس نصف حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے بارے میں اپنے فرائض کو صحیح طریقے سے ادا کرے گا، جیسے کہ اس مادی دنیا کی زیادتی سے بچتے ہوئے اپنے اہل و عیال کو حلال طریقے سے مہیا کرنا، اسے قناعت ملے گی۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی لالچی ہوئے بغیر اور زیادہ دنیوی چیزیں حاصل کرنے کے لیے سرگرم کوشش کے بغیر اپنے پاس موجود چیزوں سے خوش ہوتا ہے۔ درحقیقت، جو شخص اپنے پاس موجود چیزوں پر راضی ہے وہ واقعی ایک امیر شخص ہے، خواہ اس کے پاس دولت کم ہی کیوں نہ ہو کیونکہ وہ چیزوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ کسی بھی چیز کی آزادی انسان کو اس کے حوالے سے امیر بناتی ہے۔

اس کے علاوہ، یہ رویہ کسی بھی دنیاوی مسائل سے آرام سے نمٹنے کی اجازت دے گا جو اس کی زندگی کے دوران پیدا ہوسکتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مادی دنیا کے ساتھ جتنا کم میل جول رکھتا ہے اور آخرت پر توجہ مرکوز کرتا ہے وہ کم دنیاوی مسائل کا سامنا کرے گا۔ انسان کو جتنے کم دنیوی مسائل کا سامنا ہوگا اس کی زندگی اتنی ہی آرام دہ ہوگی۔ مثال کے طور پر، جس کے پاس ایک گھر ہے اس کے پاس اس کے حوالے سے کم مسائل ہوں گے، جیسے ٹوٹا ہوا ککر، دس مکان رکھنے والے کے مقابلے میں۔ آخر کار، یہ شخص آسانی سے اور خوشگوار طریقے سے اپنا حلال رزق حاصل کر لے گا۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے رزق میں ایسا فضل ڈال دے گا کہ اس سے ان کی تمام ذمہ داریاں اور ضروریات پوری ہوں گی، ان کو اور ان کے زیر کفالت افراد کو تسکین ملے گی۔

لیکن جیسا کہ اس حدیث کے دوسرے نصف میں ذکر کیا گیا ہے کہ جو شخص مادی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتا ہے، اپنے فرائض سے غفلت برتتا ہے یا اس مادی دنیا کی غیرضروری اور ضرورت سے زیادہ کوشش کرتا ہے تو اسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ضرورت یعنی حرص دنیاوی چیزوں کے لیے ہے۔ کبھی مطمئن نہیں ہوتے جو تعریف کے مطابق انہیں غریب بنا دیتا ہے چاہے ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ انہوں نے بہت سے دنیاوی دروازے کھول رکھے ہیں۔ اور انہیں ان کا مقدر دیا ہوا رزق مشکل سے ملے گا اور یہ انہیں اطمینان نہیں دے گا اور نہ ہی ان کے لالچ کو بھرنے کے لیے کافی ہوگا۔ یہاں تک کہ یہ انہیں حرام کی طرف دھکیل سکتا ہے جس سے دونوں جہانوں میں نقصان ہی ہوتا ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ نصیحت بھی کی کہ نیکی کی شدید خواہش رکھنی چاہیے اور ہمیشہ صحیح نیت کو اپنانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی نیت کے مطابق عطا کرتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے بجائے دکھاوے جیسے کام لوگوں کی خاطر کرتے ہیں۔

عالی مقام کو کہا جائے گا کہ قیامت کے دن ان لوگوں سے ان کا اجر حاصل کریں جن کے لئے ، انہوں نے عمل کیا جو حقیقت میں ممکن نہیں ہے۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد حتیٰ کہ اسلام خود انسان کی نیت ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس پر اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ صحیح بخاری نمبر 1 کی حدیث کے مطابق کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام دینی اور مفید دنیوی اعمال اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے انجام دے، تاکہ وہ اس سے دونوں جہانوں میں اجر حاصل کرو۔ اس صحیح ذہنیت کی علامت یہ ہے کہ یہ شخص نہ تو یہ توقع رکھتا ہے اور نہ ہی چاہتا ہے کہ لوگ ان کے اعمال کی تعریف کریں یا ان کا شکریہ ادا کریں۔ اگر کوئی یہ چاہتا ہے تو یہ اس کی غلط نیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

اس کے علاوہ، صحیح نیت کے ساتھ عمل کرنا اداسی اور تلخی کو روکتا ہے کیونکہ جو شخص لوگوں کی خاطر کام کرتا ہے وہ آخرکار ناشکرے لوگوں کا سامنا کرے گا جو انہیں ناراض اور تلخ کر دیں گے کیونکہ انہیں لگتا ہے کہ انہوں نے اپنی محنت اور وقت ضائع کیا ہے۔ بدقسمتی سے، والدین اور رشتہ داروں میں یہ دیکھا جاتا ہے کیونکہ وہ اکثر اللہ تعالی کی رضا کے بجائے ان کی خاطر اپنے بچوں اور رشتہ داروں کے بارے میں اپنے فرائض ادا کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتا ہے، وہ دوسروں کے لیے اپنے تمام فرائض کو پورا کرے گا جیسے کہ ان کے بچے اور جب وہ ان کا شکر ادا کرنے میں ناکام ہوں گے تو وہ کبھی تلخ یا ناراض نہیں ہوں گے۔ یہ رویہ ذہنی سکون اور عمومی خوشی کا باعث بنتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے نیک عمل سے پوری طرح واقف ہے اور انہیں اس کا اجر دے گا۔ تمام مسلمانوں کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں یہ نصیحت بھی کی کہ وہ اپنی مخلوق کو خوش کرنے کے لیے اپنے رب کو ناراض نہ کرے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ

زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

علی رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو یہ نصیحت کی کہ ظالم کے ساتھ سختی اور نیکوں کے ساتھ نرمی سے پیش آنا چاہیے۔

سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان خصوصیات کی نصیحت فرمائی جو مسلمان کے ایمان کو کامل کرتی ہیں۔

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے لیے محبت کرنا ہے۔ اس میں دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں دوسروں کے لیے بہتر کی خواہش کرنا شامل ہے۔ اس کو عملی طور پر کسی کے اعمال کے ذریعے ظاہر کیا جانا چاہیے جس کا مطلب ہے، دوسروں کی مالی، جذباتی اور جسمانی طور پر مدد کرنا۔ اپنے احسانات کو دوسروں پر شمار کرنا نہ صرف ثواب کو منسوخ کرتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے

ان کی محبت کی کمی کو بھی ثابت کرتا ہے، کیونکہ یہ شخص صرف لوگوں سے تعریف اور دیگر معاوضے حاصل کرنا پسند کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

دنیوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کے بارے میں کسی بھی قسم کے منفی جذبات، جیسے حسد، اللہ تعالیٰ کے لیے دوسروں سے محبت کرنے کے منافی ہے، اور اس سے بچنا چاہیے۔

خلاصہ یہ کہ اس عمدہ خوبی میں دوسروں کے لیے وہ محبت شامل ہے جو صرف الفاظ سے نہیں بلکہ اعمال کے ذریعے اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث کے مطابق یہ مومن ہونے کا ایک پہلو ہے۔

مرکزی حدیث میں زیر بحث اگلی خصوصیت اللہ تعالیٰ کے لیے بغض رکھنا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ انسان کو ان چیزوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں جیسے اس کی نافرمانی۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں سے نفرت کرنی چاہیے کیونکہ لوگ سچے دل سے اللہ تعالیٰ سے توبہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بجائے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ خود اس گناہ کو ناپسند کرے جو ان سے ثابت ہے کہ اس سے بچنا اور دوسروں کو بھی اس سے خبردار کرنا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ دوسروں سے تعلق توڑنے کے بجائے نصیحت کرتے رہیں کیونکہ یہ احسان مندی انہیں سچے دل سے توبہ کرنے کا باعث بن سکتی ہے۔ اس میں اپنے جذبات کی بنیاد پر چیزوں کو ناپسند کرنا شامل ہے، جیسے کوئی عمل، جو کہ جائز ہے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسندیدگی کا ثبوت یہ ہے کہ جب وہ اپنے قول و فعل سے ناپسندیدگی کا اظہار کریں گے تو یہ ہرگز اس طرح نہیں ہوگا جو اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہو۔ یعنی کسی چیز کے لیے ان کی ناپسندیدگی ان سے کبھی گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گی کیونکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی چیز سے ان کی ناپسندیدگی ان کے اپنے لیے ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو یہ نصیحت بھی کی کہ وہ صالحین کو اپنے قریب لے آئیں اور انہیں اپنا اندرونی حلقہ اور بھائی بنا لیں۔

صحیح بخاری نمبر 5534 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اچھے اور برے ساتھی میں فرق بیان فرمایا۔ اچھا ساتھی عطر بیچنے والے کی طرح ہے۔ ان کا ساتھی یا تو کوئی عطر حاصل کرے گا یا کم از کم خوشگوار بو سے متاثر ہوگا۔ جبکہ برا ساتھی لوہار کی طرح ہوتا ہے اگر اس کا ساتھی اپنے کپڑے نہیں جلائے گا تو وہ ضرور دھوئیں سے متاثر ہوگا۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ جن لوگوں کے ساتھ جائیں گے ان کا اثر ان پر پڑے گا چاہے یہ اثر مثبت ہو یا منفی، ظاہر ہو یا لطیف۔ کسی کا ساتھ دینا اور اس سے متاثر نہ ہونا ممکن نہیں۔ سنن ابو داؤد نمبر 4833 میں موجود حدیث اس بات کی تصدیق کرتی ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی کے مذہب پر ہے۔ یعنی انسان اپنے ساتھی کی خصوصیات کو اپناتا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ہمیشہ صالحین کا ساتھ دیں کیونکہ وہ بلا شبہ ان پر مثبت اثر ڈالیں گے، وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنے کی ترغیب دیں گے۔ جبکہ برے ساتھی یا تو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکسائیں گے یا پھر مسلمان کو آخرت کی تیاری کے بجائے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرنے کی ترغیب دیں گے۔ یہ رویہ ان کے لیے قیامت کے دن بڑے ندامت کا باعث بنے گا خواہ وہ چیزیں حلال ہوں لیکن ان کی ضرورت سے زیادہ ہوں۔

آخر میں، جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 3688 میں موجود حدیث کے مطابق ایک شخص آخرت میں ان لوگوں کے ساتھ ختم ہو جائے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے، ایک مسلمان کو عملی طور پر اس دنیا میں صالحین کے ساتھ محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ لیکن اگر وہ برے یا غافل لوگوں کا ساتھ دیتے ہیں تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں اور آخرت میں ان کی آخری منزل ہے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

متوازن ذہنی حالت

علی ابن ابی طالب نے ایک بار عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خط لکھا اور انہیں نصیحت کی کہ آدمی اس چیز سے محروم ہو جائے گا جس کا اس کے پاس کبھی مقصد نہیں تھا۔ اور وہ اس چیز کو حاصل کرنے پر خوش ہے جسے وہ کبھی نہیں کھو سکتا تھا۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ آخرت کے حوالے سے جو کچھ حاصل کرے اس پر راضی ہو جائے اور جو کچھ اس سے چھوٹ جائے اس پر افسوس کرے۔ کسی کو دنیوی چیزوں پر خوش نہیں ہونا چاہئے اور نہ ہی ان دنیاوی چیزوں پر غمگین ہونا چاہئے جن سے وہ محروم ہے۔ انہیں اس بات کی زیادہ فکر ہونی چاہیے کہ مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 580 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک چیز جو کسی شخص کو تناؤ سے بچنے میں مدد دے سکتی ہے وہ ہے متوازن ذہنی حالت کو اپنانا۔ یہ تب ہوتا ہے جب کوئی اپنے جذبات کو اس طرح قابو میں رکھنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ خود کو انتہائی جذباتی حالتوں کا تجربہ نہ ہونے دے کیونکہ یہ اکثر تناؤ اور ذہنی عارضے کا باعث بنتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورہ 57 الحدید آیت 23 میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہیں کریں گے۔"

اسلام کسی کو جذبات کے اظہار سے منع نہیں کرتا کیونکہ یہ انسان ہونے کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ دماغ کی متوازن حالت کا مشورہ دیتا ہے جس کے تحت کوئی ایک انتہائی جذبات سے دوسرے جذبات میں نہیں جھولتا۔ مشکل حالات میں اداس ہونا قابل قبول ہے لیکن مایوس نہیں ہونا چاہیے، جو کہ انتہائی اداسی ہے، کیونکہ یہ اکثر دیگر ذہنی عوارض جیسے کہ ڈپریشن کا باعث بنتا ہے۔ اور خوش رہنا قابل قبول ہے لیکن انسان کو ضرورت سے زیادہ خوش نہیں ہونا چاہیے یعنی خوش ہونا، کیونکہ یہ اکثر دونوں جہانوں میں گناہوں اور پشیمانیوں کا باعث بنتا ہے۔ ایک مسلمان کو مشکل کے وقت ان

لاتعداد نعمتوں کو یاد کرکے ایک متوازن ذہنی حالت حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جو اس کے پاس اب بھی موجود ہیں جو کہ انتہائی اداسی یعنی مایوسی کو روکتی ہیں۔ اور آسانی کے وقت ان کو یاد رکھنا چاہیے کہ جو چیز انہیں خوش کرتی ہے اس کے لیے ان سے جوابدہ ہو گا اور اگر وہ اس کا غلط استعمال کریں گے یا اس سے منسلک فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کریں گے تو انہیں اس کی سزا کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ کسی کو حد سے زیادہ خوش ہونے سے روکے گا، یعنی پرجوش۔

دماغ کی متوازن حالت ہمیشہ بہترین ہوتی ہے جو انتہائی موڈ کے منفی اثرات کو روکتی ہے۔ یہ ایک مسلمان کو حقیقی ذہنی سکون اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے قریب لے جائے گا، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔

سچا مسلمان اور مومن

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے تمام ملازمین کو تاکید کریں گے کہ وہ کسی پر ظلم نہ کریں، خاص طور پر وہ لوگ جو ملت اسلامیہ کی دیکھ بھال اور حفاظت میں ہیں۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار اپنے ملازمین کو خط لکھا اور انہیں مشورہ دیا کہ وہ عوام کے خزانے کے رکھوالے ہیں۔ لہٰذا، انہیں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے، اور جو چاہیں حاصل کرنے سے کسی کو نہیں روکنا چاہیے۔ جب وہ زمین کا ٹیکس جمع کرتے ہیں، تو وہ لوگوں کو اپنے سردیوں یا گرمیوں کے ملبوسات، اپنے کام کے لیے یا کسی نوکر کی ضرورت کے کسی بھی پہاڑ کو بیچنے پر مجبور نہیں کرتے۔ انہیں مال کی خاطر کسی کو کوڑے نہیں مارنے چاہئیں اور مسلمان یا غیر مسلم کسی کے مال کو غلط طور پر ہاتھ نہیں لگانا چاہیے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 603 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچے مسلمان اور سچے مومن کی نشانیاں بتائی ہیں۔ ایک سچا مسلمان وہ ہے جو دوسروں کی زبانی اور جسمانی اذیت کو دور رکھے۔ اس میں درحقیقت تمام لوگ شامل ہیں خواہ ان کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس میں ہر قسم کے زبانی اور جسمانی گناہ شامل ہیں جو کسی دوسرے کو نقصان یا تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اس میں دوسروں کو بہترین نصیحت نہ کرنا بھی شامل ہے کیونکہ یہ دوسروں کے ساتھ اخلاص کے خلاف ہے جس کا حکم سنن نسائی نمبر 4204 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔ اس میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی تلقین کرنا اور گناہوں کی طرف دعوت دینا بھی شامل ہے۔ .ایک مسلمان کو اس رویے سے بچنا چاہیے کیونکہ ہر اس شخص سے حساب لیا جائے گا جو ان کی بری نصیحت پر عمل کرے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

جسمانی نقصان میں دوسرے لوگوں کی روزی روٹی کے لیے مسائل پیدا کرنا، دھوکہ دہی کا ارتکاب کرنا، دوسروں کو دھوکہ دینا اور جسمانی زیادتی شامل ہے۔ یہ تمام خصوصیات اسلامی تعلیمات سے متصادم ہیں اور ان سے بچنا چاہیے۔

زیر بحث اصل حدیث کے مطابق سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کے نقصان کو دور رکھے۔ ایک بار پھر، یہ تمام لوگوں پر لاگو ہوتا ہے قطع نظر ان کے عقیدے کے۔ اس میں چوری کرنا، غلط استعمال کرنا یا دوسروں کی املاک اور سامان کو نقصان پہنچانا شامل ہے۔ جب بھی کسی کو کسی دوسرے کی جائیداد سونپ دی جائے تو اسے یہ یقینی بنانا چاہیے کہ وہ اسے صرف مالک کی اجازت سے اور اس طریقے سے استعمال کریں جو مالک کو خوش اور راضی ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 5421 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص جھوٹی قسم کے ذریعے کسی دوسرے کا مال ناجائز طور پر لے، چاہے وہ ایک ٹہنی کے برابر ہی کیوں نہ ہو۔ درخت جہنم میں جائے گا۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عقیدے کے زبانی اعلان کو عمل سے سپورٹ کرے کیونکہ یہ کسی کے عقیدے کا جسمانی ثبوت ہیں جو قیامت کے دن کامیابی حاصل کرنے کے لیے درکار ہوں گے۔ اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے بارے میں سچے عقیدے کی خصوصیات کو پورا کرنا چاہیے۔ لوگوں کے ساتھ اس کو حاصل کرنے کا ایک بہترین طریقہ یہ ہے کہ دوسروں کے ساتھ وہ سلوک کیا جائے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں، جو کہ احترام اور امن کے ساتھ ہے۔

دوسروں کی مدد کرنا

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنے گورنروں میں سے ایک کو مشورہ دیا کہ وہ ایسے شخص کو اپنا ساتھی بنا لیں جو ان کے سامنے کڑوی سچائی کی بات کہہ سکے اور ان چیزوں کے بارے میں جو ان کے لیے کم سے کم مددگار ہو اعلیٰ، نامنظور، قطع نظر اس سے کہ یہ گورنر کو خوش کرتا ہے یا نہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 605 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ ایسے ساتھیوں کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے جو ایماندار اور مخلص ہوں۔

بدقسمتی سے، کچھ لوگ ابھی تک آزمائشوں اور آسانی کے اوقات کا تجربہ کرتے ہیں، اپنے کردار کو مثبت انداز میں نہیں بدلتے۔ اگرچہ، بہت سے ممکنہ وجوہات ہیں صرف ایک پر اس باب میں بحث کی جائے گی۔

کچھ معاملات میں، لوگ بہتر کے لیے نہیں بدلتے کیونکہ ان کے آس پاس کے لوگ انہیں ایسا کرنے کی ترغیب نہیں دیتے۔ درحقیقت، بہت سے لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ صرف دوسروں کی پیٹھ پر تھپکی دیتے ہیں اور انہیں وہی بتاتے ہیں جو وہ سننا چاہتے ہیں۔ وہ کسی نہ کسی طرح یہ مانتے ہیں کہ یہ ایک اچھے ساتھی اور دوست کا کردار ہے۔ وہ غلط طور پر یقین رکھتے ہیں کہ اس طرح سے کام کرنا دوسروں کے لئے ان کی گہری محبت اور احترام کی علامت ہے۔ لیکن یہ مکمل طور پر غلط ہے کیونکہ یہ رویہ کسی کو اپنے رویے کو بہتر کیے بغیر جاری رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ دوسروں کو جذباتی سکون فراہم کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن ایک اچھا دوست ہمیشہ ان طریقوں کی نشاندہی کرے گا جن سے اس کا دوست یا رشتہ دار اپنے کردار کو بہتر بنا سکتا ہے۔ یہ حقیقت میں ان کے ساتھی کی دنیا اور آخرت کی زندگی کے معیار اور حالت کو بہتر بنائے گا۔ جب کہ محض دوسروں کی پیٹھ تھپتھپانے سے انہیں عارضی سکون ملے گا لیکن اس سے حالات یا ان

کے کردار میں کوئی بہتری نہیں آئے گی۔ دوسروں کی بے عزتی کیے بغیر درست رویہ حاصل کرنا ممکن ہے۔ یہ ایک فرد کا دوسروں خصوصاً اپنے رشتہ داروں کے لیے فرض ہے۔ درحقیقت اگر کسی شخص کا دوست یا رشتہ دار ان کی اچھی نصیحت کو ناپسند کرتا ہے تو وہ ان کے ساتھ اپنے تعلقات کو اہمیت نہیں دیتے۔ انسان کو کبھی بھی کسی چیز کو نہیں چھوڑنا چاہیے، جیسے کہ کسی شخص کی عمر، اسے سچ بولنے سے روکنا اور مہربانی سے اسے بہتر کے لیے اپنا رویہ بدلنے کا مشورہ دینا۔ خواہ وہ اپنے والدین ہی کیوں نہ ہوں پھر بھی انہیں یہ فرض ادا کرنا چاہیے کیونکہ یہ سلوک ان کے ساتھ حسن سلوک کا نچوڑ ہے۔ صرف اس لیے خاموش رہنا کہ وہ کسی کے والدین ہیں کسی شخص کا رویہ نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ انہیں مشورہ دینا ہر ایک کے لیے مزید مسائل کا باعث بنے گا۔

کندھے پر رونا تب ہی مفید ہے جب یہ کسی شخص کو بہتر کرنے کی طرف لے جائے۔ یہاں تک کہ اگر کسی خاص صورتحال میں کسی شخص کا رویہ درست ہے تو بھی کم ہے کہ وہ اس صورتحال سے ہمیشہ سبق سیکھ سکتا ہے، جس کی نشاندہی دوسروں کو کرنی چاہیے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، کسی کو دوسروں کو نیکی کرنے اور برائی سے باز رہنے کی تلقین کرنی چاہیے اور نہ صرف دوسروں کی پیٹھ تھپتھپا کر جذباتی مدد فراہم کرنا چاہیے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو"۔

ٹرسٹ کو پورا کرنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ دوسروں کے ساتھ کیے گئے امن معاہدوں کو پورا کیا اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید کی۔ اس نے ایک بار انہیں نصیحت کی کہ اگر وہ اپنے دشمن کے ساتھ امن کا معاہدہ کرتے ہیں اور ان کے ساتھ معاہدہ کرتے ہیں تو انہیں معاہدے کی شرائط کو پورا کرنا ہوگا۔ ان کو ایماندار اور مخلص ہونا چاہیے اور قیمت کی پرواہ کیے بغیر معاہدے پر قائم رہنا چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فرائض میں سے کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس پر تمام لوگ اپنے خیالات اور میلانات کے فرق کے باوجود اس کی تعظیم پر متفق ہوں، یہ زیادہ اہم ہے۔ معاہدوں کی تکمیل سے زیادہ لہٰذا انہیں کبھی بھی اپنے عہدوں میں خیانت نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اپنے دشمن سے خیانت کرنی چاہیے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو چیلنج کرنے کی جرأت کسی میں نہیں ہے، جیسا کہ معاہدے اس کے مبارک نام پر کیے جاتے ہیں، سوائے اس کے جو جاہل اور برباد ہو۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 608-609 میں بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2749 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی کہ امانتوں میں خیانت منافقت کا ایک پہلو ہے۔

اس میں وہ تمام امانتیں شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ اور لوگوں کی طرف سے ہیں۔ ہر نعمت اللہ تعالیٰ نے ان کے سپرد کی ہے۔ ان امانتوں کو پورا کرنے کا واحد طریقہ نعمتوں کو اس طریقے سے استعمال کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ وہ مزید برکات حاصل کریں گے کیونکہ یہ سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

لوگوں کے درمیان اعتماد کو پورا کرنا بھی ضروری ہے۔ جسے کسی دوسرے کے سپرد کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ اس کا غلط استعمال نہ کرے اور مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرے۔ لوگوں کے درمیان سب سے بڑا اعتماد بات چیت کو خفیہ رکھنا ہے جب تک کہ دوسروں کو مطلع کرنے میں کوئی واضح فائدہ نہ ہو۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اس کو اکثر نظر انداز کیا جاتا ہے۔

دوسروں کی نگرانی کرنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ قابل اعتماد، قابل اعتماد اور قابل لوگوں کو قیادت کے عہدوں پر مقرر کرتے تھے۔ لیکن وہ انہیں آزاد حکومت نہیں دے گا۔ وہ دوسرے ملازمین کے ذریعے مسلسل ان کا مشاہدہ کرتا۔

علی رضی اللہ عنہ کے پاس بہت سے انسپکٹرز تھے جن کا فرض گورنروں کی نگرانی کرنا اور مقامی لوگوں کے ساتھ بات چیت کرنا تھا تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ گورنر اپنی ذمہ داریاں پوری کر رہے ہیں۔ بدلے میں، ان کے پاس اس بات کو یقینی بنانے کے لیے بہت سی امدادیں تھیں کہ ان کا فرض اعلیٰ ترین معیار پر پورا ہو۔

وہ اپنے گورنروں اور لوگوں کے معاملات کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کے لیے مختلف شہروں میں جاسوس بھیجتا تھا۔ وہ اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دے گا، اس طرح اس بات کو یقینی بنائے گا کہ گورنروں کے ملازمین خوف کے بغیر مخلص رہیں۔

وہ اپنے گورنروں سے عوام کے معاملات پر باقاعدہ رپورٹس طلب کرتا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 468 اور 613 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس کے طرز عمل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے اپنے زیر کفالت لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کو بہت سنجیدگی سے لیا۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

چیزوں کو آسان بنانا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے زیر نگرانی لوگوں کے لیے آسانیاں پیدا کرنے کی بھرپور کوشش کرتے اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید کرتے۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار اپنے گورنروں کو نصیحت کی تھی کہ کوئی لیڈر اپنے ماتحت لوگوں کو ان کے بارے میں زیادہ مثبت انداز میں سوچنے پر مجبور کرنے کے لیے ان کے ساتھ حسن سلوک کرنے، ان پر بوجھ کو کم کرنے، اور انھیں زبردستی کسی ایسی چیز پر مجبور کرنے سے باز رکھنے سے بہتر کچھ نہیں کر سکتا جو ان سے باہر ہو۔ .اس طرز عمل سے باہمی اعتماد اور مثبت سوچ کی فضا پیدا ہوگی اور اس سے بہت سی پریشانیوں سے بچا جا سکے گا۔ امام محمد السلاّبی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 617 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

آج کے دور میں جہالت کی وجہ سے والدین جیسے لوگوں کے حقوق ادا کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اگرچہ ایک مسلمان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے لیکن ان کو پورا کرنے کی کوشش کرنا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 6655 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسروں پر رحم کرنے والوں پر رحم کرتا ہے۔

اس رحمت کا ایک پہلو مسلمان کے لیے یہ ہے کہ وہ دوسروں سے اپنے پورے حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اپنی جسمانی یا مالی طاقت جیسے ذرائع کو اپنی مدد اور دوسروں کے لیے آسان بنانے کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ بعض صورتوں میں، جب کوئی مسلمان دوسروں سے اپنے مکمل حقوق کا مطالبہ کرتا ہے اور وہ انہیں پورا کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو یہ ان کی سزا کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں پر رحم کرنے کے لیے انہیں صرف بعض صورتوں میں اپنے حقوق کا مطالبہ کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک مسلمان کو دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان لوگوں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرے جن پر ان کے حقوق ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک والدین اپنے بالغ بچے کو گھر کے کسی خاص کام سے معافی دے سکتے ہیں اور اگر وہ اپنے آپ کو پریشان کیے بغیر ایسا کرنے کے ذرائع رکھتے

ہیں تو وہ خود کر سکتے ہیں، خاص طور پر اگر وہ بچہ کام سے تھک کر گھر لوٹتا ہے۔ یہ نرمی اور رحم نہ صرف اللہ تعالیٰ کو ان پر زیادہ رحم کرنے کا باعث بنے گا بلکہ اس سے لوگوں میں ان کے لیے محبت اور احترام بھی بڑھے گا۔ جو ہمیشہ اپنے پورے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے وہ گنہگار نہیں ہے لیکن اگر وہ اس طرح کا برتاؤ کریں گے تو وہ اس اجر و ثواب سے محروم ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے لیے آسانیاں پیدا کریں اور امید رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے دنیا اور آخرت میں آسانیاں پیدا کرے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اختلاف

تنازعات کو درست کرنا

خلیفہ عثمان بن عفان کی شہادت کے بعد طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم مکہ روانہ ہوئے جہاں ان کی ملاقات مومنین کی والدہ عائشہ بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا سے ہوئی۔ انہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے تعاقب میں نکلنے کے بارے میں تبادلہ خیال کیا تاکہ ان کے لیے قانونی انتقام اور انصاف حاصل کیا جا سکے۔ یہ ظاہر ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خلیفہ کی موت کا ذمہ دار خود کو ٹھہرایا کیونکہ انہیں لگا کہ انہیں اس کی حفاظت کرنی چاہیے تھی۔ اس لیے وہ اس کے قاتلوں کے خلاف انصاف کے لیے کوشاں تھے۔ عز زبیر رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ اگر ان کے قتل کا قانونی طور پر بدلہ نہ لیا گیا تو اس سے مستقبل کے باغی اتھارٹی کی مخالفت میں مزید جرات مند ہو جائیں گے اور انہیں ان رہنماؤں کو قتل کرنے کی ترغیب دی جائے گی جنہیں وہ ناپسند کرتے تھے۔ ان کی حمایت بہت سے مسلمانوں نے کی جو عثمان رضی اللہ عنہ کے وفادار تھے، جیسے کہ ان کے رشتہ دار جو مدینہ چھوڑ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے تھے، اور بصرہ کے گورنر جو کہ مکہ میں تھے۔ دوسرے لوگ جنہوں نے عثمان رضی اللہ عنہ کی مدد کے لیے اپنے شہر چھوڑے تھے، وہ بھی مکہ پہنچ گئے اور ان کی حمایت کی۔ وہ سب مکہ چھوڑ کر بصرہ کی طرف روانہ ہوئے جو باغیوں کے اہم شہروں میں سے ایک تھا۔ وہ صرف یہ چاہتے تھے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے خلاف اسلامی قانون کے مطابق قانونی انتقام لیا جائے اور جو کچھ ہوا اس سے لوگوں کو آگاہ کیا جائے کیونکہ زیادہ تر حقائق کو باغیوں نے سیاق و سباق سے ہٹ کر توڑ مروڑ کر پیش کیا تھا۔ مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کے لیے بہت سے جھوٹ گھڑے۔ ان کا مقصد لوگوں کو اپنے مقصد میں شامل ہونے کی دعوت دینا تھا جب تک کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو گرفتار نہ کر لیں، اسلامی سلطنت کو کم سے کم تصادم اور نقصان پہنچا کر معاملات کو درست کر لیں۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے مندرجہ ذیل آیت کے خلاف نہیں کیا، کیونکہ وہ اپنے گھر سے کسی نیک کام کی خاطر نکلی تھیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس مہم میں شامل ہونے کی وجہ واضح کرنے کے لیے درج ذیل آیت کا حوالہ بھی دیا۔ باب 4 النساء، آیت 114:

" ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

اور یہ بات ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہوئی تو اس نے حج کے لیے اپنا گھر چھوڑا تھا، مدینہ میں اپنے گھر سے دور ایک سفر تھا، جس پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ باب 33 الاحزاب، آیت 33:

‘‘اور اپنے گھروں میں رہو اور اپنے آپ کو سابقہ جاہلیت کی طرح ظاہر نہ کرو۔’’

عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس مہم کے ساتھ جانے کی ترغیب دی گئی کیونکہ مسلمانوں کا خیال تھا کہ ان کی موجودگی لڑائی کو روک دے گی اور مسلمانوں کو صلح کرنے اور معاملات کو جلد درست کرنے کی ترغیب دے گی، کیونکہ وہ مومنوں کی ماں تھیں، ان کی بیوی تھیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ خلیفہ پر حملہ کرنا اور اسے قتل کرنا اسلام کے خلاف براہ راست حملہ ہے، کیونکہ خلیفہ زمین پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نمائندہ ہے۔ اس لیے اس کو نظر انداز یا نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

بصرہ پہنچنے کے بعد بہت سے مسلمان ان کے مقصد میں شامل ہو گئے اور کچھ نے نہیں کیا۔ وہ لوگ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان کسی تصادم سے نہیں ڈرتے تھے، اس لیے انہوں نے کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے خلاف فریق بننے اور جنگ کرنے سے پرہیز کیا۔ اس کے علاوہ جو لوگ ان میں شامل نہیں ہوئے وہ صرف خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ہی یہ حق رکھتے تھے کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے قانونی انتقام لینے کے لیے ایک مہم کا اہتمام کریں اور اس لیے وہ اس کی اجازت کے بغیر کچھ سنجیدہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

فتنہ سازوں کے کچھ سردار جیسے کہ حکم ابن جبلہ کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ لائے اور عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں پر حملہ کیا۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے پیروکاروں کو حکم دیا کہ حملہ نہ کریں اور صرف اپنا دفاع کریں۔ انہوں نے محسوس کیا کہ یہ مصیبتیں پیدا کرنے والے صرف مزید اختلاف پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے واضح کیا کہ وہ صرف عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے خلاف انصاف چاہتے ہیں اور کسی اور سے لڑنا نہیں چاہتے۔ ان غنڈوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کو قتل کرنے کی کوشش کی لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے ذمہ داروں میں سے بہت سے لوگ مارے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دوسرے شہروں کو خطوط لکھ کر لوگوں کو بصرہ میں واقع ہونے والے واقعات سے آگاہ کیا اور لوگوں سے تاکید کی کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو تلاش کرنے اور ان کے خلاف قانونی کارروائی جاری رکھیں۔ جیسا کہ وہ صحیح معنوں میں انصاف پر یقین رکھتی تھیں، امن اور اتحاد اس وقت تک پوری اسلامی سرزمین میں ایک بار پھر نہیں پھیل سکتا جب تک ایسا نہ ہو جائے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 38-59 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

خلیفہ کی ہجرت

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ، جو مدینہ میں تھے، شام کے گورنر معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ سے معاملات پر بات کرنے کے لیے شام کی طرف جانا چاہتے تھے۔ وہ عراق منتقل ہونے پر بھی غور کر رہا تھا تاکہ اس امید کے ساتھ کہ وہ اس پر براہ راست قابو پا سکے ہنگامے کے قریب ہو سکے۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کو مشورہ دیا کہ وہ مدینہ میں ہی رہیں اور صرف انتہائی سخت حالات میں ہی چلے جائیں۔ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد وہ اپنی اصل رائے پر واپس آیا اور کوفہ جانے کا فیصلہ کیا۔ پھر آپ کو اطلاع ملی کہ عائشہ، طلحہ، عز زبیر اور دیگر رضی اللہ عنہم بصرہ کی طرف جارہے ہیں۔ مدینہ کے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ابھی بھی عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے نفسیاتی طور پر متاثر تھے اور مزید تفرقہ اور انتشار کے خوف سے مدینہ میں ہی رہنے کا فیصلہ کیا اور علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے۔ ان میں سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے تو اس خوف سے اپنے گھروں سے نکلنے سے بھی انکار کر دیا کہ وہ کسی ایسی چیز میں ملوث ہو جائیں گے جسے وہ قیامت کے دن اللہ عزوجل کے سامنے پیش نہیں کر سکتے تھے۔

جب آپ کے بیٹے حسن بن علی رضی اللہ عنہ نے آپ کو مدینہ نہ چھوڑنے کی تلقین کی تو آپ نے جواب دیا کہ اگر آپ نے اپنے فرائض کی طرف توجہ نہیں کی تو آپ کی طرف سے ان کو کون پورا کرے گا؟

علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے لوگوں کو لکھا کہ وہ اپنی مہم میں اس کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دیں لیکن ان میں سے بہت سے لوگوں نے اپنے گورنر ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی اطاعت کا انتخاب کیا، جس نے انہیں خبردار کیا۔ افراتفری کے اس وقت میں شامل نہ ہونا اور لڑنا نہیں۔ لیکن ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے گورنر کے عہدے سے برطرف ہونے کے بعد بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جن میں عمار بن یاسر، حسن ابن علی اور ابن عباس رضی اللہ عنہما شامل تھے، نے لوگوں کو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ شامل ہونے کی ترغیب دی۔ اس سے، ان کے

رہنما اور خلیفہ سے راضی ہو، تاکہ وہ اسلامی سلطنت میں امن بحال کر سکے۔ اس کے نتیجے میں کوفہ کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ شامل ہوگئے۔

علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج پر واضح کر دیا کہ جب وہ عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر کا مقابلہ کرنے کے لیے بصرہ کی طرف روانہ ہوئے تو ان کا واحد مقصد ان سے نمٹنا تھا۔ انہیں مہربانی کی بنیاد پر اور تصادم سے حتی الامکان بچنے کے لیے، اس امید پر کہ وہ اپنے منصوبے سے باز آجائیں گے اور خلیفہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے نمٹنے کی اجازت دیں۔

ایک اور موقع پر، علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ وہ صرف عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ معاملات درست کرنا چاہتے ہیں۔ اگر انہوں نے اس کی بات کا جواب نہ دیا تو وہ ان کو تنہا چھوڑ دے گا اور اس سے اختلاف کرنے کا ان کا حق تسلیم کرے گا اور اس پر صبر کرے گا۔ جب تک وہ اسے اکیلا چھوڑ دیں گے وہ انہیں تنہا چھوڑ دے گا اور وہ صرف اپنے دفاع کے لیے لڑے گا۔

علی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں کے سامنے تسلیم کیا کہ عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے انصاف مانگنے میں غلط نہیں تھے، لیکن انہیں ہونا چاہیے تھا۔ اس معاملے میں صبر کریں، جیسا کہ یہ لوگوں کے بہترین مفاد میں تھا۔ اسے امید تھی کہ ان کے درمیان کوئی لڑائی نہیں ہوگی لیکن اگر ایسا ہوا تو اسے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس معاملے میں اس کے ساتھ مخلص ہیں۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 56-66 میں بحث کی گئی ہے۔

گویا علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما کی نیت اچھی تھی، کیونکہ وہ انصاف کے خواہاں تھے، لیکن وہ طریقہ غلط تھا کیونکہ وہ عدل کے طالب تھے۔ قاتلوں

سے خود نمٹنے کے لیے ایک غیر مجاز فوج کو منظم کرنے کی بجائے اختیار اور اس لیے انصاف کا حصول ان پر چھوڑ دیا جانا چاہیے تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ وہ چین آف کمانڈ اور اتھارٹی کے ذریعے انصاف کے نفاذ کا احترام کریں، جو کہ صحیح طریقہ ہے۔ اگر ہر کوئی چوکس لوگوں کی طرح مناسب اجازت کے بغیر انصاف کو نافذ کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اس سے معاشرے میں مزید فتنہ و فساد پیدا ہوگا۔ پریشانی پیدا کرنے والے اس کو ایک بہانے کے طور پر ایسے مقامات پر اتھارٹی کے خلاف مزید پریشانی کو بھڑکانے کے لیے استعمال کریں گے جو پہلے ہی غیر آباد تھے، ایسی جگہیں جہاں پر خانہ جنگی کا سبب بننے کے لیے صرف ایک جھٹکے کی ضرورت تھی۔ علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل سے پیدا ہونے والی پریشانی کو دور کرنا چاہا، جس نے اپنے قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے سے پہلے اسلامی سلطنت کے اندر ہر شہر کو متاثر کیا۔ ایک غیر مستحکم سلطنت کے ساتھ نمٹنا تاش کے گھر سے نمٹنا پسند کرنا ہے، معمولی سی خلل اس سب کو گرانے کا سبب بن سکتا ہے۔ یہ وہ چیز ہے جسے علی رضی اللہ عنہ نے سمجھا۔

مفاہمت

اس سے پہلے کہ دونوں فریق آپس میں ملیں، یعنی علی ابن ابی طالب کا لشکر، اور عائشہ بنت ابوبکر، طلحہ ابن عبید اللہ اور عز زبیر بن عوام رضی اللہ عنہم کا لشکر، ان سے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم۔ اور پیروکاروں نے، اللہ ان پر رحم فرمائے، دونوں فریقوں سے رابطہ کیا تاکہ انہیں کسی بھی قسم کے تصادم سے باز رکھا جا سکے کیونکہ انہیں خدشہ تھا کہ اس کے نتیجے میں جنگ ہو سکتی ہے۔ عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نے دونوں فریقوں کو جنگ نہ کرنے کی تلقین کی اور اللہ تعالیٰ سے قسم کھائی کہ وہ نتائج کے خوف سے دونوں فریقوں میں سے کسی پر ایک بھی تیر چلانا پسند نہیں کریں گے۔ کعب بن سور رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں فریقوں کے درمیان تصادم کو روکنے کی اتنی کوشش کی کہ وہ دونوں لشکروں کے درمیان کھڑے ہو کر ہتھیار ڈالنے کی دعوت دیتے ہوئے مارے گئے۔

اس سے پہلے کہ کوئی لڑائی ہو، علی رضی اللہ عنہ نے قعقا بن عمرو رضی اللہ عنہ کو روانہ کیا، تاکہ عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما کو صلح کی ترغیب دیں۔ اس کے ساتھ اور اسے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے نمٹنے کی اجازت دے۔ القاعدہ رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں یاد دلایا کہ چونکہ فساد کرنے والوں کے لیڈروں کے بہت سے جاہل پیروکار تھے جو ان کے لیے لڑنے کے لیے تیار تھے، اس مرحلے پر ان رہنماؤں پر حملہ کرنا مزید خونریزی اور تفرقہ کا باعث بنے گا۔ اس سے باغیوں کو اتھارٹی کے خلاف اٹھنے کا ایک اور بہانہ ملے گا۔ انہوں نے وضاحت کی کہ یہی وجہ تھی کہ علی رضی اللہ عنہ نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو فوراً پکڑ کر پھانسی نہیں دی۔ وہ اس وقت تک انتظار کرنا چاہتا تھا جب تک کہ وہ مختلف اسلامی شہروں میں امن و انصاف بحال نہ کر سکے اور ایک بار پھر اتحاد قائم ہو جائے، پھر قرآن پاک کے مطابق قاتلوں سے نمٹا جائے، یعنی قانونی انتقام۔ انہوں نے ان پر زور دیا کہ وہ علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت کریں اور ان کی بیعت کریں تاکہ امت مسلمہ کے استحکام میں اضافہ ہو۔ جبکہ اس کی مخالفت صرف عدم استحکام اور مزید انتشار کا باعث بنے گی۔ یہ صرف باغیوں اور اسلامی قوم کے اندر مزید مسائل پیدا کرنے کے ان کے مذموم منصوبوں کو ہوا دے گا۔ عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما نے ان کی تجویز سے اتفاق کیا اور اعلان کیا کہ اگر علی رضی اللہ عنہ ان کے پاس وہی نکات لے کر آئے تو وہ ان سے صلح کر لیں گے۔

اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما سے ملاقات کی اور ان سب نے صلح کی اور علی رضی اللہ عنہ کو عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے نمٹنے کی اجازت دینے پر بات کی اور اتفاق کیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 66-69 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، یہ باب 4 النساء، آیت 114 سے منسلک ہے:

"لوگوں کے... جو لوگوں کے سوائے ان لوگوں کے جو ... ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو ...لوگوں کے درمیان صلح کرانے کا حکم دیتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

تیسرا پہلو جس کا اس آیت میں ذکر کیا گیا ہے وہ تعمیری ذہنیت کے ساتھ دوسروں کے ساتھ بات چیت کرنا ہے جو لوگوں کو تباہ کن ذہنیت رکھنے کی بجائے مثبت انداز میں اکٹھا کرتا ہے جو معاشرے میں تفرقہ کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص محبت بھرے انداز میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کر سکتا تو کم از کم وہ کر سکتا ہے کہ ان کے درمیان تفرقہ پیدا نہ ہو۔ یہاں تک کہ جب اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے تو یہ ایک نیکی کے طور پر درج ہے۔ صحیح بخاری نمبر 2518 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

درحقیقت سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے دو مخالف مسلمانوں کے درمیان صلح کرنا نماز اور روزہ سے افضل ہے۔ معاشرے میں پائی جانے والی ہر اچھی چیز اسی پاکیزہ رویے کا نتیجہ تھی جیسے سکول، ہسپتال اور مساجد کی تعمیر۔

لیکن یہ جاننا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو اس آیت میں مذکور عظیم اجر تبھی ملے گا جب وہ اللہ نہ صرف ان کے جسمانی عمل کی بنیاد ہر شخص تعالیٰ کی رضا کے لیے نیک اعمال انجام دیں گے۔ پر ان کی نیت پر انعام دیا جائے گا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں ان مسلمان کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ بے ایمان ہوتی ہے۔ جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اونٹ کی جنگ

شیطانی منصوبے

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما کے ساتھ صلح کرنے کے بعد اعلان کیا کہ وہ اگلے دن بصرہ سے روانہ ہوں گے اور حکم دیا کہ کوئی بھی ایسا نہ کرے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے محاصرے اور قتل میں ملوث تھے، ان کا ساتھ دینا چاہیے۔ ان میں سے بہت سے مصائب علی کے لشکر میں شامل ہوئے اور کچھ عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما کے لشکر میں شامل ہوئے۔ ان کا مقصد صرف اپنے لیے کچھ تحفظ حاصل کرنا تھا۔ یہ فسادی اور باغی ان لوگوں پر مشتمل تھے جنہیں دوسرے لوگ مصیبت میں نہیں جانتے تھے، وہ لوگ جو مشہور تھے لیکن اپنے قبیلوں سے تحفظ حاصل کرتے تھے، وہ لوگ جن کے قتل عثمان میں ان کے کردار کے بارے میں کوئی ثبوت نہیں تھا، اور وہ لوگ جو منافق تھے لیکن اپنی منافقت کو صاف ظاہر نہیں کرتے تھے۔

عبداللہ ابن سبا کی سربراہی میں باغیوں نے سمجھا کہ دونوں گروہوں کے درمیان ایک امن معاہدہ ان کے اور ان کے برے طریقوں کے خاتمے کا اشارہ دے گا۔ چنانچہ انہوں نے اگلے دن کے اوائل میں لڑائی شروع کرنے کا منصوبہ بنایا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر لڑائی چھڑ گئی تو افراتفری اور انتشار میں دونوں فریق یہ مانیں گے کہ دوسرے فریق نے ان کے ساتھ غداری کی ہے اور یہ مزید لڑائی، خونریزی اور انتشار کا باعث بنے گا۔ اس سے کم از کم کچھ عرصے کے لیے مسلمانوں کی توجہ ان سے ہٹ جائے گی۔

جب باغیوں نے لڑائی شروع کی تو علی، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما نے ایک دوسرے کے خلاف اعلان جنگ نہیں کیا۔ اس کے بجائے، انہوں نے لڑائی کو ختم کرنے کی کوشش کی اور جہاں

تک ممکن ہو سکے اپنے اپنے اطراف کو کنٹرول کیا۔ ہر لیڈر نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ صرف اپنا دفاع کریں اور دوسری طرف حملہ نہ کریں۔ لیکن کوئی سوچ سکتا ہے کہ دو بڑی فوجوں کے درمیان لڑائی میں یہ کتنا مشکل ہو گا جس وقت کمانڈروں اور ان کے سپاہیوں کے درمیان مواصلاتی آلات نہیں تھے۔

اپنے سپاہیوں کے دفاع اور مزید لڑائی کو روکنے کی کوشش کرنے کے بعد، عز زبیر رضی اللہ عنہ، میدان جنگ سے اس امید پر پیچھے ہٹ گئے کہ اس کے سپاہی بھی اسے ایسا کرتے ہوئے دیکھ کر پیچھے ہٹ جائیں گے، اس طرح جنگ کا خاتمہ ہو گیا۔ وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سامنے لا کر معاملات کو سیدھا کرنے کے اپنے منصوبے کو سمجھ گیا تھا کہ وہ خطرناک موڑ لے چکا تھا اور وہ بے گناہ مسلمانوں کا خون بہانا نہیں چاہتا تھا۔ ایسی خبریں ہیں کہ جب انہیں اپنے چچا زاد بھائی علی رضی اللہ عنہ کے خلاف جنگ نہ کرنے کی تنبیہ کی گئی تو وہ پیچھے ہٹ گئے۔ اس کے علاوہ وہ صحیح مسلم نمبر 7322 میں موجود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث سے بھی واقف تھے، جس میں کہا گیا ہے کہ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو ایک گروہ کے ہاتھوں قتل کیا جائے گا۔ غلط میں تھا .جیسا کہ عز زبیر کو معلوم ہوا کہ عمار، علی رضی اللہ عنہ کے لشکر میں ہیں، انہیں مزید حوصلہ افزائی کی گئی کہ وہ پیچھے ہٹ جائیں اور لڑائی میں حصہ نہ لیں۔ بعد میں کچھ باغیوں نے اس کا تعاقب کیا اور شہید کر دیا۔ جب علی رضی اللہ عنہ کو ان کی موت کی اطلاع ملی تو انہوں نے کہا کہ جس نے اسے قتل کیا اسے جہنم کی بشارت ملنی چاہیے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 127 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

طلحہ رضی اللہ عنہ کی ٹانگ میں ایک آوارہ تیر اس وقت لگا جب وہ سپاہیوں کو لڑائی روکنے کا حکم دینے کی کوشش کر رہے تھے۔ تیر نے ایک پرانا زخم دوبارہ کھول دیا جو احد میں لگا تھا، اپنے جسم کے ساتھ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دفاع کرتے ہوئے۔ نتیجے کے طور پر وہ میدان جنگ سے باہر لے گئے اور کچھ ہی دیر بعد مر گئے۔

علی رضی اللہ عنہ جب بہت سے مسلمانوں کو قتل ہوتے دیکھ کر اس قدر غمزدہ ہوئے کہ انہوں نے اپنے بیٹے حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ کاش وہ برسوں پہلے مر جاتا اور کبھی ایسا نہ ہوتا۔ ایک خوفناک دن.

عائشہ رضی اللہ عنہا اپنے اونٹ پر سوار ہو کر میدان جنگ کی طرف بڑھیں، اس امید پر کہ ان کی وہاں موجودگی دونوں فریقوں کو لڑائی بند کرنے پر مجبور کر دے گی، کیونکہ ایک سچا مسلمان اسے نقصان پہنچانے سے ڈرتا ہے۔ لیکن شریر باغی اس سے باز نہ آئے اور لڑتے رہے، حالانکہ انہیں رکنے کا حکم دیا گیا تھا۔ انہوں نے جان بوجھ کر عائشہ رضی اللہ عنہا کو نشانہ بنایا، یہ جانتے ہوئے کہ ان کے قتل سے ملت اسلامیہ کے اندر ایک ایسی آگ بھڑک اٹھے گی جو شاید کبھی نہ بجھے گی۔ لیکن اس کے پیروکار اس کی حفاظت کے لیے بہادری سے لڑے۔

علی رضی اللہ عنہ سمجھ گئے کہ جب تک عائشہ رضی اللہ عنہا میدان جنگ میں ہیں لڑائی جاری رہے گی اور جب تک وہ حقیقی خطرے میں تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں میدان جنگ سے نکالنے کا حکم دیا۔ اس کا ہودہ جس کے اندر وہ بیٹھی تھی علی رضی اللہ عنہ کے پاس لائی گئی اور آپ نے اسے حکم دیا کہ اسے حفاظت میں لے جایا جائے۔ جب وہ میدان جنگ سے نکلی تو اس کے پیروکار بھی میدان جنگ سے پیچھے ہٹ گئے جس سے لڑائی ختم ہو گئی۔

علی رضی اللہ عنہ نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ کسی زخمی سپاہی کو نقصان نہ پہنچائیں، بھاگنے والے کا پیچھا نہ کریں اور ان کے کیمپ میں لائے گئے ہتھیاروں کے علاوہ کوئی مال غنیمت نہ لیں۔ اس نے مخالف فوج سے کہا کہ اگر وہ ان کی جائیداد اس کے کسی آدمی کے پاس پائے تو وہ اسے واپس لے سکتے ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 70-84 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

باغیوں نے ایک اور شیطانی منصوبہ بنایا۔ لیکن انسان کو خیال رکھنا چاہیے کہ برے منصوبے صرف منصوبہ ساز پر ہی اثر انداز ہوتے ہیں، چاہے یہ بات لوگوں پر ظاہر نہ ہو۔

کسی کو کبھی بھی برے کام کرنے کی سازش نہیں کرنی چاہئے کیونکہ یہ ہمیشہ، کسی نہ کسی طرح، ان پر الٹا فائر ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر یہ نتائج اگلے جہان تک موخر کر دیے جائیں تو آخرکار ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو نقصان پہنچانا چاہا جیسا کہ وہ اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت، احترام اور پیار چاہتے تھے۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ان کی تدبیریں انہیں اپنی خواہش سے دور کر دیتی ہیں۔ باب 12 یوسف، آیت 18:

اور وہ اس کی قمیض پر جھوٹا خون لے آئے۔]یعقوب [نے کہا، "بلکہ تمہاری روحوں نے تمہیں کسی " "چیز پر آمادہ کیا ہے، اس لیے صبر سب سے زیادہ مناسب ہے۔

جتنی زیادہ برائی کی تدبیریں کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان کے مقصد سے دور کر دے گا۔ خواہ وہ ظاہری طور پر اپنی خواہش پوری کر لیں، اللہ تعالیٰ جس چیز کی خواہش کی تھی وہ دونوں جہانوں میں ان کے لیے لعنت بن جائے گا الا یہ کہ وہ سچے دل سے توبہ کریں۔ باب 35 فاطر، آیت 43:

لیکن شیطانی سازش اپنے لوگوں کے علاوہ کسی کو نہیں گھیرتی۔ پھر کیا وہ پہلے لوگوں کے ..." ‘‘راستے]یعنی تقدیر [کے سوا انتظار کرتے ہیں؟

بھائیو

اونٹ کی جنگ ختم ہونے کے بعد علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ان تمام مسلمانوں کے لیے رحمت اور مغفرت کی دعا کی جو دونوں طرف سے مارے گئے تھے۔ اس نے تبصرہ کیا کہ مجھے امید ہے کہ وہ اور ان سے اختلاف کرنے والے ان لوگوں میں سے ہوں گے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے باب 15 الحجر، آیت 47 میں کہا تھا:

"اور جو کچھ ان کے سینوں میں ہے ہم اسے نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی ہوں گے، تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔"

امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 87-88 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر، کسی شخص کی جوانی کے دوران ذمہ داریوں کے فقدان اور روزمرہ کے مشترکہ نظام الاوقات کی وجہ سے، جیسے کہ ایک ہی اسکول میں جانا، لوگ دوسروں کے ساتھ مضبوط اور قریبی رشتے بناتے ہیں، جیسے بہن بھائی یا دوست۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں کی ذمہ داریاں بڑھتی اور مختلف ہوتی ہیں اور ان کے روزمرہ کے نظام الاوقات میں تبدیلی کی وجہ سے لوگ مختلف خصوصیات اپناتے ہیں۔ اس کی وجہ سے ان کے درمیان تعلقات کمزور ہو جاتے ہیں اور بعض صورتوں میں وہ ایک دوسرے سے کافی دور ہو جاتے ہیں۔

یہ اکثر ان گھروں میں دیکھا جاتا ہے جن کے بہت سے بہن بھائی یا دوستوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو اپنی زندگی میں منفرد راستہ بنایا ہے جو دوسروں

سے مختلف ہے۔ یہ اس کی لامحدود قدرت کی نشانی ہے۔ اربوں لوگ ابھی تک، کوئی دو راستے ایک جیسے نہیں ہیں۔ ان راستوں میں فرق لوگوں کے ایک دوسرے سے دور ہونے کی بنیادی وجہ ہے۔ بہترین دوست صرف نام سے دوست بنتے ہیں۔ قریبی بہن بھائی جذباتی طور پر ایک دوسرے سے دور ہو جاتے ہیں۔ یہ تقدیر کا ایک حصہ ہے اور واقعی ناگزیر ہے۔ اس نکتے کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ کچھ لوگ اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ناشکرے ہو سکتے ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں آنے والی تبدیلیوں کو ناپسند کرتے ہیں جو دوسروں کے ساتھ ان کے تعلقات میں تبدیلی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن ان کی زندگیوں میں یہ تبدیلیاں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے منتخب کی ہیں لہٰذا انہیں ناپسند کرنا اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو ناپسند کرنا ہے۔ ایک مسلمان کو چیزوں کو مثبت انداز میں دیکھنا چاہیے۔ یعنی انہیں امید رکھنی چاہئے کہ آخرت میں ایک دن وہ مضبوط رفاقت جو انہوں نے کسی کے ساتھ بانٹ دی تھی وہ ایک بار پھر جعلی ہو جائے گی لیکن اس سے کہیں زیادہ بلند اور اٹوٹ سطح پر۔ اس امید سے ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ فرمانبردار بننے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے، یہ جانتے ہوئے کہ یہ نتیجہ صرف اس کے فرمانبردار بندوں کو ہی ملے گا۔ اس کے علاوہ، یہ ایک مسلمان کو اپنے ساتھی کی خواہش اور دعا کرنے کا باعث بنے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ محنت کرے۔ سنن ابو داؤد نمبر 1534 میں موجود حدیث کے مطابق یہ عمل صالح ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کا بھی ثواب ملے گا۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ محبت نہ کرے۔ دوسروں کے لیے جو وہ اپنے لیے پسند کرتے ہیں۔ لہٰذا اس ذہنیت کو اپنانے سے ایک مسلمان کو ناشکری سے بچنے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں زیادہ محنت کرنے اور زیادہ اجر حاصل کرنے میں مدد ملے گی، اس امید کے ساتھ کہ وہ ایک بار پھر اپنے ساتھی کے ساتھ ایک مضبوط بندھن حاصل کر سکیں گے۔ باب 15 الحجر، آیت 47:

"اور جو کچھ ان کے سینوں میں ہے ہم اسے نکال دیں گے، وہ بھائی بھائی ہوں گے، تختوں پر آمنے سامنے ہوں گے۔"

نرمی

اونٹ کی جنگ کے بعد، علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ان مسلمانوں سے بہت نرمی سے بات کی جنہوں نے آپ کے خلاف جنگ کی تھی اور واضح کیا کہ انہیں آپ سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے اس کے خلاف لڑنے کے ان کے فیصلے کا احترام کیا اور اسے کبھی ان کے خلاف نہیں رکھا۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے اس کی بیعت کی اور اس کی اطاعت کی قسم کھائی۔ آپ نے طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کے دو بیٹوں موسیٰ اور عمران رضی اللہ عنہ پر زیادہ مہربانی کی۔ اس کے ساتھ بیعت کرنے کے بعد دوسرے سپاہیوں نے بھی بیعت کی۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 88 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ کسی سے لڑنے یا بدلہ لینے میں دلچسپی نہیں رکھتے تھے، وہ صرف مسلمانوں کے درمیان اتحاد چاہتے تھے۔

جامع ترمذی نمبر 2701 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے۔

یہ ایک اہم خصوصیت ہے جسے تمام مسلمانوں کو اپنانا چاہیے۔ اسے اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں استعمال کیا جانا چاہیے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ نرم مزاجی سے خود مسلمان کو کسی اور سے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے برکتیں اور اجر و ثواب حاصل کریں گے اور گناہوں کی مقدار کو کم کریں گے، کیونکہ ایک شریف آدمی اپنے قول و فعل سے گناہوں کا امکان کم رکھتا ہے، بلکہ اس سے انہیں دنیاوی معاملات میں بھی فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، جو شخص اپنے شریک حیات کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے وہ بدلے میں زیادہ پیار اور عزت حاصل کرے گا اگر وہ اپنے شریک حیات کے ساتھ سختی سے پیش آئے۔ جب بچوں کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کیا جاتا ہے تو بچے اپنے والدین کی فرمانبرداری اور احترام کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ کام پر

موجود ساتھی اس کی مدد کرنے کا زیادہ امکان رکھتے ہیں جو ان کے ساتھ نرمی سے پیش آتا ہے۔ مثالیں لامتناہی ہیں۔ صرف انتہائی شاذ و نادر ہی صورتوں میں سخت رویہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ زیادہ تر معاملات میں، نرم رویہ سخت رویہ سے کہیں زیادہ موثر ہوگا۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابھی تک بے شمار خوبیوں کے مالک ہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ان کی نرمی کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے کیونکہ یہ ایک اہم جز ہے جو دوسروں کو مثبت انداز میں متاثر کرنے کے لیے ضروری ہے۔ باب 3 آل عمران، آیت 159:

"پس اللہ کی رحمت سے،]اے محمد[، آپ نے ان کے ساتھ نرمی کی۔ اور اگر تم بدتمیز ہوتے اور دل میں سخت ہوتے تو وہ تمہارے اردگرد سے ہٹ جاتے۔''

ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ وہ کبھی بھی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ شخص جس کے ساتھ وہ بات چیت کرتے ہیں وہ فرعون سے بدتر ہو گا، اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو یہ حکم دیا تھا۔ فرعون کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں۔ باب 20 طہٰ، آیت 44:

''اور اس سے نرمی سے بات کرو شاید کہ وہ نصیحت حاصل کرے یا اللہ سے ڈرے''۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام معاملات میں نرمی اختیار کرے کیونکہ اس سے بہت زیادہ اجر ملتا ہے اور دوسروں جیسے کہ اپنے خاندان پر مثبت اثر پڑتا ہے۔

چیزوں کو جانے دینا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو آپس میں اختلاف کرتے تھے کبھی ایک دوسرے کے لیے منفی جذبات پیدا نہیں کرتے تھے، جیسا کہ سب نے جو کچھ کیا وہ اللہ کے لیے اخلاص کے ساتھ کیا، نہ کہ دنیاوی فائدے کے لیے۔ کسی دوسرے شخص کی طرف سے باوجود .مثال کے طور پر علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ دو لوگوں کو کوڑے مارے جب انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر لعنت کی تھی۔ عمار بن یاسر جو کہ اونٹ کی جنگ میں علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا پر تنقید کرنے والوں پر سخت تنقید کی۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 93 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی نے بھی عائشہ رضی اللہ عنہا کو گھر واپس آنے کے لیے درکار تمام سہولیات فراہم کیں اور انہیں باعزت رخصت کیا۔ جانے سے پہلے اس نے لوگوں سے کہا کہ وہ صرف اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ)عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے خلاف (مزید تیزی سے کارروائی کی جانی چاہیے تھی۔ اور یہ کہ کوئی شخص اونٹ کی لڑائی میں پیش آنے والے واقعات کو دوسروں کے خلاف زیادتی کے لیے استعمال نہ کرے۔ اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ان کے اختلاف رائے کے باوجود وہ علی رضی اللہ عنہ کو بہترین لوگوں میں شمار کرتی تھی۔ جواب میں علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ وہ اپنے عمل میں مخلص ہے اور دوسروں کو یاد دلاتی ہے کہ وہ دنیا اور آخرت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 109 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ان تمام لوگوں اللہ سبحانہ وتعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حقیقی محبت کی نشانی سے محبت کرنا جو اللہ عزوجل اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے لیے، خواہ یہ ان کے بارے میں کسی کی ذاتی رائے کے خلاف ہو۔ اس محبت میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے الفاظ کے ذریعے اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے اعمال کے ذریعے محبت کا اعلان کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر یہ بات سب پر ظاہر ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اہل بیت رضی اللہ عنہم، تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اور صالحین اس سچی محبت کے حامل

تھے۔ پس ان میں سے ہر ایک سے محبت اس شخص پر فرض ہے جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ کرے۔ یہ بہت سی احادیث سے ثابت ہے جیسے کہ صحیح بخاری نمبر 17 میں موجود ہے۔ اس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگاروں سے محبت کا مطلب یہ ہے کہ مدینہ کے مقدس شہر کے رہنے والوں سے محبت ہے۔ ایمان کا حصہ اور ان سے نفرت منافقت کی نشانی ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3862 میں موجود ایک اور حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو واضح طور پر تنبیہ فرمائی ہے کہ وہ کسی بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر تنقید نہ کریں کیونکہ ان سے محبت کرنا اس کی علامت ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرنا اور ان سے بغض رکھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اللہ تعالیٰ سے بغض رکھنے کی علامت ہے۔ یہ شخص اس وقت تک کامیاب نہیں ہو گا جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کرے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 143 میں موجود ایک حدیث میں اپنے مبارک گھر والوں کے بارے میں اسی طرح کا بیان فرمایا ہے۔

اگر کوئی مسلمان کسی ایسے مسلمان پر بلاجواز تنقید کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس سے ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی ثابت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مسلمان گناہ کرتا ہے تو دوسرے مسلمانوں کو اس گناہ سے نفرت کرنی چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے پھر بھی گناہ گار مسلمان کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کی وجہ سے اس سے محبت رکھنا چاہیے۔ اس پر درود ہو۔ دوسروں سے محبت کرنے کی علامت ان کے ساتھ حسن سلوک اور احترام سے پیش آنا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، کسی کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ سلوک کریں۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو ان تمام لوگوں کو ناپسند کرنا چاہیے جو ان لوگوں کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں، خواہ وہ شخص رشتہ دار ہو یا اجنبی۔ ایک مسلمان کے جذبات انہیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سچی محبت کے اس نشان کو پورا کرنے سے کبھی نہیں روک سکتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان کو نقصان پہنچائیں بلکہ ان پر واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرنے والوں سے عداوت ناقابل قبول ہے۔ اگر وہ اس منحرف رویے پر قائم رہیں تو جب تک وہ سچے دل سے توبہ نہ کر لیں ان سے الگ ہو جانا چاہیے۔

خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی کوفہ کی طرف ہجرت

خلافت کو منتقل کرنا

اونٹ کی جنگ کے بعد علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے کوفہ جانے کا عزم جاری رکھا۔ اس کی خواہش تھی کہ وہ اسلامی سلطنت کے اندر فتنہ و فساد کے منبع سے قریب تر ہوں تاکہ وہ ذاتی طور پر اور براہ راست اس سے نمٹ سکے۔ اپنی آمد پر اس نے لوگوں کو نیکی کرنے کی تلقین کی اور برائی سے منع کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 148 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا

ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ اور معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان اختلاف

سیفین کی جنگ

مزید مسائل

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی وہ قمیص جو انہوں نے شہادت کے وقت پہنی ہوئی تھی، شام کے گورنر معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچی اور اہل شام نے کہا۔ غصہ بڑھ گیا اور اپنے قاتلوں سے انصاف مانگنے پر بضد ہو گیا۔ انہوں نے وہی رویہ اختیار کیا جو عائشہ، طلحہ اور عز زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنایا، جیسا کہ ان سب کا عقیدہ تھا کہ جب تک عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو سزا نہ دی جائے، اسلامی سلطنت میں حالات درست نہیں ہوں گے۔ فوری طور پر انہوں نے علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی بیعت کو اس وقت تک روک دیا جب تک کہ ان کے مطالبات پورے نہ ہو جائیں۔ علی رضی اللہ عنہ نے فیصلہ کیا کہ سب سے پہلے ان فتنوں سے نمٹیں گے جو اسلامی سلطنت میں پھیلی ہوئی تھیں اور جب وہ آباد ہو جائیں گے تو وہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے نمٹیں گے۔ اس کا خیال تھا کہ ان کے ساتھ فوری طور پر نمٹنا زمین میں فسادات اور فساد کو مزید بھڑکا دے گا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو خدشہ تھا کہ یہ منصوبہ باغیوں کو مضبوط ہونے اور اسلامی سلطنت میں مزید مسائل پیدا کر دے گا۔

جیسا کہ معاویہ کا تعلق عثمان رضی اللہ عنہ سے تھا، اس لیے ان کا خیال تھا کہ فوری طور پر قانونی انتقام لینا ان کا حق ہے۔ باب 17 الاسراء، آیت 33:

اور اس جان کو قتل نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے۔ اور جو ناحق مارا جائے " تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دے دیا ہے لیکن وہ جان لینے کے معاملے میں حد سے تجاوز نہ "کرے۔ درحقیقت، اس کی حمایت]قانون کے ذریعے [کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان جو لڑائی ہوئی، وہ خلیفہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے سلسلے میں ان کے اختلاف کی بنیاد پر تھی۔ معاویہ، عثمان رضی اللہ عنہ کا رشتہ دار تھا، اور اس لیے اسے یقین تھا کہ اسے قاتلوں سے ذاتی طور پر بدلہ لینے کا حق ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے ان سے اختلاف کیا کیونکہ وہ خلیفہ تھے اور اس لیے قاتلوں سے براہ راست اپنے طریقے سے نمٹیں گے۔ ان کے اختلاف کا دولت اور اختیار سے کوئی تعلق نہیں تھا، کیونکہ یہ ان کے ماضی کے اعمال اور اخلاص کے واضح طور پر متصادم تھا۔ ان کے اخلاص اور ماضی کے اعمال کی براہ راست اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف کی ہے۔ چونکہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص تھے، اس لیے یہ خیال کرنا مناسب نہیں کہ وہ دنیاوی چیزوں کی خاطر لڑے تھے۔ بلکہ کسی کی پوشیدہ نیت کو اس کے ماضی کے طرز عمل اور مستند شواہد سے پرکھنا چاہیے جو اس کے حق میں یا خلاف ہو سکتا ہے۔ اگر کوئی ان کے کرداروں کے بارے میں ان کے ماضی کے طرز عمل اور شواہد کا جائزہ لے، قرآن مجید سے براہِ راست اخذ کردہ شواہد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح روایات کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک باشعور شخص ہی ان کے اختلاف کی تشریح کر سکتا ہے۔ بہترین طریقے، معنی، ان کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے لیے ان کے اخلاص پر مبنی تھا، نہ کہ دنیاوی فائدے کے لیے۔

اس کے علاوہ علی رضی اللہ عنہ نے صرف معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کی، جب کہ صلح کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں اور انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرنے کا ارادہ کیا۔ اور خلیفہ کو سننا اور اس کی اطاعت کرنا، اور مسلم ریاست میں اتحاد پیدا کرنا۔
:باب 49 الحجرات، آیات 9-10

"اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر واپس آجائے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل سے کام لو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

اس معاملے میں لڑنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر مسلمان اس حکم سے بھاگیں اور اپنے گھروں میں رہیں اور حق کی خاطر ظالموں کے خلاف کھڑے ہونے سے انکار کر دیں تو کوئی قانونی سزا نہیں دی جائے گی اور باطل کا مقابلہ نہیں کیا جائے گا۔ تب منافقین اور بدکرداروں کو تمام مقدس حدود کو پامال کرنا، مسلمانوں کے اموال کو ضبط کرنا، ان کے لوگوں کو قید کرنا اور ان کا خون بہانا آسان ہو جائے گا، کیونکہ وہ ان کے خلاف گروہ در گروہ ہو جائیں گے اور مسلمان یہ کہہ کر ان کا مقابلہ کرنے سے گریز کریں گے کہ وہ یہ کہتے ہیں۔ دوسرے مسلمانوں کے خلاف جنگ کرنا منع ہے۔ لہٰذا آیت میں مذکور مقدمہ میں لڑنا ضروری ہے۔

اس کے علاوہ، دونوں فریقوں نے تسلیم کیا کہ علی رضی اللہ عنہ خلیفہ بننے کے لائق تھے اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے کبھی اس بات کو چیلنج نہیں کیا۔ فضیلت، بزرگی، علم، دینی وابستگی، جرأت اور علی کی صفات، معاویہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک معروف اور معترف تھے۔ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے پر ان دونوں میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ ان میں صرف اس بات پر اختلاف تھا کہ اسے کیسے حاصل کیا جائے۔ علی رضی اللہ عنہ کا بجا طور پر یہ عقیدہ تھا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے قانونی انتقام لینے کے لیے اسلامی ریاست کے قیام تک انتظار کرنے کی ضرورت تھی، کیونکہ فتنہ و فساد پورے عالم اسلام میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد کی حالت۔ علی رضی اللہ عنہ نے سمجھ لیا کہ اگر فوری طور پر بدلہ لیا جائے تو یہ باقی باغیوں کو مزید بغاوت کا ایک اور بہانہ فراہم کرے گا کیونکہ وہ دعویٰ کریں گے کہ انہیں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے پر خاموش کیا جا رہا ہے۔ اس سے مسلمانوں خصوصاً جاہلوں میں مزید انتشار اور انتشار پیدا ہوتا۔ پہلے اسلامی سلطنت کے اندر مختلف شہروں کو مستحکم کرنے اور پھر قاتلوں کے خلاف قانونی کارروائی کرنے سے معاشرے میں مزید انتشار اور افراتفری کو روکا جاتا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے اختلاف کیا اور قاتلوں کو فوراً سزا دینے کی خواہش کی اور اس کے نتیجے میں اس نے علی رضی اللہ عنہ سے بیعت کی، یہاں تک کہ ان کا مطالبہ پورا ہو گیا۔ جس سے دونوں کے درمیان لڑائی ہو گئی۔

اس اختلاف سے تین گروہ نکلے، جن میں سے سبھی نے اپنے فیصلے درج ذیل آیات پر کیے۔ باب 49 الحجرات، آیات 9-10:

" اور اگر مومنین کے دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان دونوں کے درمیان صلح کرا دو۔ لیکن اگر ان میں سے ایک دوسرے پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور اگر واپس آجائے تو ان کے درمیان عدل کے ساتھ صلح کرا دو اور عدل سے کام لو۔ بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ مومن تو بھائی بھائی ہیں، لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کرا دو۔ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔"

ایک گروہ کا خیال تھا کہ خلیفہ علی رضی اللہ عنہ حق پر ہیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق سننے اور ماننے کے مستحق ہیں اور اس لیے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ باب 4 النساء آیت 59:

" اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور تم میں سے صاحبان امر..."

دوسروں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو درست مانا اور اس لیے ان کے ساتھ شامل ہو گئے۔ ایک تیسرا گروہ اس بات پر یقین نہیں رکھتا تھا کہ کون زیادہ صحیح ہے اور اس لیے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ جب تک انہیں یقین نہیں ہے وہ کسی فریق سے لڑ نہیں سکتے اور اس لیے انہوں نے اس میں شامل ہونے سے گریز کیا۔ ان میں سے ہر ایک گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مخلص مسلمانوں پر مشتمل تھا۔

آخر کار چونکہ یہ دونوں اعلیٰ درجے کے اسلامی علم اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے، وہ دونوں آزاد استدلال کے درجے پر تھے۔ یہ کسی کو اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیرجانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔ اس کے مطابق علی اور معاویہ رضی اللہ عنہ دونوں کو ان کے اختلاف رائے کا بدلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا جائے گا۔

علی رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف ایک ایلچی اور ایک خط بھیج کر انہیں اونٹ کی لڑائی سے آگاہ کیا اور انہیں یاد دلایا کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے متفقہ طور پر انہیں خلیفہ مقرر کیا ہے اس لیے بیعت کر لینی چاہیے اور اسے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے اپنے طریقے سے نمٹنے کی اجازت دینی چاہیے۔ لیکن شام کے اعلیٰ حکام سے مشورہ کرنے کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ وہ قاتلوں کو انصاف کے کٹہرے میں لانے کے بعد ہی بیعت کریں گے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر شام کی طرف اس امید پر کوچ کیا کہ معاملات ہاتھ سے نکل جانے سے پہلے درست ہو جائیں گے۔

جب دونوں فریق صفین پہنچے تو دونوں فوجوں کے درمیان کچھ چھوٹی چھوٹی جھڑپیں ہوئیں، کیونکہ کوئی بھی فریق ہر طرح کی لڑائی میں حصہ نہیں لینا چاہتا تھا، کیونکہ اس سے بہت سے مسلمانوں کی ہلاکتیں ہوئیں۔

بہت سے صحابہ مثلاً ابو درداء اور ابو امامہ رضی اللہ عنہ دونوں فریقوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے آئے لیکن ان کی کوشش ناکام ہوئی اور وہ پیچھے ہٹ گئے اور کسی لڑائی میں شریک نہ ہوئے۔

دونوں طرف سے مصالحت کی کوششیں کی گئیں لیکن کسی بھی فریق نے اپنا موقف نہیں بدلا۔

جنگ کے دوران علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جو بھی مسلمان سپاہی اس یقین کے ساتھ لڑے کہ وہ سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر رہا ہے اور مارا گیا تو وہ جنت میں داخل ہو گا، خواہ وہ کسی بھی طرف ہوں۔

لڑائی کے دوران عمار بن یاسر نے، جو علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ لڑ رہے تھے، اپنے ایک سپاہی پر شامی فوج کو کافر کہنے پر تنقید کی۔ اس نے اس کی اصلاح کی اور کہا کہ شامی فوج نے ان پر زیادتی کی ہے اور وہ اس زیادتی کی وجہ سے ان سے لڑ رہے ہیں۔ ان کا خدا ایک تھا، ان کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایک تھے اور ان کی نماز کا رخ ایک تھا۔ عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں بالآخر شہید ہو گئے۔ صحیح مسلم نمبر 7322 میں موجود ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ خبردار کیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کو ایک گروہ کے ہاتھوں قتل کر دیا جائے گا جو غلط ہے۔ ان کی شہادت ایک اہم وجہ تھی جس نے معاویہ کے فریق کو علی رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کی ترغیب دی۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 19-22، 36-37 اور 142-159 میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

جنگ بندی کا مطالبہ

جنگ صفین کچھ عرصے تک جاری رہی اور فوجیں تھک گئیں۔

اشعث ابن قیس جو کہ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے جرنیلوں میں سے ایک تھا، نے جب بہت سے مسلمانوں کی موت دیکھی تو اس نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ اگر وہ لڑتے رہے تو وہ سب مارے جائیں گے اور کوئی بھی نہیں۔ اسلامی سلطنت، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا جائے گا۔ اس کے کہنے کی خبر معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ تک پہنچی اور انہوں نے اس سے اتفاق کیا اور مزید کہا کہ رومی اور فارس اس موقع سے فائدہ اٹھا کر شام اور عراق پر حملہ کریں گے۔ درحقیقت رومی بادشاہ نے اس موقع کو غنیمت جانا اور اس پر قبضہ کرنے کی امید میں اسلامی سرزمین کی طرف کوچ کیا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ نے انہیں خط لکھا۔ اس نے اسے اپنی سرزمین پر واپس آنے کی تاکید کی ورنہ وہ علی رضی اللہ عنہ سے صلح کر لے گا اور وہ دونوں مل کر اس پر حملہ کریں گے۔ رومی بادشاہ یہ دھمکی ملنے کے بعد پیچھے ہٹ گیا۔

معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ قرآن پاک کو اپنے نیزوں کے سرے پر باندھ دیں تاکہ صلح کا مطالبہ کیا جائے اور قرآن پاک کی روشنی میں اس معاملے پر پرامن گفتگو کی جائے تاکہ دونوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے۔ فوجیں بنائی جا سکتی ہیں۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے ان سے اتفاق کیا اور کہا کہ علی رضی اللہ عنہ فیصلے کے لیے اللہ کی کتاب کے پاس آنے سے انکار نہیں کریں گے۔ درحقیقت جب علی رضی اللہ عنہ کے پاس قرآن مجید لایا گیا اور مندرجہ ذیل آیت ان کو پڑھ کر سنائی گئی تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ سب سے پہلے قرآن کریم کو تسلیم کرنے والے ہوں گے۔ باب 3 علی عمران، آیت 23:

" کیا تم ان لوگوں پر غور نہیں کرتے جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا؟ انہیں اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے۔ پھر ان میں سے ایک جماعت منہ پھیر لیتی ہے اور وہ انکار کرتے ہیں۔

یہ تجویز کرنا کہ یہ کسی طرح علی کے خلاف ایک چال تھی تاکہ معاویہ رضی اللہ عنہ شکست سے بچ سکیں اور بعد کی تاریخ میں ان کے خلاف دوبارہ منظم ہو جائیں، ایک صریح بہتان ہے۔ جیسا کہ تاریخ ثابت کرتی ہے کہ معاویہ رضی اللہ عنہ کوئی بزدل نہیں تھے اور جس چیز کے لیے وہ صحیح راستہ سمجھتے تھے اس کے لیے وہ ہمیشہ بے چین رہتے تھے۔ مزید برآں، کسی کو دھوکہ دینے کے لیے قرآن پاک کا استعمال کرنا اس کے اور کسی دوسرے صحابی، ان کے رویہ اور کردار سے بالکل متصادم ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نہیں بلکہ مصیبت زدوں کا یہ رویہ تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اندیشہ تھا کہ اگر لڑائی جاری رہی تو ملت اسلامیہ کے زوال کا شکار ہو جائیں گے اور اس لیے انہوں نے جنگ بندی کا مطالبہ کیا۔ یہاں تک کہ اس نے علی رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ ان دونوں میں سے کسی کو بھی یہ توقع نہیں تھی کہ لڑائی اتنی شدت تک پہنچ جائے گی، ورنہ وہ پہلے کبھی نہ لڑتے۔ اس نے علی رضی اللہ عنہ سے صلح کرنے کی تاکید کی کیونکہ ان کے درمیان جو کچھ تھا اسے درست کرنے میں دیر نہیں لگی تھی۔ یہ فسادی ہی تھے جنہوں نے لڑائی کو جاری رکھنے پر زور دیا کیونکہ وہ ملت اسلامیہ کے خاتمے کے خواہاں تھے لیکن اس مفاہمت سے ان کے مذموم عزائم خاک میں مل گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 160-174 اور 178-179 میں اس پر بحث ہو چکی ہے۔

اعلیٰ اخلاق کی پابندی کرنا

صفین کی جنگ کے دوران بھی دونوں فریقین نے حسن سلوک کی پابندی کی۔ مثال کے طور پر، وہ ایک دوسرے کو زمین میں پانی کے ذرائع سے محروم نہیں کریں گے۔ وہ نماز پڑھنے کے لیے لڑنا چھوڑ دیتے۔ جب لڑائی بند ہو جاتی تو ہر طرف سے فوجی اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے بات کرنے کے لیے مخالفین کے کیمپ میں داخل ہو جاتے۔ انہوں نے ہلاک ہونے والے مسلمانوں کا احترام کیا اور ان کی نماز جنازہ کا اہتمام کیا، خواہ وہ مخالف کیمپ کے فوجی ہی کیوں نہ ہوں۔ قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کیا گیا۔ اگر قیدیوں نے لڑائی بند کرنے کی قسم کھائی تو انہیں ان کے تمام سامان کے ساتھ رہا کر دیا گیا۔ اگر انہوں نے لڑائی روکنے سے انکار کر دیا تو لڑائی ختم ہونے تک انہیں حراست میں لے لیا گیا۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 173-176 میں بحث کی گئی ہے۔

یہ تمام خصوصیات بتاتی ہیں کہ وہ جنگ نہیں کر رہے تھے دنیاوی مقاصد تھے۔ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کے ساتھ لڑ رہے تھے، یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ حق پر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مخالف کیمپ کے سپاہیوں کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں کی۔ اگر وہ دنیاوی وجوہات کی بنا پر لڑتے تو یقیناً ایک دوسرے کے ساتھ اتنا اچھا سلوک نہ کرتے۔

عام طور پر، یہ اعلی کردار کو اپنانے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے.

جامع ترمذی نمبر 2003 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قیامت کے ترازو میں سب سے بھاری چیز حسن اخلاق ہوگی۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حسن سلوک، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس میں لوگوں کے ساتھ اچھے کردار کا مظاہرہ بھی شامل ہے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ کے حوالے سے واجبات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے

ہیں، لیکن دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرکے دوسرے پہلو کو نظرانداز کرتے ہیں۔ وہ اس کی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ یعنی جس طرح انسان کے ساتھ حسن سلوک کی خواہش ہوتی ہے اسے چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آئے ورنہ وہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ حقیقی کامیاب لوگ صرف مومن ہوتے ہیں۔

اس کے علاوہ، کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی زبانی اور جسمانی نقصان کو دوسروں اور ان کے مالوں سے دور نہ رکھے، خواہ اس کا عقیدہ کچھ بھی ہو۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3318 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ فرمائی کہ ایک عورت جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے بلی کے ساتھ بدسلوکی کی جس سے اس کی موت واقع ہوئی۔ اور سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں ایک اور حدیث ملتی ہے کہ ایک آدمی کو پیاسے کتے کو کھانا کھلانے کی وجہ سے معاف کر دیا گیا۔ اگر یہ اچھا کردار دکھانے کا نتیجہ ہے اور جانوروں کو برے کردار دکھانے کا نتیجہ ہے تو کیا اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ درحقیقت زیر بحث مرکزی حدیث اس نصیحت کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ اچھے کردار والے کو اس مسلمان کی طرح اجر ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت کرتا ہے اور باقاعدگی سے روزے رکھتا ہے۔

مشکوک اور ناجائز

غور طلب بات یہ ہے کہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مسلمانوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے اور لڑائی سے بچنے کی بھرپور کوشش کی۔ جن لوگوں نے اونٹ اور صفین کی جنگوں میں فریق بننے سے گریز کیا، ان پر تنقید نہیں کی جا سکتی اور نہ ہی کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے اس معاملے میں فریق بننے والوں کی تنقید کی۔ وہ لوگ جنہوں نے فریق بننے سے گریز کیا وہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کر رہے تھے، جنہوں نے واضح فرمایا کہ شکوک پیدا کرنے والی چیزوں سے پرہیز کرنا ہمیشہ بہتر ہے۔ جامع ترمذی کی حدیث نمبر 1205 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ چونکہ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس بات میں تذبذب کا شکار تھے کہ کس کی حمایت کریں، اس لیے انہوں نے صحیح رویہ اختیار کیا اور فریق بننے سے گریز کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان کی طرف داری کی جیسا کہ انہوں نے قرآن مجید اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے بارے میں اپنی رائے کا فیصلہ کیا، اس لیے وہ سب بری الذمہ ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب کوئی عالم غلط حکم دیتا ہے تو اسے اس کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملتا ہے۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام نے حلال و حرام کو واضح کر دیا ہے۔ ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن سے بچنا چاہیے تاکہ ایمان اور عزت کی حفاظت ہو۔

مسلمانوں کی اکثریت فرض فرائض اور شراب نوشی جیسی حرام چیزوں کی اکثریت سے واقف ہے۔ لہٰذا یہ مسلمانوں کے اندر کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کرتے اس لیے ان کو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق فرائض کو پورا کرو اور حرام سے پرہیز کرو۔ باقی تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں اور معاشرے میں شکوک پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ کسی نے رضاکارانہ عمل کیوں نہیں کیا بلکہ وہ پوچھے گا کہ اس نے رضاکارانہ عمل کیوں کیا۔ اس لیے رضاکارانہ عمل کو چھوڑنے کا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جب کہ رضاکارانہ عمل کرنے سے سزا، جزا یا معافی ہوگی۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس مختصر مگر انتہائی اہم حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ بہت سے مسائل اور بحثوں کو حل اور روک دے گی۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب کوئی مشتبہ یا حتیٰ کہ فضول چیزوں میں ملوث ہوتا ہے تو یہ اسے غیر قانونی کے قریب لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، گنہگار تقریر اکثر بیکار اور بیکار تقریر سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے ایمان اور عزت کے لیے یہ زیادہ محفوظ ہے کہ وہ مشکوک اور لغو باتوں سے بچ جائے۔

اس کے علاوہ جب سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا کہ آپ کیوں ملوث نہیں ہوئے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا :، گمنام بندے سے محبت کرتا ہے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

گمنام ہونے کا مطلب ہے کہ مسلمان کو شہرت حاصل کرنے کے لیے دنیاوی یا دینی معاملات میں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بن سکتا ہے، جیسے دکھاوا، اور یہ صرف ایک کے اجر کو ختم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ شہرت حاصل کرنا دین کے لیے دو بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ مشہور ہو جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو برقرار رکھے، اس کی اطاعت میں کوئی تبدیلی کیے بغیر لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔

قیامت کے دن کی تیاری

جنگ صفین سے واپسی پر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے ایک قبرستان سے گزرے اور وہاں کے باشندوں کے لیے دعا کی۔ انہوں نے تبصرہ کیا کہ بشارت اس کے لیے ہے جو قیامت کو یاد رکھتا ہے، اپنے آپ کو حساب کے لیے تیار کرتا ہے اور اس دنیا میں جو کچھ دیا گیا ہے اس پر راضی ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 180-181 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صور پھونکا مخلوق کی موت کا باعث بنے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 7381 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ جاننے کی اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک ایسی اذان ہے جس کا جواب نہ کوئی دے سکتا ہے اور نہ ہی رد کرے گا۔ یہ قیامت اور آخری فیصلے کی طرف لے جائے گا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی پکار پر لبیک کہنے کے لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے، اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اطاعت کریں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق۔ باب 8 انفال، آیت 24:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اللہ اور رسول کی بات مانو جب وہ تمہیں اس چیز کی طرف بلائے جو تمہیں زندگی بخشتی ہے۔"

جو بھی اس دنیا میں اس پکار کا جواب دے گا وہ آخری پکار کو برداشت کرنے اور اس کا جواب دینے میں آسان پائے گا۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کی پکار سے غافل رہنے والے کو اس دنیا میں سکون نہیں ملے گا اور وہ صور کی پکار پر لبیک کہنے پر مجبور ہوں گے جو ان کے لیے برداشت کرنا اور اس پر لبیک کہنا بہت بڑا بوجھ ہوگا۔ .ایک شخص اللہ تعالیٰ کی پکار کو صرف اس وقت تک نظر انداز کر سکتا ہے جب تک کہ آخری دعوت جلد یا بدیر واقع ہو گی اور کوئی بھی اس سے بچنے یا نظر انداز نہیں کر سکے گا۔ اگر یہ ناگزیر ہے تو یہ سمجھ میں آتا ہے کہ کوئی غفلت میں رہنے کے بجائے آج ہی اس کا جواب دے۔ اگر کوئی صور پھونکنے کی آواز سنتا ہے

اور غافل ہوتا ہے تو کوئی عمل یا پشیمانی اس کو فائدہ نہیں دے گی اور اس کے بعد جو کچھ آئے گا وہ اس سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا۔

ایک غلط خصلت

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور ان کی طرف سے لڑنے والے مسلمانوں پر لعنت بھیجنے والوں پر سخت تنقید کی۔ وہ ان سے درخواست کرے گا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ دونوں طرف رحم کریں اور ان کے درمیان صلح کرائیں۔ اور نہ ہی معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی قوم کو علی رضی اللہ عنہ اور ان کے پیروکاروں پر لعنت بھیجنے کی اجازت دی۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 182 میں بحث ہوئی ہے۔

لعنت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لیے دعا کرتا ہے کہ اسے کسی چیز سے یا کسی اور سے ہٹا دیا جائے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ کون لعنت کا مستحق ہے اور کون اس کی رحمت سے محروم ہے۔ اس لیے اس فضول عادت سے بچنا چاہیے۔ ایسے شخص پر لعنت بھیجنا جو اس کا مستحق نہیں ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خواہاں ہے کہ اسے کسی اور سے ہٹایا جائے وہ اس کے بدلے ان سے دور کر دیا جائے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2019 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ سچا مومن لعنت نہیں کرتا۔ جن مسلمانوں کو لعنت کرنے کی عادت ہے وہ اللہ تعالیٰ کو اس قدر ناپسند ہیں کہ وہ قیامت کے دن گواہ اور سفارشی ہونے سے محروم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن باقی مخلوق کے سامنے انہیں دکھانا ناپسند کرے گا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6610 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے ۔

آخر میں صحیح بخاری نمبر 6652 میں موجود ایک حدیث مومن پر لعنت کرنے کی شدت کو واضح کرتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مومن پر لعنت کرنا انہیں قتل کرنے کے مترادف ہے۔

یہاں تک کہ اگر کوئی لعنت کا مستحق ہے تو اس سے پرہیز کرنا زیادہ محفوظ اور دانشمندی ہے اور اس کے بجائے ایسے الفاظ کہے جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، جیسے اس کا ذکر۔

امن کے لیے کوشاں ہیں۔

جنگ صفین کے ختم ہونے کے بعد دونوں فریقوں نے دونوں گروہوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے ملاقات کرنے پر اتفاق کیا۔ علی ابن ابو طالب نے ابو موسیٰ اشعری کو اور معاویہ ابن ابو سفیان نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو اپنا نمائندہ اور ثالث مقرر کیا۔ ان سب نے صلح کرنے کا فیصلہ کرتے وقت قرآن پاک کی رہنمائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر سختی سے عمل کرنے کا عہد کیا۔ دونوں رہنماؤں نے اپنے دونوں نمائندوں کے متفقہ فیصلے کو قبول کرنے کا عہد کیا۔ اس ثالثی کا اس بات سے کوئی تعلق نہیں تھا کہ خلیفہ کون ہونا چاہیے کیونکہ کسی فریق کو علی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہونے سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔ جس مسئلے پر صلح کی ضرورت تھی وہ یہ تھا کہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے کب اور کیسے نمٹا جائے۔

اگرچہ دونوں فریق اتحاد کے خواہاں تھے، لیکن دونوں ثالث کسی منصوبے پر متفق نہیں ہو سکے۔ دونوں فریقین نے عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں سے اپنے اپنے طریقے سے نمٹنا چاہا اس لیے کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 207-209 اور 273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر مسلمانوں کو ان خصوصیات کو اپنانے کی کوشش کرنی چاہیے جو مسلمانوں کے درمیان اتحاد کی حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 6541 میں موجود ایک حدیث میں معاشرے کے اندر اتحاد پیدا کرنے کے بعض پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے حسد نہ کرنے کی تلقین کی۔

یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اس نعمت کو حاصل کرنے کی خواہش کرتا ہے جس کا کوئی دوسرا معنی رکھتا ہے، وہ اس نعمت سے محروم ہونے کی خواہش کرتا ہے۔ اور اس میں اس حقیقت کو ناپسند کرنا شامل ہے کہ مالک کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے یہ نعمت دی تھی۔ کچھ صرف یہ چاہتے ہیں کہ یہ ان کے دلوں میں پیدا ہو جائے بغیر ان کے عمل یا تقریر کے ذریعہ۔ اگر وہ اپنی سوچ اور احساس کو ناپسند کرتے ہیں تو امید کی جاتی ہے کہ ان کی حسد کی وجہ سے ان کا احتساب نہیں کیا جائے گا۔ بعض اپنے قول و فعل سے کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے سے نعمت چھین لیں جو کہ بلا شبہ گناہ ہے۔ بدترین قسم وہ ہے جب کوئی شخص نعمت کو مالک سے دور کرنے کی کوشش کرے خواہ حسد کرنے والے کو نعمت نہ ملے۔

حسد تب ہی جائز ہے جب کوئی شخص اپنے جذبات پر عمل نہ کرے، ان کے احساس کو ناپسند کرے اور اگر وہ اس جیسی نعمت حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس کے پاس موجود نعمت کو کھوئے بغیر اس کے مالک کی طرف سے کوئی نعمت حاصل نہ ہو۔ اگر چہ یہ قسم گناہ گار نہیں ہے پھر بھی یہ ناپسندیدہ ہے اگر حسد کسی دنیوی نعمت پر ہو اور صرف اس صورت میں قابل تعریف ہے جب اس میں دینی نعمت شامل ہو۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 1896 میں ایک حدیث میں قابل تعریف قسم کی دو مثالیں بیان کی ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ جب کوئی شخص حلال مال حاصل کرنے اور خرچ کرنے والے سے حسد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والا۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی شخص اس شخص سے حسد کرتا ہے جو اپنی حکمت اور علم کو صحیح طریقے سے استعمال کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

حسد کی بری قسم، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، براہ راست اللہ تعالیٰ کے انتخاب کو چیلنج کرتا ہے۔ حسد کرنے والا ایسا برتاؤ کرتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے بجائے کسی اور کو خاص نعمت دے کر غلطی کی ہو۔ اس لیے یہ کبیرہ گناہ ہے۔ درحقیقت جیسا کہ سنن ابوداؤد نمبر 4903 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ حسد نیکیوں کو اس طرح تباہ کر دیتا ہے جس طرح آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

ایک غیرت مند مسلمان کو جامع ترمذی نمبر 2515 میں موجود حدیث پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسروں کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ لہٰذا ایک غیرت مند

مسلمان کو چاہیے کہ وہ جس شخص سے حسد کرتے ہیں اس کے ساتھ حسن سلوک اور مہربانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس احساس کو اپنے دل سے نکالنے کی کوشش کرے، جیسے کہ ان کی خوبیوں کی تعریف کرنا اور ان کے لیے دعا کرنا یہاں تک کہ ان کی حسد ان کے لیے محبت بن جائے۔

ایک اور چیز جو شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں نصیحت کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے نفرت نہ کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی چیز کو صرف اسی صورت میں ناپسند کرنا چاہئے جب اللہ تعالیٰ اسے ناپسند کرے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث میں اسے ایمان کی تکمیل کے پہلو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کو اپنی خواہشات کے مطابق چیزوں یا لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی اپنی خواہشات کے مطابق دوسرے کو ناپسند کرتا ہے تو اسے کبھی بھی اپنے قول و فعل پر اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہیے کیونکہ یہ گناہ ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے کے ساتھ اسلام کی تعلیمات کے مطابق احترام اور مہربانی کے ساتھ سلوک کرتے ہوئے احساس کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ دوسرے لوگ بالکل اسی طرح کامل نہیں ہیں جس طرح وہ کامل نہیں ہیں۔ اور اگر دوسروں میں کوئی بری خصلت ہے تو وہ بھی بلاشبہ اچھی صفات کے مالک ہوں گے۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کو نصیحت کرے کہ وہ اپنی برائیاں چھوڑ دیں لیکن ان میں جو اچھی صفات ہیں ان سے محبت کرتے رہیں۔

اس موضوع پر ایک اور نکتہ بیان کرنا ضروری ہے۔ ایک مسلمان جو کسی خاص عالم کی پیروی کرتا ہے جو کسی مخصوص عقیدے کی حمایت کرتا ہے اسے متعصب کی طرح کام نہیں کرنا چاہئے اور اپنے عالم کو ہمیشہ صحیح ماننا چاہئے اس لئے ان لوگوں سے نفرت کرنا چاہئے جو ان کے علماء کی رائے کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہ طرز عمل اللہ تعالیٰ کے لیے کسی چیز/کسی کو ناپسند کرنے والا نہیں ہے۔ جب تک علماء کے درمیان جائز اختلاف موجود ہے ایک مسلمان کو کسی خاص عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور اس کا احترام کرنا چاہئے اور دوسرے لوگوں کو ناپسند نہیں کرنا چاہئے جو اس کے ماننے والے عالم سے مختلف ہوں۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ مسلمان ایک دوسرے سے منہ نہ پھیریں۔ اس کا مطلب ہے کہ انہیں دنیاوی مسائل پر دوسرے مسلمانوں سے تعلقات منقطع نہیں کرنے چاہئیں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کی حمایت سے انکار کر دینا چاہیے۔ صحیح بخاری نمبر 6077 میں

موجود حدیث کے مطابق ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلق منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ درحقیقت کسی دنیوی مسئلہ میں ایک سال سے زائد عرصہ تک تعلقات منقطع کرنے والا دوسرے مسلمان کو قتل کرنے والے کی طرح سمجھا جاتا ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4915 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ دوسروں کے ساتھ تعلقات منقطع کرنا صرف ایمان کے معاملات میں جائز ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کو خلوص دل سے توبہ کرنے کی تلقین کرتے رہنا چاہیے اور صرف اس صورت میں ان کی صحبت سے گریز کرنا چاہیے جب وہ بہتر کے لیے تبدیلی سے انکار کر دیں۔ جب بھی ان سے ایسا کرنے کی درخواست کی جائے تو انہیں حلال چیزوں میں ان کا ساتھ دینا چاہیے کیونکہ یہ احسان مندانہ عمل انہیں اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دے سکتا ہے۔

زیر بحث مرکزی حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کو آپس میں بھائی بھائی ہونے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ صرف اس صورت میں ممکن ہے جب وہ اس حدیث میں دی گئی سابقہ نصیحت پر عمل کریں اور اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسرے مسلمانوں کے تئیں اپنا فرض ادا کرنے کی کوشش کریں، جیسے کہ بھلائی کے معاملات میں دوسروں کی مدد کرنا اور برائیوں سے خبردار کرنا۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔’’

صحیح بخاری نمبر 1240 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمانوں کے درج ذیل حقوق ادا کرنے چاہئیں :وہ سلام کا جواب دینا، بیماروں کی عیادت کرنا، ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا اور ان کی نماز جنازہ میں شرکت کرنا۔ چھینکنے والا جو اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔ ایک مسلمان کو وہ تمام حقوق سیکھنے اور پورے کرنے چاہئیں جو دوسرے لوگوں خصوصاً دوسرے مسلمانوں کے ان پر ہیں۔

زیر بحث اہم حدیث میں ایک اور بات کا ذکر ہے کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان پر ظلم نہیں کرنا چاہیے، اسے ترک نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی اس سے نفرت کرنی چاہیے۔ انسان کے گناہوں

سے نفرت ہونی چاہیے لیکن گناہ گار ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ وہ کسی بھی وقت صدق دل سے توبہ کر لے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 4884 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ جو شخص کسی دوسرے مسلمان کو ذلیل کرے گا اللہ تعالیٰ انہیں ذلیل کرے گا۔ اور جو شخص کسی مسلمان کو ذلت سے بچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمائے گا۔

شروع میں نقل کی گئی مرکزی حدیث میں مذکور منفی خصوصیات اس وقت پیدا ہو سکتی ہیں جب کوئی شخص غرور اختیار کر لے۔ صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث کے مطابق تکبر اس وقت ہوتا ہے جب انسان دوسروں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھے۔ مغرور شخص خود کو کامل دیکھتا ہے جبکہ دوسروں کو نامکمل دیکھتا ہے۔ یہ انہیں دوسروں کے حقوق ادا کرنے سے روکتا ہے اور دوسروں کو ناپسند کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

ایک اور بات جو اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ حقیقی تقویٰ انسان کی ظاہری شکل و صورت میں نہیں ہے جیسا کہ خوبصورت لباس پہننا، بلکہ یہ ایک باطنی صفت ہے۔ یہ باطنی خصلت ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ اسی لیے صحیح مسلم کی حدیث نمبر 4094 میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب روحانی قلب پاک ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے لیکن جب روحانی قلب فاسد ہوتا ہے تو سارا جسم پاک ہوجاتا ہے۔ کرپٹ ہو جاتا ہے .یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہری صورتوں مثلاً مال و دولت کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی نیتوں اور اعمال پر غور کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6542 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیمات کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے کے ذریعے باطنی تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرے تاکہ یہ ظاہری طور پر اس طرح ظاہر ہو جس طرح وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعامل کرتے ہیں۔ .تخلیق

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان سے بغض رکھنا گناہ ہے۔ اس نفرت کا اطلاق دنیاوی چیزوں پر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دوسروں کو ناپسند نہیں کرنا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے لیے محبت اور بغض رکھنا ایمان کی تکمیل کا ایک پہلو ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ایک مسلمان کو ہر حال میں دوسروں کا احترام کرنا چاہیے اور اس شخص سے نفرت کیے بغیر صرف ان کے گناہوں کو ناپسند کرنا چاہیے۔ اس کے علاوہ، ان کی ناپسندیدگی انہیں کبھی بھی اسلامی تعلیمات کے خلاف کام کرنے پر مجبور نہیں کرے گی کیونکہ اس سے یہ ثابت ہو گا کہ ان کی نفرت ان کی اپنی خواہشات پر مبنی ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ دنیاوی وجوہات کی بنا پر دوسروں کو حقیر سمجھنے کی اصل وجہ تکبر ہے۔ یہ سمجھنا بہت ضروری ہے کہ ایک ایٹم کا فخر کسی کو جہنم میں لے جانے کے لیے کافی ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 265 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

اس کے بعد جو بات اہم حدیث میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ مسلمان کی جان، مال اور عزت سب مقدس ہیں۔ ایک مسلمان کو بغیر کسی جواز کے ان حقوق میں سے کسی کی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ غیر مسلموں سمیت دیگر لوگوں کو ان کے شر سے محفوظ نہ رکھے۔ نقصان دہ تقریر اور اعمال .اور سچا مومن وہ ہے جو دوسروں کی جان و مال سے ان کی برائیوں کو دور رکھے۔ ان حقوق کی خلاف ورزی کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو قیامت کے دن انصاف قائم ہو گا جس کے تحت مظلوم کو ظالم کی نیکیاں ملیں گی اور ضرورت پڑنے پر مظلوم کے گناہ ظالم کو ملیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

آخر میں، ایک مسلمان کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جیسا کہ وہ چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے ساتھ برتاؤ کریں۔ یہ ایک فرد کے لیے بہت زیادہ برکتوں کا باعث بنے گا اور اس کے معاشرے میں اتحاد پیدا ہوگا۔

اینیگیڈز)خارجی(آر

نئے باغی

اگرچہ مخلص مسلمان علی ابن ابو طالب اور معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان ہونے والی ثالثی سے راضی تھے، لیکن مصیبتیں پیدا کرنے والے نہیں تھے، کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کے لانے سے پہلے یہ صرف وقت کی بات ہے۔ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قتل کا انصاف کرنا۔ اس کے بعد انہوں نے ایک اور اسکیم شروع کی جس کے ذریعے انہوں نے جاہل مسلمانوں کو یہ یقین دلانے کے لیے گمراہ کیا کہ قوم کا فیصلہ لوگوں پر چھوڑنا ایمان کے منافی ہے اور اس لیے اسے مسترد کر کے ان کے خلاف لڑنا چاہیے۔ یہ ایک انتہائی احمقانہ بات تھی کیونکہ قرآن کریم اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات عدل کے مطابق فیصلہ کرنے والوں کی اہمیت پر دلالت کرتی ہیں۔ وہ لاتعداد قاضی تھے جنہیں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے مقرر کیا تھا، جو لوگوں کے درمیان ان کے معاملات کا فیصلہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، قرآن پاک نے ایک شادی شدہ جوڑے پر زور دیا ہے کہ وہ اپنے درمیان ثالثی کرنے کے لیے عقلمند ججوں کا انتخاب کریں۔ باب 4 النساء، آیت 35:

" اور اگر تم دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث اس کی قوم سے اور ایک ثالث اس کی قوم سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح کرا دے گا۔

جو جج قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے مطابق فیصلہ کرے اس نے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق فیصلہ کیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی رویہ تھا، جو علی رضی یہ ان آیات کی صحیح تفسیر کے درمیان ثالثی میں شریک تھے۔ اللہ عنہ اللہ عنہ اور معاویہ رضی ہے جن کی باغیوں نے غلط تشریح کی ہے۔ مثال کے طور پر، باب 6 الانعام، آیت 57:

فیصلہ صرف اللہ کے لیے ہے‘‘۔ ’’

یہ باغی اپنے انتہا پسندانہ خیالات کی وجہ سے مسلمانوں کو کافر بھی کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، وہ سمجھتے تھے کہ جس نے بڑا گناہ کیا ہے وہ اپنا ایمان کھو بیٹھتا ہے۔ اس کے نتیجے میں انہوں نے معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ صلح کرنے کو قبول کرنے پر علی کے خلاف بغاوت کی۔ باغیوں کے اس گروہ کے خلاف حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبردار کیا۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے آٹھویں سال مکہ فتح ہوا۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک غیر مسلم قبیلہ ہوازن کی اطلاع ملی جو آپ پر حملہ کرنے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ یہ بالآخر جنگ حنین کا باعث بنا۔ حنین کی فتح کے بعد کچھ غیر مسلم دشمن طائف شہر کی طرف پیچھے ہٹ گئے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر طائف کی طرف ایک مہم کی قیادت کی۔ اس مہم کے بعد حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ واپس تشریف لے گئے۔ مال غنیمت کی تقسیم کے دوران ذوالخواصیرہ نامی ایک منافق نے تبصرہ کیا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم انصاف سے کام نہیں لے رہے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غصے میں آگئے اور جواب دیا کہ اگر میں نے انصاف نہیں کیا تو کون کرے گا؟ جب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس صریح منافق کو قتل کرنے کی اجازت چاہی تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ شخص آخر کار ایک باغی گروہ کی قیادت کرے گا جو اس میں داخل ہو گا اور باہر نکل جائے گا۔ اسلام کا ایمان بالکل اسی طرح ہے جیسے تیر اپنے نشانے سے داخل ہو کر نکلتا ہے۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 3، صفحہ 492-493 میں بحث کی گئی ہے۔

کوئی بھی حدیث مثلاً صحیح بخاری نمبر 6934 میں ان باغیوں پر بحث کریں۔ ان باغیوں نے M اسلام کے چوتھے صحیح رہنما خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی قیادت کو چیلنج کیا۔ یہ حدیث بھی بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ باغی اکثر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے تھے لیکن جس چیز کی وجہ سے وہ اسلام کی حقیقی تعلیمات سے منحرف ہوئے وہ ان کی جہالت تھی۔ انہوں نے احمقانہ طور پر عبادت کو اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے زیادہ اہمیت دی۔ ان کی جہالت کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات کی غلط

تشریح کر رہے تھے جس کی وجہ سے ان کے کبیرہ گناہ ہوئے۔ اگر ان کے پاس صحیح علم ہوتا تو ایسا نہ ہوتا۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ علم کس طرح گناہوں کو روک سکتا ہے، خاص طور پر دوسروں کے لیے، جیسے گھریلو زیادتی۔ ایک شخص صرف اس وقت دوسروں پر ظلم کرنے سے گریز کرتا ہے جب وہ اپنے اعمال کے نتائج سے ڈرتا ہو، یعنی دونوں جہانوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوابدہ اور سزا پانے کا۔ لیکن اپنے اعمال کے نتائج کے خوف کی بنیاد اور جڑ علم ہے۔ علم کے بغیر انسان اپنے اعمال کے نتائج سے کبھی نہیں ڈرتا۔ اس سے ان کی جہالت انہیں گناہوں اور دوسروں پر ظلم کرنے کی ترغیب دے گی۔

اگر معاشرہ لوگوں کے خلاف گھریلو زیادتیوں اور دیگر جرائم کے واقعات کو کم کرنا چاہتا ہے تو اسے علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کو ترجیح دینی چاہیے کیونکہ صرف عبادت ہی ایسا نہیں ہو گی جس طرح اس نے باغیوں کو اسلام سے منحرف ہونے اور بڑی تکلیف پہنچانے سے نہیں روکا۔ معصوم لوگوں کے لیے .باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

باغیوں سے نمٹنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ باغیوں کی رہنمائی کے لیے کوشاں تھے کہ وہ مسلمانوں کے مرکزی ادارے کی طرف واپس جائیں۔ چنانچہ انہوں نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان سے بحث کرنے کی اجازت دے دی۔

باغیوں نے دعویٰ کیا کہ علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین معاملات ہیں۔ پہلی بات یہ تھی کہ ان کا عقیدہ تھا کہ اس نے اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ثالثی کا فیصلہ مردوں پر چھوڑ دیا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ فیصلہ صرف اسی کا ہے۔ دوسرا یہ کہ اس نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کی، جیسے عائشہ، طلحہ، عز زبیر اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں لشکر، پھر بھی اس نے)ان کے ہتھیاروں کے علاوہ (کوئی مال غنیمت نہیں لیا۔ یا ان سے اسیر۔ اگر وہ کافر تھے تو اسے مال غنیمت اور قیدی لینا چاہیے تھا۔ اگر وہ مومن ہوتے تو اسے پہلے ان سے جنگ نہیں کرنی چاہیے تھی۔ ان کا تیسرا مسئلہ یہ تھا کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ثالثی کی دستاویز سے اپنا خلیفہ اور امیر المومنین کا لقب مٹا دیا۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تمام احمقانہ مسائل کا جواب دیا۔ انہوں نے انہیں یاد دلایا کہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو لوگوں کو قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے ذریعے لاگو کرنا چاہیے۔ اس نے دلیل کے طور پر درج ذیل آیات کی تلاوت کی :باب 5 المائدة، آیت 95:

" اے ایمان والو، حالت احرام میں کھیل کو قتل نہ کرو۔ اور تم میں سے جو بھی اسے جان بوجھ کر مارے تو قربانی کے جانوروں کی سزا اس کے قتل کے برابر ہے، جیسا کہ تم میں سے دو عادل آدمیوں کی طرف سے فیصلہ کیا جائے گا۔

اور باب 4 النساء آیت 35:

" اور اگر تم دونوں کے درمیان اختلاف کا اندیشہ ہو تو ایک ثالث اس کی قوم سے اور ایک ثالث اس کی قوم سے بھیج دو۔ اگر وہ دونوں صلح کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان صلح کرا دے گا۔

ان کی دوسری بات کے بارے میں آپ نے انہیں بتایا کہ جب تک وہ مسلمان ہیں عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی والدہ تھیں اور انہیں غلام بنا کر لینا جائز نہیں تھا۔ کوئی بھی عقل مند اس کو قبول نہیں کرے گا۔ باب 33 الاحزاب، آیت 6:

نبی مومنین کے لیے ان کی جانوں سے زیادہ حق دار ہیں اور ان کی بیویاں ان کی مائیں ہیں‘‘۔’’

ان کے تیسرے مسئلہ کے بارے میں کہ جب غیر مسلموں نے اس پر اعتراض کیا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اپنے ہاتھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لقب کو ختم کر دیا۔ وہ اپنا نام لکھنا چاہتا تھا۔ اس نے امن کی خاطر معاہدہ کی تکمیل کے لیے ایسا کیا۔ اگر اس نے ایسا کیا تو علی رضی اللہ عنہ ان کے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان ثالثی کی دستاویز سے ان کے عنوان کو ہٹانے میں ان کی مثال پر عمل کر رہے تھے۔

نتیجتاً تقریباً دو ہزار باغیوں نے بغاوت سے توبہ کر لی لیکن باقی اپنی صریح گمراہی اور دنیاوی چیزوں مثلاً مال و دولت اور زمین میں اختیار حاصل کرنے کی حرص پر ڈٹے رہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے ان کا مقابلہ صرف اپنے دفاع میں کیا تھا کیونکہ انہوں نے واضح کیا تھا کہ وہ انہیں وہ حقوق دیں گے جن کا کوئی بھی مسلمان اس وقت تک حقدار ہے جب تک کہ وہ اسلام کے قوانین کو نہ توڑیں یا کفر کی واضح نشانیاں نہ دکھائیں۔ انہوں نے انہیں متنبہ کیا کہ وہ خون نہ بہائیں، لوگوں کو دہشت زدہ کریں یا سڑکوں پر لوگوں کو لوٹنے میں مشغول نہ ہوں۔ ورنہ وہ ان کے خلاف اعلان جنگ کر دے گا۔ جیسا کہ باغی ان مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے جو ان سے اختلاف کرتے تھے، جن کا خون اور مال ان کے لیے حلال سمجھتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا شروع کیا۔

انہوں نے علی کو تاکید کی کہ وہ معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ثالثی نہ کریں، حالانکہ وہ سب پہلے ہی اس پر راضی تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا کیونکہ وہ اپنے قول میں خیانت نہیں کرنا چاہتے تھے اور ثالثی کرنا درست تھا۔ یہ باغی ان شہروں کو چھوڑنے پر راضی ہو گئے جن میں وہ رہ رہے تھے اور عراق میں نہروان میں فوج میں شامل ہو گئے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 260-264 اور 268-273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ باغی متقی عبادت گزار تھے لیکن انتہائی جاہل تھے اور اسلامی معلومات بہت کم رکھتے تھے۔ نتیجتاً وہ اپنے برے لیڈروں اور دنیاوی چیزوں، جیسے دولت اور قیادت کے لیے ان کی بُری خواہشات کے ذریعے آسانی سے بہہ گئے۔ باب 18 الکہف، آیات 103-105:

"کہہ دیجئے کہ کیا ہم تمہیں سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والوں کے بارے میں بتائیں گے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کی محنت دنیا کی زندگی میں ضائع ہو گئی، حالانکہ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں۔ "یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی آیات اور اس سے ملاقات کا انکار کیا تو ان کے اعمال ضائع ہو گئے۔ اور ہم قیامت کے دن ان کے لیے کوئی وزن [اہمیت] مقرر نہیں کریں گے۔"

ایک بڑا خلفشار جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روکتا ہے وہ جہالت ہے۔ یہ استدلال کیا جا سکتا ہے کہ یہ ہر گناہ کی اصل ہے کیونکہ جو گناہوں کے نتائج کو صحیح معنوں میں جانتا ہے

وہ کبھی بھی گناہ نہیں کرے گا۔ اس سے مراد حقیقی فائدہ مند علم ہے جو وہ علم ہے جس پر عمل کیا جاتا ہے۔ درحقیقت وہ تمام علم جس پر عمل نہ کیا جائے وہ فائدہ مند علم نہیں ہے۔ اس طرزِ عمل کی مثال قرآنِ پاک میں اس گدھے کی طرح بیان کی گئی ہے جو علم کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

"... اور پھر اس پر عمل نہیں کیا۔)علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی مانند ہے جو کتابوں کی کثرتیں اٹھائے ہوئے ہے۔''

جو شخص اپنے علم پر عمل کرتا ہے وہ شاذ و نادر ہی پھسلتا ہے اور جان بوجھ کر گناہ کرتا ہے۔ درحقیقت، جب ایسا ہوتا ہے تو یہ صرف جہالت کے ایک لمحے کی وجہ سے ہوتا ہے جہاں ایک شخص اپنے علم پر عمل کرنا بھول جاتا ہے جس کے نتیجے میں وہ گناہ کرتا ہے۔

جامع ترمذی میں موجود نمبر 2322 حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک حدیث میں جاہلیت کی سنگینی پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ مادی دنیا کی ہر چیز ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے۔ اس ذکر سے جو بھی تعلق ہے، عالم اور طالب علم۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مادی دنیا کی تمام نعمتیں جاہل کے لیے لعنت بن جائیں گی کیونکہ وہ ان کا غلط استعمال کرکے گناہوں کا ارتکاب کریں گے۔

درحقیقت جہالت کو انسان کا بدترین دشمن سمجھا جا سکتا ہے کیونکہ یہ اسے اپنے آپ کو نقصان سے بچانے اور فائدہ حاصل کرنے سے روکتی ہے یہ سب کچھ صرف علم پر عمل کرنے سے ہی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ جاہل ان سے بے خبر ہو کر گناہ کرتا ہے۔ کوئی گناہ سے کیسے بچ سکتا ہے اگر وہ نہیں جانتا کہ گناہ کیا ہے؟ جہالت انسان کو اپنے فرائض سے غفلت کا باعث بنتی ہے۔ اگر وہ اپنے فرائض سے ناواقف ہوں تو اپنے فرائض کیسے ادا کر سکتے ہیں؟

لہذا تمام مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ اتنا علم حاصل کریں کہ وہ اپنے تمام واجبات کو پورا کر سکیں اور گناہوں سے بچ سکیں۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ میں موجود حدیث نمبر 224 سے ہوتی ہے -

ایک زبردست بہتان

علی ابن ابو طالب اور معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان ثالثی کے بغیر صلح کے ختم ہونے کے بعد، علی رضی اللہ عنہ نے نہروان میں تعینات باغیوں کو شام کی مہم میں اپنے ساتھ شامل ہونے کی دعوت دی۔ .انہوں نے اس کے ساتھ شامل ہونے سے انکار کردیا جب تک کہ وہ گواہی نہ دے اور لوگوں کو اپنے اور معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان معاملہ کا فیصلہ کرنے کی اجازت دے کر کفر کے ارتکاب سے توبہ نہ کرے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6593 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیبت اور غیبت کا مفہوم بیان فرمایا۔

غیبت اس وقت ہوتی ہے جب کوئی کسی کی پیٹھ پیچھے اس طرح تنقید کرے جو اسے ناگوار گزرے حالانکہ یہ سچ ہے۔ جبکہ غیبت غیبت کے مترادف ہے سوائے اس کے کہ قول صحیح نہیں ہے۔ ان گناہوں میں بنیادی طور پر تقریر شامل ہوتی ہے لیکن اس میں دوسری چیزیں شامل ہو سکتی ہیں، جیسے ہاتھ کے اشارے کا استعمال۔ یہ کبیرہ گناہ ہیں اور غیبت کو قرآن مجید میں مردہ لاش کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی گئی ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 12:

"... اور ایک دوسرے کی جاسوسی یا غیبت نہ کریں۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اپنے بھائی کے مرنے پر اس کا گوشت کھائے؟ تم اس سے نفرت کرو گے..."

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ یہ گناہ ان اکثر گناہوں سے بھی بدتر ہیں جو انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے ہے کہ انسان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان جو گناہ ہیں وہ اس کی طرف سے معاف ہو جائیں گے اگر گناہ گار سچے دل سے توبہ کر لے۔ لیکن اللہ تعالیٰ غیبت کرنے والے

یا بہتان لگانے والے کو اس وقت تک معاف نہیں کرتا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے ہیں تو قیامت کے دن غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کی نیکیاں ان کے شکار کو بطور معاوضہ دی جائیں گی اور اگر ضرورت ہو تو مقتول کے گناہ ان کے غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کو دیئے جائیں گے جب تک کہ انصاف قائم نہ ہوجائے۔ یہ غیبت کرنے والے /بہتان لگانے والے کو جہنم میں پھینکنے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

غیبت صرف اس صورت میں جائز ہے جب کوئی کسی دوسرے شخص کو نقصان پہنچانے کی وارننگ دے رہا ہو اور اس کی حفاظت کر رہا ہو یا اگر کوئی شخص کسی تیسرے فریق کے ساتھ دوسرے کے خلاف شکایت حل کر رہا ہو، جیسے کہ قانونی مقدمہ۔

سب سے پہلے ان کبیرہ گناہوں کے برے نتائج کا علم حاصل کر کے غیبت اور غیبت سے بچنا چاہیے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک شخص کو صرف وہ الفاظ ادا کرنے چاہئیں جو وہ خوشی سے اس شخص کے سامنے کہے جو یہ جانتے ہوئے کہ وہ اسے جارحانہ انداز میں نہیں لیں گے۔ تیسرا یہ کہ ایک مسلمان کو دوسرے کے بارے میں صرف اس صورت میں الفاظ ادا کرنے چاہئیں جب وہ کسی دوسرے کے بارے میں یہ یا اس سے ملتے جلتے الفاظ کہنے میں کوئی اعتراض نہ کرے۔ مطلب، انہیں دوسروں کے بارے میں بات کرنی چاہئے کہ وہ کس طرح چاہتے ہیں کہ لوگ ان کے بارے میں بات کریں۔ آخر میں، ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے عیوب کو ٹھیک کرنے پر توجہ دے اور جب خلوص نیت سے کرے تو یہ اسے دوسروں کی غیبت اور غیبت کرنے سے روکے گا۔

زندگی کا احترام کرنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو تنبیہ کی کہ وہ خون نہ بہائیں، لوگوں کو دہشت زدہ نہ کریں یا سڑکوں پر لوگوں کو لوٹنے میں مشغول نہ ہوں ورنہ وہ ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔ جیسا کہ باغی ان مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے جو ان سے اختلاف کرتے تھے، جن کا خون اور مال ان کے لیے حلال سمجھتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا شروع کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 273 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

یہ باب 25 الفرقان آیت 68 سے مربوط ہے:

‘‘یا اس جان کو قتل کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے، سوائے حق کے۔ ’’

اللہ تعالیٰ کے سچے بندے ہر قسم کی زندگی کا احترام کرتے ہیں۔ وہ اسلام کی تعلیمات کو مانتے ہیں جو واضح طور پر تجویز کرتی ہے کہ تمام مخلوقات پر رحم کیا جائے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6028 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرے گا۔ اسلام نہ صرف لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کی تلقین کرتا ہے بلکہ اسے جانوروں کے لیے بھی تجویز کرتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2550 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ کوئی دوسرا مذہب انسانی جان کو اتنی اہمیت نہیں دیتا۔ قرآن پاک ایک بے گناہ کے قتل کو پوری انسانیت کے قتل سے تشبیہ دیتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 32:

" ... گویا - کسی جان کو مارتا ہے سوائے اس کے کہ کسی جان کے لیے یا زمین میں فساد کے لیے اس نے پوری انسانیت کو قتل کر دیا تھا۔ اور جو کسی کو بچاتا ہے۔ - گویا اس نے بنی نوع انسان کو مکمل طور پر بچا لیا تھا..."

صرف یہ آیت ان لوگوں کو روکنے کے لیے کافی ہے جو اسلام کے نام پر بے گناہوں کو قتل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا اصل شیطانی مقصد دولت اور اقتدار حاصل کرنا ہے جس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

دوسروں کو نقصان نہ پہنچانا اتنا ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ دوسرے لوگ خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں محفوظ نہ ہوں۔ ان کی زبان اور عمل سے۔ اگر یہ معاملہ صرف دوسروں کو نقصان پہنچانے کا ہے تو اسلام بے گناہوں کے قتل کی اجازت کیسے دے سکتا ہے؟ دراصل اس کا جواب اسی حدیث میں ملتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبردار کیا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک دوسروں کی جان و مال اس کے اعمال سے محفوظ نہ ہو۔

جو لوگ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر عمل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ انہوں نے کبھی کسی دوسرے شخص کو نقصان نہیں پہنچایا جب تک کہ وہ کسی مرد سپاہی کے خلاف اپنے دفاع میں نہ ہو۔ اس نے کبھی کسی عورت، بوڑھے یا بچے کو نقصان نہیں پہنچایا۔ درحقیقت، اس نے کبھی اپنے لیے انتقام نہیں لیا اور صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ سزا کو ریاست کے سربراہ کے طور پر حد سے تجاوز کرنے والوں پر لاگو کیا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگر مسلمان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں تو ان کو ہر حال میں اس طرح کا برتاؤ کرنا چاہیے۔

ایک مسلمان کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ اپنے، اپنے خاندان اور سامان کا دفاع کرے۔ لیکن اس سب کی حدود ہیں۔ کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ وہ پہلے حملہ کرے اور کسی بے گناہ کی جان لے۔ لہٰذا مسلمانوں کو دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہیے جس طرح وہ چاہتے ہیں کہ ان کے ساتھ احترام اور رحم کیا جائے۔

نہروان کی جنگ

باغیوں سے لڑنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے باغیوں کو تنبیہ کی کہ وہ خون نہ بہائیں، لوگوں کو دہشت زدہ نہ کریں یا سڑکوں پر لوگوں کو لوٹنے میں مشغول نہ ہوں ورنہ وہ ان کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے۔ جیسا کہ باغی ان مسلمانوں کو کافر سمجھتے تھے جو ان سے اختلاف کرتے تھے، جن کا خون اور مال ان کے لیے حلال سمجھتے تھے، انہوں نے مسلمانوں کو قتل کرنا اور ان کا مال لوٹنا شروع کیا۔ ایک موقع پر انہوں نے ایک عظیم صحابی رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبداللہ ابن خباب رضی اللہ عنہ کو قتل کر دیا کیونکہ وہ ان کے عمل سے متفق نہیں تھے۔ علی رضی اللہ عنہ نے انہیں حکم دیا کہ قانونی انتقام کے لیے ان کے قاتلوں کو ان کے حوالے کر دیں۔ جب انہوں نے تکبر سے جواب دیا کہ سب نے اسے قتل کیا ہے تو وہ ان کی طرف بڑھا۔ نہروان میں ان کے مقام پر پہنچنے کے بعد، اس نے ان کے پاس قاصد بھیجے اور انہیں خلوص دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دی لیکن انہوں نے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ انہوں نے اس کے بعض پیغمبروں کو بھی قتل کر دیا، جس کو ہر قوم اور مذہب نے ہمیشہ حرام قرار دیا ہے۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے ہی علی رضی اللہ عنہ نے ایک جھنڈا اٹھا کر باغیوں کو اعلان کیا تھا کہ جو اس جھنڈے کے پاس آئے گا وہ محفوظ رہے گا اور جو میدان جنگ سے بھاگ جائے گا وہ محفوظ رہے گا۔ ان میں سے بہت سے بھاگ گئے لیکن 1000 کے قریب باغی لڑائی پر ڈٹے رہے۔

اس جنگ سے کئی سال پہلے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان باغیوں کے سرداروں میں سے ایک کی تفصیل بیان فرمائی تھی۔ لڑائی ختم ہونے کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے اسے تلاش کرنے کا حکم دیا اور وہ مردوں میں پایا گیا۔

جنگ کے بعد بھی علی رضی اللہ عنہ نے باقی باغیوں کے ساتھ احترام کا سلوک کیا۔ اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ بھاگنے والے کا پیچھا نہ کرے اور کسی زخمی باغی کو قتل نہ کرے۔ اس نے ان کی عورتوں کو بھی اسیر نہیں بنایا۔ یہاں تک کہ وہ ان کا مال کوفہ لے گیا اور لوگوں سے کہا کہ جو کچھ ان کا مطلب ہے لے لو، اس نے اپنے سپاہیوں میں مال غنیمت تقسیم نہیں کیا۔ اس نے صرف ان کے ہتھیاروں اور گھوڑوں کو تقسیم کیا، وہ چیزیں جو وہ لڑتے وقت استعمال کرتے تھے۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 273-280 میں بحث کی گئی ہے۔

عام طور پر دیکھا جائے تو یہ واقعہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی ابلیس، ان کے باطنی شیطان اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دینے والے حملہ آور ہوتے ہیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب العنکبوت، آیت 69 29:

‘‘اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔’’

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

اسٹینڈنگ فرم

معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کا خیال تھا کہ وہ عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کے خلاف انصاف کے حصول پر اصرار کرتے ہوئے اسلام کی تعلیمات کے مطابق صحیح کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہ ان قاتلوں کے خلاف جہاں کہیں بھی چھپے ہوئے تھے مارچ کرتا رہا۔ اس نے مصر کی طرف ایک فوج بھیجی جو قاتلوں کے زیر قبضہ اہم شہروں میں سے ایک تھا اور اس پر قبضہ کر لیا۔ جواب کے طور پر، علی ابن ابو طالب نے اصرار کیا کہ ان کے پیروکار معاویہ رضی اللہ عنہ سے لڑیں، کیونکہ وہ مقرر کردہ خلیفہ کی اطاعت میں ناکام رہے تھے اور انصاف کو اپنے ہاتھ میں لے رہے تھے۔ فساد برپا کرنے والے لوگوں کے درمیان تفرقہ ڈالتے رہے۔ جنگ کی وجہ سے لوگوں کو بہت تھکاوٹ ہوئی اور وہ لڑنے سے گریزاں ہو گئے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ نے اصرار کیا کہ جب انہیں خلیفہ کی اطاعت کرنی چاہیے تو انہیں قانون سے بالاتر لوگوں سے اسلامی قوم کا دفاع کرنے اور انصاف کو اپنے ہاتھ میں لینے کی ضرورت ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے بہت سے خطبات دیے جن میں لوگوں کو اپنی سرزمین کے دفاع اور اسلامی سلطنت کے استحکام کی خاطر لڑنے کی ترغیب دی گئی۔ علی رضی اللہ عنہ کے اندر اختلاف کی وجہ سے وہ معاویہ رضی اللہ عنہ سے معاہدہ کرنے پر مجبور ہو گیا۔ انہوں نے اس بات پر اتفاق کیا کہ علی عراق کو کنٹرول کرے گا اور معاویہ شام کو کنٹرول کرے گا، اللہ ان سے راضی ہے، اور نہ ہی دوسروں کے معاملات میں مداخلت کرے گا۔ امام محمد السلابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 605-610 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 159 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مختصر مگر دور رس نصیحت فرمائی۔ انہوں نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کا صدق دل سے اعلان کریں اور پھر اس پر ثابت قدم رہیں۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت میں جدوجہد کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تکمیل پر مشتمل ہے، جو اس سے متعلق ہیں، جیسے فرض روزے اور جو لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں، جیسے کہ دوسروں سے

حسن سلوک کرنا۔ اس میں اسلام کی ان تمام ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی شامل ہے جو ایک شخص اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہیں اور جو دوسروں کے درمیان ہیں۔ ایک مسلمان کو تقدیر کا بھی صبر کے ساتھ سامنا کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ثابت قدمی میں دونوں قسم کے شرک سے پرہیز شامل ہے۔ سب سے بڑی قسم وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور چیز کی عبادت کرتا ہے۔ معمولی قسم وہ ہے جب کوئی اپنے اچھے کام دوسروں کے سامنے دکھاتا ہے۔ سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔ لہٰذا استقامت کا ایک پہلو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرنا ہے۔

اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہے، بجائے اس کے کہ ہر وقت اپنے آپ کو یا دوسروں کی اطاعت کی جائے۔ اگر کوئی مسلمان اپنے آپ کو یا دوسروں کو خوش کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے تو اسے نہ اپنی خواہشات کا علم ہونا چاہیے اور نہ ہی لوگ اسے اللہ تعالیٰ سے محفوظ رکھیں گے۔ دوسری طرف جو اللہ تعالیٰ کا سچے دل سے فرمانبردار ہے وہ ہر چیز سے محفوظ رہے گا خواہ یہ حفاظت ان پر ظاہر نہ ہو۔

اپنے ایمان پر ثابت قدم رہنے میں یہ شامل ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا اور اس سے ہٹنے والے راستے کو اختیار نہ کرنا۔ جو شخص اس راہ کو اختیار کرنے کی کوشش کرے گا اسے کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ یہی ان کے ایمان پر ثابت قدم رہنے کے لیے کافی ہے۔

چونکہ لوگ کامل نہیں ہیں وہ بلاشبہ غلطیاں کریں گے اور گناہ کریں گے۔ لہٰذا ایمان کے معاملات میں ثابت قدم رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ انسان کامل ہو جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر سختی سے عمل کرنے کی کوشش کریں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو سچے دل سے توبہ کریں۔ اس کی طرف باب 41 فصیلات، آیت 6 میں اشارہ کیا گیا ہے:

''...تو سیدھا اس کی طرف چلو اور اس سے معافی مانگو''

اس کی مزید تائید جامع ترمذی نمبر 1987 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور کسی نیک عمل سے سرزد ہونے والے (معمولی) گناہ کو مٹانے کی تلقین کی گئی ہے۔ امام مالک کی موطا، کتاب 2، حدیث نمبر 37 میں موجود ایک اور حدیث میں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو نصیحت کی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنے کی پوری کوشش کریں، خواہ وہ اس پر عمل کریں۔ یہ مکمل طور پر کرنے کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا، ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنی نیت اور جسمانی عمل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں اس کو جو صلاحیت عطا کی گئی ہے اسے پورا کرے۔ انہیں کمال حاصل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ کوئی شخص اپنے جسمانی اعمال کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم نہیں رہ سکتا، بغیر اپنے دل کی صفائی کے۔ جیسا کہ سنن ابن ماجہ نمبر 3984 میں موجود ایک حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ جسم کے اعضاء صرف اسی صورت میں کام کریں گے جب روحانی قلب پاک ہو۔ دل کی پاکیزگی صرف قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

ثابت قدمی کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی زبان پر قابو رکھے جیسا کہ یہ دل کا اظہار کرتی ہے۔ زبان پر قابو رکھے بغیر اللہ تعالیٰ کی اطاعت ممکن نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2407 میں موجود حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

آخر میں، اگر اللہ تعالیٰ کی ثابت قدمی میں کوئی کمی واقع ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ کرنی چاہیے اور اگر لوگوں کے حقوق کا تعلق ہو تو ان سے استغفار کرنا چاہیے۔ باب 46 الاحقاف، آیت 13:

بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے، پھر وہ راہ راست پر رہے، ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

درست ادراک

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو ایک بار بتایا گیا کہ سرکاری خزانہ سونے اور چاندی سے بھر گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد و ثنا کے بعد آپ نے اہل کوفہ کو بلایا اور خزانہ خالی ہونے تک سب کچھ دے دیا۔ وہ اکثر اس کو جھاڑو دیتا اور اس کے اندر دعا کرتا، اس امید پر کہ یہ قیامت کے دن اس کے حق میں گواہی دے گا۔

ایک اور موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ سردی کے دن میں ایک سادہ چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ جب اسے اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے سرکاری خزانے سے حصہ لینے کی ترغیب دی گئی تو اس نے جواب دیا کہ میں نے سرکاری خزانے سے کچھ نہیں لیا اور وہ اس چادر پر مطمئن ہے جو وہ مدینہ سے لایا تھا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 358-360 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

اس سے نہ صرف یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے لیے بڑے اخلاص کے مالک تھے بلکہ مادی دنیا کو حاصل کرنے اور اس سے لطف اندوز ہونے کے بجائے آخرت کی تیاری پر ان کی توجہ مرکوز تھی۔ جب انسان اس مادی دنیا اور آخرت کے بارے میں صحیح ادراک اور سمجھ حاصل کر لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشرووں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب

یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

باندھتے ہیں جو باندھتے ہیں۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ لوگوں کو رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی تلقین کرتے تھے۔ اس نے ایک بار تبصرہ کیا تھا کہ لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کی عزت کرنی چاہیے کیونکہ یہ ان کے پر ہیں جن سے وہ اڑتے ہیں۔ اپنے رشتہ داروں کی مدد سے، کوئی بھی اپنی خواہش کو حاصل کر سکتا ہے اور وہ مشکل کے وقت ایک معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اپنے عزیز رشتہ داروں کی تعظیم کریں، ان کے بیماروں کی عیادت کریں، ان سے مشورہ لیں اور جو مشکل سے گزر رہے ہوں ان کی مدد کریں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 373 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے ترک دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں اللہ نہیں کیا جا سکتا۔ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی شخص کو دھوکہ نہیں دے سکتا ۔ جب کوئی لیکن اللہ تعالیٰ اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ داریوں کو نبھایا۔ مڑتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے " اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے لیے اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔.

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار رکھنے نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی اکرم صلی والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اس نے ہمیشہ اپنے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں رکھو، عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے جیسی فرض نماز یہ قطع نظر سچ ہے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے کے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت جلد ملتی لیے گناہوں کا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت اور حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں یقین دلاتی سماجی صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ ہے کہ ان کے رشتہ دار

قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء، آیت 1:

اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک اللہ تم ’’ ‘‘پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔

برقرار رکھے بغیر تقویٰ یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔ تو جو لوگ ایمان لائے حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ جو اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23:

’’تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟ [ایسا کرنے والے] وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔‘‘

دنیا میں یا آخرت میں اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان سے اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر اس کا خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2625 مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں شامل نہیں کرنا کا اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا حکم دیں اور ان ایک مسلمان کو چاہئے ، چاہیے۔ اس صورت میں احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

’’اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔‘‘

اللہ کی رضا کے حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد
لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ
جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد
ہی کم کتنا نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ
اور جسم .زندگی میں فضل سکون ملے گا۔ کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی
کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے وقت نکالیں گے۔ یہ دو
مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں صرف کرتے ہیں لیکن نعمتیں ہیں۔
رشتہ بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو رکھا ہے۔
داریوں کو برقرار رکھنے میں

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری
رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین کرنے اپنے غیر مسلم حکم دیا۔
والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے
اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم کمزور جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔
کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی دہائیوں
اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی رشتہ دار تک جاری رہتے ہیں
ان سے دوبارہ کبھی بات نہیں وہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد
صحیح مسلم کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔
نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن
سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو
صحیح بخاری کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ یہ سوال
نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا
ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں
جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

شائستگی

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ میں مکمل حلم تھا اور اس کے نتیجے میں اس نے انہیں دیگر اعلیٰ صفات اختیار کرنے کی اجازت دی۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار کہا تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے شرمندہ ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا ظلم ہوا ہے جو اس کی معافی کی صلاحیت سے زیادہ ہو، کہ کوئی اس کے ساتھ ایسا جاہلانہ سلوک کرے جو اس کے صبر سے بڑھ کر ہو۔ کسی شخص میں کوئی ایسی خامی ہو جو اس کی پردہ پوشی سے نہ ہو یا کوئی ایسی حاجت ہو جو اس کی سخاوت سے پوری نہ ہو سکے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 375 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2458 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ سے سچی تواضع کرنے میں سر اور اس میں موجود چیزوں کی حفاظت کرنا اور پیٹ کی حفاظت کرنا شامل ہے۔ اس میں موت کو کثرت سے یاد رکھنا ہے۔ انہوں نے یہ اعلان کرتے ہوئے نتیجہ اخذ کیا کہ جو شخص آخرت کی تلاش کا ارادہ رکھتا ہے وہ مادی دنیا کی زینت کو چھوڑ دے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حیا وہ چیز ہے جو لباس سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جو کسی کی زندگی کے ہر پہلو کو گھیرے ہوئے ہے۔ سر کی حفاظت میں زبان، آنکھ، کان اور خیالوں کو بھی گناہوں اور لغو باتوں سے بچانا شامل ہے۔ گو کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں اور جو کچھ دیکھتے ہیں وہ دوسروں سے چھپا سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ سے ان باتوں کو چھپا نہیں سکتے۔ لہٰذا جسم کے ان اعضاء کی حفاظت کرنا سچی حیا کی علامت ہے۔

پیٹ کی حفاظت کا مطلب ہے کہ حرام مال اور کھانے سے بچنا چاہیے۔ یہ کسی کے نیک اعمال کو رد کرنے کا باعث بنے گا۔ صحیح مسلم نمبر 2342 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

آخر میں، حیا میں آخرت کو اس مادی دنیا کی زیادتی پر ترجیح دینا شامل ہے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ اس میں فضول خرچی یا اسراف کے بغیر اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے لینا بھی شامل ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ باب 7 الاعراف، آیت 31:

"اور کھاؤ پیو، لیکن حد سے زیادہ نہ ہو۔ بے شک وہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

جو شخص اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس طرح کا برتاؤ کرے گا اسے معلوم ہوگا کہ وہ آخرت کے لیے مناسب تیاری کر رہا ہے اور دنیا کی حلال لذتوں سے اعتدال سے لطف اندوز ہونے کے لیے اس کے پاس کافی وقت ہے۔

رات کی نماز

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے ایک دفعہ ان کے دن کو روزہ رکھنے اور رات کو عبادت کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا۔ اس نے جواب دیا کہ آخرت کا سفر لمبا ہے اور رات کو سفر کر کے عبور کرنا ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 377 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 1145 میں موجود ایک الوہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ہر رات اپنی لامحدود شان کے مطابق قریب ترین آسمان پر نزول فرماتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس سے دعا کریں۔ ان کی ضروریات پوری کریں تاکہ وہ ان کو پورا کر سکے۔

رات کی رضاکارانہ عبادت اللہ تعالیٰ کے تئیں انسان کے اخلاص کو ثابت کرتی ہے کیونکہ کوئی دوسری آنکھ انہیں نہیں دیکھ رہی ہوتی۔ اسے پیش کرنا اللہ تعالیٰ کے ساتھ مباشرت کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور یہ اس کی بندگی کی علامت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں مثال کے طور پر سنن نسائی نمبر 1614 میں موجود ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ یہ سب سے افضل نماز ہے۔

قیامت کے دن یا جنت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کسی کا درجہ نہیں ہو گا اور یہ درجہ براہِ راست رات کی نماز سے مربوط ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ رات کو نفلی نماز قائم کرتے ہیں انہیں دونوں جہانوں میں اعلیٰ درجات سے نوازا جائے گا۔ باب 17 الاسراء، آیت 79:

اور رات کے کچھ حصے سے، اس کے ساتھ نماز پڑھو]یعنی قرآن کی تلاوت [اپنے لیے اضافی " عبادت [کے طور پر۔ امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو ایک قابل تعریف مقام پر اٹھائے گا۔ "

جامع ترمذی نمبر 3579 میں ایک حدیث ہے کہ مسلمان رات کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے۔ لہٰذا اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کیا جائے تو بے شمار نعمتیں حاصل ہو سکتی ہیں۔

تمام مسلمان چاہتے ہیں کہ ان کی دعائیں قبول ہوں اور ان کی حاجتیں پوری ہوں۔ لہٰذا انہیں رات کی نماز نفلی ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 1770 میں موجود حدیث ہے کہ ہر رات میں ایک خاص گھڑی ہوتی ہے جب اچھی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔

نفلی رات کی نماز کا قیام گناہوں سے بچنے کا ایک بہترین طریقہ ہے، یہ انسان کو فضول اجتماعات سے دور رہنے میں مدد دیتا ہے اور یہ انسان کو بہت سی جسمانی بیماریوں سے بچاتا ہے۔ جامع ترمذی نمبر 3549 میں ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

رات کی نماز کے لیے تیاری کرنی چاہیے، خاص طور پر سونے سے پہلے زیادہ کھانے پینے سے نہیں، کیونکہ یہ سستی کو جنم دیتی ہے۔ کسی کو دن میں غیر ضروری طور پر خود کو تھکانا نہیں چاہئے۔ دن میں ایک مختصر جھپکی اس میں مدد کر سکتی ہے۔ آخر میں گناہوں سے بچنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اس کے احکام کو بجا لاتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا مقابلہ صبر کے ساتھ کرنا چاہیے کیونکہ فرمانبرداروں کو شب قدر کی نماز ادا کرنا آسان ہے۔

حکمت کے الفاظ - 1

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ کامل ابن زیاد رحمہ اللہ کو نصیحت کی کہ لوگ تین قسم کے ہوتے ہیں :متقی عالم، اپنے آپ کو بچانے کے لیے علم حاصل کرنے والا اور فضول خرچی کرنے والا۔ جو ہر پکارنے والے کی پیروی کرتے ہیں، ہر ہوا کے ساتھ جھکتے ہیں۔ وہ علم سے رہنمائی حاصل نہیں کرتے اور وہ مضبوط ستون اور سہارے کو نہیں پکڑتے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 348 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2322 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اس مادی دنیا کی ہر چیز پر لعنت ہے سوائے اللہ تعالیٰ کے ذکر کے، جو اس سے مربوط ہے، علم والا۔ شخص اور علم کا طالب علم۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر ذکر کے تمام درجات پر محیط ہے۔ یعنی اندرونی خاموش یاد، جس میں اپنی نیت کو درست کرنا شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا اور سب سے اہم کام اللہ تعالیٰ کو عملاً یاد کرنا، اس کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا ہے۔

ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف لے جاتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی شامل ہے، جیسے مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے اسلام کی تعلیمات کے مطابق فضول خرچی کے بغیر کوشش کرنا۔ یا اسراف؟ درحقیقت اس میں وہ عمل بھی شامل ہے جو دنیاوی یا دینی معلوم ہوتا ہے جب تک کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت شامل ہو۔

علم والا اور علم کا طالب علم دونوں ہی حقیقت میں وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت کریں گے کیونکہ علم کے بغیر اس کا حصول ممکن نہیں۔ ایک جاہل شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے، اس کا احساس بھی نہیں ہوتا کیونکہ وہ اس بات سے بے خبر ہوتے ہیں کہ کیا گناہ یا نیک عمل شمار ہوتا ہے۔ کچھ معاملات میں، کوئی یہ بھی مان سکتا ہے کہ وہ سختی سے اس کی اطاعت کر رہے ہیں حالانکہ وہ اس سے بہت دور ہیں۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، حقیقت میں مادی دنیا میں کوئی بھی چیز اپنے آپ میں ملعون نہیں ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ کسی چیز کا استعمال کیا جاتا ہے جو اس بات کا تعین کرتا ہے کہ آیا یہ لعنت ہے یا نہیں .مثال کے طور پر اسلام کی تعلیمات کے مطابق دولت کا صحیح استعمال کیا جائے تو یہ دونوں جہانوں میں بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن اگر اس کا غلط استعمال یا ذخیرہ اندوزی کی گئی تو یہ دونوں جہانوں میں اس کے مالک کے لیے لعنت بن جائے گی۔ یہ اس دنیا کی ہر چیز پر لاگو ہو سکتا ہے۔

حکمت کے الفاظ - 2

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار نصیحت کی کہ علم مال سے افضل ہے :علم انسان کی حفاظت کرتا ہے جبکہ مال کی حفاظت ضروری ہے۔ مال خرچ کرنے سے کم ہوتا ہے جبکہ علم میں اضافہ ہوتا ہے۔ علم ایک ایمان ہے جس پر عمل کیا جائے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت پر عمل کرنے میں مدد ملتی ہے، اور ان کی موت کے بعد ایک خوبصورت میراث چھوڑ جاتی ہے، جب کہ دولت کے فائدے اس کے ختم ہونے سے ختم ہو جاتے ہیں۔ اور علم حکمرانی کرتا ہے، جب کہ دولت کی حکمرانی ہوتی ہے۔ علم والے تب تک زندہ رہتے ہیں جب تک دنیا باقی ہے۔ ان کی شخصیتیں ختم ہو سکتی ہیں لیکن ان کی تعلیمات لوگوں کے دلوں میں زندہ ہیں۔ اس پر امام ابو نعیم اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ، ہلیۃ الاولیاء والطبقات الاصفیہ، روایت 164 میں بحث کی گئی ہے۔

علم انسان کو سکھاتا ہے کہ ان کی نعمتوں کو صحیح طریقے سے کیسے استعمال کیا جائے لہذا اس بات کو یقینی بناتے ہوئے کہ وہ دونوں جہانوں میں ان سے مستفید ہوں۔ جبکہ مال پیچھے رہ جائے گا اور ان کی موت کے وقت، قبر میں اور قیامت کے دن کسی کی مدد نہیں کرے گا۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ نعمتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ آخرت کے لیے ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیں تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر .اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

حکمت کے الفاظ - 3

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا تھا کہ حقیقی عالم وہ ہے جو دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ کرے اور نہ ہی اس کے عذاب سے محفوظ رکھے۔ اس پر ابن الجوزی کی سیفۃ الصفوہ 1/170 میں بحث ہوئی ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ میں خوف اور امید کے درمیان توازن قائم کرنے کی اہمیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ان کے تصور کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اچھے خیالات رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے، جیسا کہ یہ یقین رکھنا کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عقیدہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل میں سچی امید جس کا یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اور خواہش مند سوچ میں بہت فرق ہے۔ خواہش مندانہ سوچ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے میں ناکام ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی امید رکھے۔ یہ سچی امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو کوئی بیج نہیں لگاتا، اپنی فصل کو پانی نہیں دیتا اور پھر بھی بڑی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرے اور جب بھی وہ پھسل جائے تو سچے دل سے توبہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو بیج لگاتا ہے، اپنی فصل کو پانی دیتا ہے، فصل کو صحت مند رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور پھر بڑی فصل کی امید

کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وضاحت کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے گناہوں سے روکتا ہے جو امید سے برتر ہیں جو کہ انسان کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، خاص طور پر رضاکارانہ قسم۔ لیکن بیماری اور مشکل کے دور میں اور خاص طور پر موت کے وقت مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کے سوا کچھ نہیں رکھنا چاہیے، خواہ اس نے اپنی زندگی اس کی نافرمانی میں گزار دی ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2877 میں موجود حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

درست طریقے سے حکم دینا

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار خبردار کیا تھا کہ لوگوں کی علم حاصل کرنے میں کم دلچسپی کی ایک وجہ یہ ہے کہ وہ دیکھتے ہیں کہ کس طرح ایک صاحب علم ان کے علم سے بہت کم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 356 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 3267 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی ہے کہ جو شخص نیکی کا حکم دیتے ہوئے اور برائی سے منع کرتے ہوئے اپنی ہی نصیحت کے خلاف کرے اسے جہنم میں سزا دی جائے گی۔

صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نصیحت کر کے نیک پیشواؤں کے نقش قدم پر چلنے کے بجائے بہت سے لوگ دوسری وجوہات مثلاً مقبولیت اور دنیاوی چیزوں کے لیے نصیحت کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بعض علماء اکثر اجتماعات اور تقریبات کی روشنی میں رہنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی نشست سے راضی نہیں ہوتے جو ایک طرف ہو کیونکہ وہ مرکزی نشست کی خواہش رکھتے ہیں۔ جب ان کا ارادہ ایسا ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نصیحت کے مثبت اثر کو دور کر دیا اور اس طرح اب وہ اپنے سننے والوں پر بہت کم مثبت اثر رکھتے ہیں۔ انہیں ایک بات کہنے اور کرنے کی بجائے عملی مثال دکھانی چاہیے تھی۔ جس کی وجہ سے ان کا مشورہ بے اثر ہو گیا۔

مسلمانوں کو دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم دینے سے پہلے ہمیشہ اپنی نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کیونکہ اس طرح کا برتاؤ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ باب 61 الصف، آیت 3:

‘‘اللہ کے نزدیک سخت ناپسندیدہ بات یہ ہے کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں۔’’

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کو مشورہ دینے سے پہلے کسی کو کامل بننا چاہیے کیونکہ یہ ممکن نہیں ہے۔ اس کے بجائے، وہ اپنی نیت کو درست کریں اور دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنے مشورے پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے عمل سے یہ ثابت کریں۔ صرف اسی رویہ سے وہ اس حدیث میں مذکور عذاب سے بچیں گے۔ اس اصول پر عمل کرنے میں ناکامی کی وجہ سے مسلمانوں کی نصیحتیں بے اثر ہو گئی ہیں حالانکہ گذشتہ برسوں میں مشاہیر کی تعداد میں ڈرامائی طور پر اضافہ ہوا ہے۔

ایک سادہ زندگی

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ اپنے پیشروؤں کی طرح سادہ لباس پہنتے تھے۔ وہ ایک بار بازار میں تھا جہاں اسے کچھ تاجروں نے خلیفہ تسلیم کیا۔ اس کے بعد اس نے ان سے کوئی چیز خریدنے سے انکار کر دیا اور اس کے بدلے ایک لڑکے سے چاندی کے تین سکوں کے عوض ایک قمیص خرید لی جو اسے نہیں پہچانتا تھا۔ لڑکے کے والد بعد میں علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اسے جزوی رقم کی واپسی کے طور پر ایک چاندی کا سکہ پیش کیا اور دعویٰ کیا کہ قمیض کی قیمت صرف دو چاندی کے سکوں کی ہے۔ لیکن علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ وہ اس سے خوش ہے جو اس نے ادا کیا ہے اور لڑکا اس پر خوش ہے جو اس نے لیا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے جب خلیفہ تھا تو لوگوں کو اپنی طرفداری کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اس کے علاوہ اس کا رویہ اس سادہ زندگی کی نشاندہی کرتا ہے جو اس نے اختیار کی تھی۔ دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینے کے لیے اس نے سادہ زندگی اختیار کی۔ سادہ زندگی انسان کو اس مادی دنیا سے لطف اندوز ہونے پر آخرت کی تیاری کو ترجیح دینے کی ترغیب دیتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب ان سے پوچھا گیا کہ آپ پیچ دار قمیض کیوں پہنتے ہیں تو اس نے جواب دیا کہ یہ روحانی دل کے لیے زیادہ عاجزی اور مومن کے لیے ایک مثال ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 361-362 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4118 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سادگی ایمان کا حصہ ہے۔

اسلام مسلمانوں کو اپنی تمام دولت اور جائز خواہشات کو ترک کرنے کی تعلیم نہیں دیتا بلکہ یہ ان کو اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں جیسے کہ ان کی خوراک، لباس، رہائش اور کاروبار میں سادہ طرز زندگی اپنانے کی تعلیم دیتا ہے تاکہ وہ انہیں فارغ وقت فراہم کریں۔ آخرت کے لیے مناسب طریقے

سے تیاری کریں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرنا شامل ہے۔ اس سادہ زندگی میں اس دنیا میں کوشش کرنا بھی شامل ہے تاکہ کسی کی ضرورتوں اور ان کے محتاجوں کی ضرورتوں کو بغیر زیادتی، فضول خرچی اور اسراف کے پورا کیا جا سکے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھ لینا چاہیے کہ وہ جتنی سادہ زندگی گزاریں گے، وہ دنیاوی چیزوں پر اتنا ہی کم دباؤ ڈالیں گے اور اسی لیے وہ آخرت کے لیے اتنا ہی زیادہ کوشش کر سکیں گے، جس سے ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل ہو گا۔ لیکن ایک شخص کی زندگی جتنی زیادہ پیچیدہ ہوگی وہ اتنا ہی زیادہ دباؤ ڈالے گا، مشکلات کا سامنا کرے گا اور اپنی آخرت کے لیے کم کوشش کرے گا کیونکہ دنیاوی چیزوں سے ان کی مصروفیات کبھی ختم ہوتی نظر نہیں آئیں گی۔ یہ رویہ انہیں ذہنی، جسم اور روح کا سکون حاصل کرنے سے روک دے گا۔

سادگی دنیا میں آسودگی کی زندگی اور قیامت کے دن سیدھا حساب کتاب کا باعث بنتی ہے۔ جب کہ ایک پیچیدہ اور عیش و عشرت کی زندگی صرف ایک دباؤ والی زندگی اور قیامت کے دن سخت اور مشکل حساب کتاب کا باعث بنے گی۔

اچھا خرچ

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک اینٹ دوسری اینٹ پر نہیں رکھی اور نہ ہی کسی پتھر پر پتھر رکھا یعنی اپنے لیے گھر نہیں بنائے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 363 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2482 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ تمام حلال خرچ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ہے، سوائے اس مال کے جو عمارتوں پر خرچ کیا جائے۔

اس میں حلال چیزوں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے جو اسراف، فضول خرچی یا اسراف سے پاک ہے۔ جو تعمیر ضروری ہو اس پر خرچ کرنا اس حدیث میں شامل نہیں ہے بلکہ وہ تعمیر ہے جو ضرورت سے باہر ہو۔ یہ ناپسندیدہ ہے کیونکہ تعمیرات پر خرچ آسانی سے فضول خرچی اور اسراف کا باعث بنتا ہے۔ اس کے علاوہ جو شخص تعمیرات پر مال خرچ کرتا ہے اس کا صدقہ دینے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے خرچ کرنے کا امکان کم ہے۔ نیز یہ طرز عمل اکثر ایک مسلمان کو لمبی زندگی کی امیدوں کو اپنانے کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ جو یہ سمجھتا ہے کہ اس دنیا میں ان کا قیام بہت مختصر ہے وہ ایک خوبصورت گھر بنانے میں توانائی اور دولت کو ضائع نہیں کرے گا۔ لمبی عمر کی جتنی زیادہ امیدیں ہوں گی اتنے ہی کم نیک اعمال انجام دیں گے اس یقین کے ساتھ کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ اچھے کام انجام دے سکتے ہیں۔ یہ کسی کو مخلصانہ توبہ میں تاخیر کرنے کا سبب بھی بنتا ہے یہ یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل میں ہمیشہ بہتر کے لیے بدل سکتے ہیں۔ آخر میں، یہ اس دنیا میں اپنے طویل قیام کے لیے زیادہ آرام دہ زندگی پیدا کرنے کے لیے دنیا کے لیے مزید کوششیں وقف کرنے کا سبب بنتا ہے۔

غیر ضروری تعمیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا انسان کے لیے وقت گزارتا ہے جو کہ اسے انتہائی تھکاوٹ کے باعث نفلی اعمال مثلاً روزہ اور رات کی نماز ادا کرنے سے روکتا ہے۔ یہ انہیں اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کرنے سے بھی روکتا ہے۔

آخر کار، حقیقت میں غیر ضروری تعمیرات میں حصہ لینا کبھی ختم نہیں ہوتا۔ مطلب، جس لمحے کوئی شخص اپنے گھر کا ایک حصہ مکمل کر لیتا ہے وہ اس وقت تک دوسرے حصے میں چلا جاتا ہے جب تک کہ سائیکل خود کو دہرا نہ جائے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تمام چیزوں کے حوالے سے جو ان کی ضرورت کے مطابق ہے، صرف تعمیرات ہی پر عمل کریں تاکہ وہ ان منفی نتائج سے بچ سکیں۔

سنت پرستی کے پہلو

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ سنت کے تین حصے ہیں، جن کا ذکر امام محمد السلبی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 365 میں کیا گیا ہے۔

سنت پرستی کا پہلا پہلو لمبی عمر کی امیدیں نہ رکھنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکٹھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ ملے اور اس

لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی چھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11:

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔‘‘

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کردے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں وہ بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

تپسیا کا دوسرا پہلو ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا ہے جو عطا کی گئی ہیں۔

ایک مسلمان کو اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ شکر گزاری کے تینوں پہلوؤں کو پورا کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کا منکر بننے سے بچ جائے، جیسا کہ حقیقت میں ناشکری کرنے والا، نعمتیں دینے والے کی حقارت کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 152:

‘‘اور میرا شکر ادا کرو اور میرا انکار نہ کرو۔’’

شکرگزاری کے تین پہلو یہ ہیں کہ داخلی طور پر اللہ تعالیٰ کو تمام نعمتوں کا واحد خالق اور عطا کرنے والا تسلیم کریں۔ اس کا ایک پہلو اپنی نیت کو درست کرنا ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اعمال انجام دیں۔ اگلا پہلو زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا ہے۔ اور آخری اور اعلیٰ ترین

پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اسلام کی بتائی ہوئی ہر نعمت کو استعمال کرتے ہوئے عملاً اپنے عمل کے ذریعے شکر ادا کیا جائے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔ لیکن اگر تم جھٹلاؤ گے تو میرا عذاب بہت سخت ہے۔"

جیسا کہ سچا شکر نعمتوں میں اضافے کا باعث بنتا ہے مسلمانوں کو ڈرنا چاہیے کہ کفران نعمت ان کے پاس موجود نعمتوں کو یا تو ان سے چھین لی جائے یا ان کی نعمتوں کو ان کے خلاف استعمال کر کے دونوں جہانوں میں ان کے لیے بوجھ اور لعنت بن جائے۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان واقعی شکر گزار ہو جائے تو پھر بھی انہیں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا جیسا کہ ان کی ضمانت ہے۔ لیکن اگر وہ صحیح رویہ اختیار کریں گے تو ہر حال میں ان کی رہنمائی ہو جائے گی تاکہ انہیں دنیا میں ذہنی اور جسمانی سکون اور آخرت میں بڑا اجر ملے۔

پرہیزگاری کا آخری پہلو حرام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام نے حلال و حرام کو واضح کر دیا ہے۔ ان کے درمیان مشتبہ چیزیں ہیں جن سے بچنا چاہیے تاکہ ایمان اور عزت کی حفاظت ہو۔

مسلمانوں کی اکثریت فرض فرائض اور شراب نوشی جیسی حرام چیزوں کی اکثریت سے واقف ہے۔ لہٰذا یہ مسلمانوں کے اندر کوئی شک و شبہ پیدا نہیں کرتے اس لیے ان کو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق فرائض کو پورا کرو اور حرام سے

پرہیز کرو۔ باقی تمام چیزیں جو واجب نہیں ہیں اور معاشرے میں شکوک پیدا کرتی ہیں اس لیے ان سے بچنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ اس سے یہ سوال نہیں کرے گا کہ کسی نے رضاکارانہ عمل کیوں نہیں کیا بلکہ وہ پوچھے گا کہ اس نے رضاکارانہ عمل کیوں کیا۔ اس لیے رضاکارانہ عمل کو چھوڑنے کا آخرت میں کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا جب کہ رضاکارانہ عمل کرنے سے سزا، جزا یا معافی ہوگی۔ مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ اس مختصر مگر انتہائی اہم حدیث پر عمل کریں کیونکہ یہ بہت سے مسائل اور بحثوں کو حل اور روک دے گی۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب کوئی مشتبہ یا حتیٰ کہ فضول چیزوں میں ملوث ہوتا ہے تو یہ اسے غیر قانونی کے قریب لے جاتا ہے۔ مثال کے طور پر، گنہگار تقریر اکثر بیکار اور بیکار تقریر سے پہلے ہوتی ہے۔ اس لیے ایک مسلمان کے ایمان اور عزت کے لیے یہ زیادہ محفوظ ہے کہ وہ مشکوک اور لغو باتوں سے بچ جائے۔

حکمت کے الفاظ – 4

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ مندرجہ ذیل نصیحتیں کیں جو امام اصفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 157 میں درج ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے امید رکھنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا بہت زیادہ امکان نہیں ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ جو شخص سچی امید رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر اور جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت

میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانہ سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں بچا لے گا۔ نرک سے .حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود ہے، کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمان جس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوگا۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والے کی طرح اس کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے " "گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ انسان کو اپنے گناہوں کے علاوہ کسی چیز سے نہیں ڈرنا چاہیے۔

معمولی اور بڑے کے طور پر .وقت کے ساتھ ساتھ بہت سی گناہوں کی درجہ بندی کر دی گئی ہے۔ کوئی کہ یہ ہے اس بارے میں دیا گیا ہے کہ اصل میں بڑا گناہ کیا ہے۔ ایک سادہ درجہ بندی تعریفیں ایک سزا کا اسلام نے اسلامی حکومت کو حکم دیا ہے اسے گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ جس کی گناہ بھی اور درجہ بندی یہ ہے کہ اگر کسی گناہ کا ذکر جہنم کے ساتھ ہو، اللہ تعالیٰ کی ناراضگی، یا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو، تو وہ کبیرہ گناہ ہے۔ مثال کے طور پر غیبت گناہ کبیرہ ہے کیونکہ قرآن پاک میں اس پر :لعنت کی گئی ہے۔ باب 104 الحمزہ، آیت 1

"ہائے ہر غیبت کرنے والے، بہتان لگانے والے کے لیے۔ "

صحیح بخاری کی بعض مسلمانوں کا خیال ہے کہ صرف سات بڑے گناہ ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔ حدیث نمبر 2766 میں ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے کہ یہ سات کبیرہ گناہ ہیں اس کا مطلب یہ نہیں دوسرے کبیرہ گناہوں کا ذکر میں کہ صرف سات ہی ہیں۔ درحقیقت اور بھی احادیث موجود ہیں جن ۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے نمبر 6273 میں موجود ہے۔ اس سے کی نافرمانی ہے جیسے والدین پہلے حدیث میں جن سات کبیرہ گناہوں کا اعلان کیا گیا ہے وہ یہ ہیں :شرک، جادو، کسی بے گناہ کو یتیموں کا مال ہڑپ کرنا، میدان جنگ سے بھاگنا اور بے گناہ ،مالی سود کا سودا کرنا ،قتل کرنا .عورت پر الزام لگانا۔ زنا کی

جب کوئی چھوٹے گناہوں پر قائم رہتا ہے تو وہ اسلام کی نظر میں بڑے ہو کہ یہ جاننا ضروری ہے جاتے ہیں۔

کبیرہ گناہوں سے اجتناب اور گناہ صغیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے معاف ہوتے ہیں جبکہ صغیرہ اعمال صالحہ سے مٹ سکتے ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 31:

"اگر تم ان کبیرہ گناہوں سے بچو گے جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو ہم تم سے تمہارے چھوٹے گناہوں کو دور کر دیں گے۔"

سچی توبہ میں ندامت، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہو، دوبارہ ایسا یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ اعلیٰ، اور لوگ۔

وہ ہر قسم کے گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں خواہ وہ کسی بھی سائز کے ہوں مسلمان یقینی بنائیں کیوں کہ شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو چھوٹے گناہوں کو نظر انداز کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ انسان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ پہاڑ چھوٹے پتھروں سے بنتے ہیں۔

اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ انسان کو یہ تسلیم کرنے میں شرم محسوس نہیں کرنی چاہیے کہ وہ کچھ نہیں جانتے۔

بعض نے عجیب رویہ اختیار کیا ہے۔ جب ان سے ان چیزوں کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے جس سے وہ بے خبر ہوتے ہیں تو وہ سچائی کو تسلیم کرنے کے بجائے ایسا جواب دیتے ہیں جس کی سچائی میں کوئی بنیاد نہیں ہوتی۔ یہ خاص طور پر اسلام سے جڑے معاملات میں ایک سنگین مسئلہ بن سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو غلط معلومات دینے پر سزا مل سکتی ہے جس پر دوسرے عمل کرتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے نادانی سے چیزوں کو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ ان لوگوں کی وجہ سے اسلام کے ساتھ عجیب و غریب عقائد و رسوم وابستہ ہو گئے ہیں جو کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے حق سے بہت بڑا انحراف ہے۔ درحقیقت مسلمانوں نے بہت سی ثقافتی رسومات کو اپنایا ہے اور انہیں اسلام کا حصہ ماننا اسی جاہلانہ ذہنیت کی وجہ سے رونما ہوا ہے۔

یہ لوگ یقین رکھتے ہیں کہ اگر وہ محض اعتراف کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں جانتے ہیں تو وہ دوسروں کو بے وقوف دکھائی دیں گے۔ یہ ذہنیت اپنے آپ میں انتہائی احمقانہ ہے کیونکہ نیک پیشرو اپنی جہالت کو تسلیم کرنے کی اہمیت پر زور دیتے تھے تاکہ دوسرے گمراہ نہ ہوں۔ درحقیقت، صالح پیش رو صرف اس شخص کو شمار کرتے جو اس طرح کا برتاؤ کرتا ہو اور عقلمندوں میں شمار ہوتا تھا اور ان کے ہر سوال کا جواب دینے والے کو احمق شمار کیا جاتا تھا۔

یہ رویہ اکثر ان بزرگوں میں دیکھنے میں آتا ہے جو اکثر اپنے بچوں کو دنیا اور دین سے متعلق مسائل پر نصیحت کرتے ہیں بجائے اس کے کہ وہ اپنی لاعلمی کا اعتراف کریں اور انہیں کسی ایسے شخص کی طرف لے جائیں جو سچائی سے واقف ہو۔ جب بزرگ اس طرح سے کام کرتے ہیں تو وہ اپنے زیر کفالت افراد کی صحیح رہنمائی کرنے میں اپنی ذمہ داری میں کوتاہی کرتے ہیں جس کا اشارہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث میں آیا ہے۔

اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے صحیح علم حاصل کریں خواہ دنیوی ہو یا دینی، اور اگر وہ کسی چیز سے ناواقف ہوں تو اسے تسلیم کر لیں کیونکہ اس سے ان کے درجات میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ اگر کچھ بھی ہو تو اللہ تعالیٰ اور لوگ ان کی ایمانداری کی قدر کریں گے۔

اس کے بعد علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت فرمائی کہ صبر ایمان کے لیے ہے جیسے سر جسم کے لیے، اور جس جسم کا سر نہ ہو اس میں کوئی چیز خیر نہیں۔

مسند احمد نمبر 2803 میں ایک حدیث ہے کہ ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنا اجر عظیم کا باعث ہے۔ باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا]یعنی حد[..."

ایمان کے تین پہلوؤں کی تکمیل کے لیے صبر ایک کلیدی عنصر ہے :اللہ تعالیٰ کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا سامنا کرنا۔ لیکن صبر سے زیادہ اعلیٰ اور زیادہ ثواب کا درجہ قناعت ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایک مسلمان گہرا یقین رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے اور اس لیے وہ اس کے انتخاب کو اپنی ذات پر ترجیح دیتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک صابر مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ جس چیز نے ان پر اثر ڈالا، مثلاً ایک مشکل، اس سے بچا نہیں جا سکتا تھا خواہ ساری مخلوق ان کی مدد کرے۔ اسی طرح جو کچھ بھی ان سے چھوٹ گیا وہ ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتا تھا۔ جو شخص اس حقیقت کو صحیح معنوں میں قبول کر لیتا ہے وہ اس چیز پر فخر اور فخر نہیں کرے گا جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مختص کیا ہے۔ اور نہ ہی وہ کسی ایسی چیز پر غمگین ہوں گے جس کو حاصل کرنے میں وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے میں ناکام رہے، اس نے وہ چیز ان کے لیے مختص نہیں کی اور نہ ہی کوئی چیز اس حقیقت کو بدل سکتی ہے۔ باب الحدید، آیات 22-23 57:

" کوئی آفت زمین پر یا آپ کے درمیان نہیں آتی ہے سوائے اس کے کہ ہم اسے وجود میں لانے سے پہلے ایک رجسٹر [1 میں موجود ہوں] - بے شک یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ تاکہ تم اس چیز پر مایوس نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔''

اس کے علاوہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 79 کی ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ جب کوئی چیز واقع ہو تو مسلمان کو یقین رکھنا چاہیے کہ وہ مقدر تھی اور کوئی چیز اس کا نتیجہ نہیں بدل سکتی تھی۔ اور ایک مسلمان کو یہ خیال کرتے ہوئے پچھتاوا نہیں ہونا چاہیے کہ اگر وہ کسی نہ کسی طرح مختلف طریقے سے برتاؤ کرتے تو وہ نتائج کو روک سکتے تھے کیونکہ یہ رویہ صرف شیطان کو بے صبری اور تقدیر کے بارے میں شکایت کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ایک صابر مسلمان صحیح معنوں میں یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بھی منتخب کیا ہے وہ ان کے لیے بہترین ہے خواہ وہ اس کے پیچھے موجود حکمت کو نہ دیکھیں۔ صبر کرنے والا اپنے حالات میں تبدیلی کا خواہاں ہوتا ہے اور اس کے لیے دعا بھی کرتا ہے لیکن جو کچھ ہوا اس کی شکایت نہیں کرتا۔ ثابت قدم رہنا ایک مسلمان کو بڑے درجے پر لے جا سکتا ہے یعنی قناعت۔

قناعت کرنے والا حالات میں تبدیلی کی خواہش نہیں رکھتا کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ان کی پسند سے بہتر ہے۔ یہ مسلمان صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود حدیث پر پختہ یقین رکھتا

ہے اور اس پر عمل کرتا ہے۔ یہ مشورہ دیتا ہے کہ مومن کے لیے ہر حالت بہترین ہے۔ اگر انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہو تو انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہئے جس سے برکت حاصل ہوتی ہے۔ اور اگر وہ آسانی کے وقت کا تجربہ کرتے ہیں تو انہیں شکر ادا کرنا چاہئے جو برکتوں کا باعث بنتا ہے.

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو آزماتا ہے جن سے وہ محبت کرتا ہے۔ اگر وہ صبر کا مظاہرہ کریں گے تو انہیں اجر ملے گا لیکن اگر وہ ناراض ہیں تو یہ ان کی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کمی کا ثبوت ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2396 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

ایک مسلمان کو آسانی اور مشکل دونوں وقتوں میں صبر کرنا چاہیے یا اللہ تعالیٰ کے انتخاب اور فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔ اس سے کسی کی پریشانی میں کمی آئے گی اور اسے دونوں جہانوں میں بہت سی نعمتیں ملیں گی۔ جبکہ، بے صبری صرف اس انعام کو ختم کر دے گی جو وہ حاصل کر سکتے تھے۔ کسی بھی صورت میں ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ صورت حال سے گزرے گا، لیکن یہ ان کا اختیار ہے کہ وہ اجر چاہتے ہیں یا نہیں۔

ایک مسلمان اس وقت تک مکمل قناعت کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ مشکل اور آسانی کے وقت اس کا رویہ برابر نہ ہو۔ ایک سچا بندہ فیصلہ کے لیے مالک یعنی اللہ تعالیٰ کے پاس کیسے جا سکتا ہے اور پھر ناخوش کیسے ہو سکتا ہے جب انتخاب ان کی خواہش کے مطابق نہ ہو۔ اس بات کا ایک حقیقی امکان ہے کہ اگر کسی شخص کو وہ حاصل ہو جائے جس کی وہ خواہش کرتا ہے تو وہ اسے تباہ کر دے گا۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

ایک مسلمان کو کنارے پر اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کرنی چاہیے۔ یعنی جب حکم الٰہی ان کی خواہشات کے مطابق ہوتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہیں۔ اور جب ایسا نہیں ہوتا تو وہ غضب ناک ہو جاتے ہیں گویا وہ اللہ تعالیٰ سے بہتر جانتے ہیں۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی پسند کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنا چاہیے جیسا کہ وہ کسی قابل اعتماد ڈاکٹر کے ساتھ برتاؤ کرتا ہے۔ اسی طرح ایک مسلمان ڈاکٹر کی تجویز کردہ کڑوی دوا لینے کی شکایت نہیں کرے گا یہ جانتے ہوئے کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے اسے یہ جانتے ہوئے کہ دنیا میں ان کو جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اسے قبول کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک سمجھدار شخص کڑوی دوا کے لیے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کرے گا اور اسی طرح ایک ذہین مسلمان کسی بھی صورت حال کا سامنا کرنے پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے گا۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی بہت سی آیات اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی احادیث کا جائزہ لیں، جن میں صبر کرنے والے اور مطمئن مسلمان کو دیے جانے والے اجر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ اس پر گہرا غور و فکر ایک مسلمان کو مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے ثابت قدم رہنے کی ترغیب دے گا۔ مثال کے طور پر، باب 39 از زمر، آیت 10:

"بے شک، مریض کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا [یعنی حد]..."

ایک اور مثال جامع ترمذی نمبر 2402 میں موجود حدیث میں مذکور ہے۔ اس میں یہ نصیحت ہے کہ جب صبر کے ساتھ دنیا میں آزمائشوں اور مشکلات کا سامنا کرنے والوں کو ان کا اجر ملے گا جن لوگوں نے ایسی آزمائشوں کا سامنا نہیں کیا وہ کاش صبر کے ساتھ ایسی مشکلات کا مقابلہ کرتے۔ جیسا کہ ان کی جلد قینچی سے کاٹ دی جاتی ہے۔

صبر اور قناعت حاصل کرنے کے لیے جس چیز کو اللہ تعالیٰ کسی شخص کے لیے چنتا ہے وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پائے جانے والے علم کی تلاش اور اس پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ ایمان کی بلندی تک پہنچ جاتے ہیں۔ صحیح مسلم نمبر 99 میں موجود ایک حدیث میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ ایمان کی فضیلت اس وقت ہوتی ہے جب ایک مسلمان عمل کرتا ہے جیسے کہ نماز، گویا وہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے سکتا ہے۔ جو اس درجے پر پہنچ جائے گا وہ مشکلات اور آزمائشوں کا درد محسوس نہیں کرے گا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور محبت میں پوری طرح غرق ہو جائے گا۔ یہ ان عورتوں کا حال ہے جو حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹتے وقت درد محسوس نہیں کرتی تھیں۔ باب 12 یوسف، آیت 31:

"... اور جب انہوں نے اسے دیکھا تو اس کی بہت تعریف کی اور اپنے ہاتھ کاٹ کر کہنے لگے کہ اللہ کامل ہے یہ کوئی آدمی نہیں ہے، یہ کوئی اور نہیں بلکہ ایک بزرگ فرشتہ ہے۔" اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دی اور کہا، "ان کے سامنے نکل آ۔

اگر کوئی مسلمان ایمان کے اس اعلیٰ درجے تک نہیں پہنچ سکتا تو اسے کم از کم اس نچلی سطح تک پہنچنے کی کوشش کرنی چاہیے جس کا ذکر پہلے حدیث میں ہے۔ یہ وہ درجہ ہے جہاں انسان کو مسلسل معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیکھے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ایک شخص کسی مستند شخصیت کے سامنے شکایت نہیں کرے گا جس سے وہ ڈرتا ہے، جیسے کہ آجر، ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ کی موجودگی سے مسلسل آگاہ ہے، اس کے انتخاب کے بارے میں شکایت نہیں کرے گا۔

برکتوں میں اضافہ

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار نصیحت کی کہ نعمتوں کا تعلق شکر سے ہے اور شکر کرنے سے مزید نعمتیں ملتی ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی طرف سے مزید نعمتیں اس وقت تک نہیں آئیں گی جب تک کہ شکر ادا کرنا بند نہ ہو۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 383 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

شکرگزاری میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے عطا کی گئی ہیں۔

حقیقت میں، زیادہ تر معاملات میں اس مادی دنیا میں کوئی بھی چیز بذات خود اچھی یا بری نہیں ہے، جیسے کہ دولت۔ جو چیز کسی چیز کو اچھی یا بری بناتی ہے وہ اس کے استعمال کا طریقہ ہے۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے اس کا اصل مقصد یہی تھا کہ اس کا صحیح استعمال اسلام کی تعلیمات کے مطابق ہو۔ جب کسی چیز کا صحیح استعمال نہ کیا جائے تو وہ حقیقت میں بیکار ہو جاتی ہے۔ مثال کے طور پر، دولت دونوں جہانوں میں مفید ہے جب اس کا صحیح استعمال کیا جائے جیسے کہ کسی شخص اور اس کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کیا جائے۔ لیکن اگر اسے صحیح طریقے سے استعمال نہ کیا جائے، مثلاً ذخیرہ اندوزی یا گناہ کی چیزوں پر خرچ کرنا، تو یہ بیکار اور اس کے اٹھانے والے کے لیے لعنت بھی بن سکتا ہے۔ محض دولت جمع کرنے سے دولت کی قدر و قیمت ختم ہوجاتی ہے۔ کاغذ اور دھاتی سکے ایک ٹک کے فاصلے پر کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں؟ اس سلسلے میں، کاغذ کے ایک ٹکڑے اور پیسے کے نوٹ میں کوئی فرق نہیں ہے .یہ تب ہی مفید ہے جب اسے صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے۔

لہٰذا اگر کوئی مسلمان یہ چاہتا ہے کہ ان کے تمام دنیاوی اموال دونوں جہانوں میں اس کے لیے نعمت بن جائیں تو اسے صرف یہ کرنا ہے کہ وہ قرآن پاک میں موجود تعلیمات اور حضرت محمد صلی اللہ

علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ان کا صحیح استعمال کریں۔ اسے لیکن اگر وہ ان کا غلط استعمال کریں گے تو وہی نعمت ان کے لیے دونوں جہانوں میں بوجھ اور لعنت بن جائے گی۔ یہ اتنا ہی آسان ہے۔

جب کوئی شخص ان نعمتوں کا مقصد سمجھ لے تو صحیح رویہ اختیار کر سکتا ہے۔

مسلمان کے پاس ہر دنیوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے جو اسے آخرت تک پہنچنے میں مدد فراہم کرے۔ یہ اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے۔ مثال کے طور پر، دولت ایک ایسا ذریعہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے استعمال کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، ان کی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ یہ اپنے آپ میں کوئی حتمی یا حتمی مقصد نہیں ہے۔

اس سے نہ صرف ایک مسلمان کو آخرت پر توجہ مرکوز رکھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ جب بھی وہ دنیاوی نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں تو یہ ان کی مدد کرتا ہے۔ جب ایک مسلمان ہر دنیوی نعمت کو، جیسے کہ بچہ، کو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے اور آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتا ہے تو اس کے ضائع ہونے سے ان پر اتنا نقصان دہ اثر نہیں پڑے گا۔ وہ اداس ہو سکتے ہیں، جو ایک قابل قبول جذبہ ہے، لیکن وہ غمگین نہیں ہوں گے جو بے صبری اور دیگر ذہنی مسائل، جیسے ڈپریشن کا باعث بنتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کے پاس موجود دنیاوی نعمت صرف ایک ذریعہ ہے اس لیے اسے کھونے سے حتمی مقصد یعنی جنت میں نقصان نہیں ہوتا، جس کا نقصان تباہ کن ہے۔ لہٰذا، اب بھی حتمی مقصد پر توجہ مرکوز رکھنا انہیں غمگین ہونے سے روکے گا۔

اس کے علاوہ، وہ یہ سمجھیں گے کہ جس چیز کو انہوں نے کھویا وہ صرف ایک ذریعہ تھا، وہ پختہ یقین رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے حتمی مقصد تک پہنچنے اور اسے پورا کرنے

کے لیے ایک اور ذریعہ فراہم کیا جائے گا۔ اس سے وہ غم سے بھی بچیں گے۔ جبکہ جو شخص اپنی دنیوی نعمتوں کو کسی وسیلہ کے بجائے خاتمہ سمجھتا ہے وہ اسے کھونے پر شدید غم کا سامنا کرے گا کیونکہ اس کا پورا مقصد اور مقصد ضائع ہو گیا ہے۔ یہ غم ڈپریشن اور دیگر ذہنی مسائل کا باعث بنے گا۔

آخر میں، مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی ہر نعمت کو آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھیں نہ کہ اپنے آپ میں خاتمہ۔ اس طرح کوئی بھی چیزوں کو ان کے قبضے میں رکھے بغیر حاصل کرسکتا ہے۔ اس طرح وہ دنیاوی چیزوں کو اپنے ہاتھ میں رکھ سکتے ہیں دلوں میں نہیں۔

ایک خوبصورت خطبہ - 2

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے، انہیں دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 391 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ ان سے پہلے کی قومیں اس وقت تباہ ہوئیں جب عام لوگ گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے اور متقدمین علماء و مشائخ نے انہیں اس سے منع نہیں کیا تھا۔ لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ وہ نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں قبل اس کے کہ ان کو ان سے پہلے والوں کی طرح عذاب دیا جائے۔ انہوں نے نتیجہ اخذ کیا کہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا نہ تو رزق کو پہنچنے سے روکتا ہے اور نہ ہی موت کو قریب لاتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے

خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

عقلمندوں سے مشورہ کرنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ دوسروں کو اپنے معاملات میں ہمیشہ عقلمندوں سے مشورہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ مثال کے طور پر، انہوں نے ایک بار مشورہ دیا کہ مشاورت ہدایت کا نچوڑ ہے۔ دوسروں سے مشورہ کیے بغیر اپنے اعمال کی بنیاد اپنی رائے پر قائم کرنے والا شدید خطرے میں ہے۔ ایک اور موقع پر انہوں نے تبصرہ کیا کہ مشورہ لینا ایک بہت بڑا سہارا ہے اور بری تیاری کا ایک پہلو کسی سے مشورہ نہ کرنا ہے۔

اس نے ایک بار کسی کو مشورہ دیا کہ وہ کنجوس سے مشورہ نہ کرے، کیونکہ وہ دوسروں کو غربت سے ڈرنے کی نصیحت کریں گے اور دوسروں کو سخاوت سے منع کریں گے۔ وہ کسی بزدل سے مشورہ نہ کریں کیونکہ وہ دوسروں کے عزم کو کمزور کر دیں گے۔ انہیں کسی ایسے شخص سے مشورہ نہیں کرنا چاہئے جو لالچی ہے، کیونکہ وہ دوسروں کو غیر منصفانہ طریقوں سے چیزیں جمع کرنے کی ترغیب دیں گے۔

اس نے ایک بار مشورہ دیا تھا کہ بہترین لوگوں سے مشورہ کیا جاسکتا ہے جو عقل اور علم والے اور تجربہ کار اور عزم کے لوگ ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 393 اور 628 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو اپنے معاملات میں صرف چند لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے۔ انہیں چاہیے کہ قرآن کریم کی نصیحت کے مطابق ان چند لوگوں کا انتخاب کریں۔ باب 16 النحل، آیت 43:

‘‘پس اہلِ پیغام سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔’’

یہ آیت مسلمانوں کو علم رکھنے والوں سے مشورہ کرنے کی یاد دلاتی ہے۔ جیسا کہ ایک جاہل شخص سے مشورہ کرنے سے مزید پریشانی پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح کوئی شخص اپنی جسمانی صحت کے بارے میں کار مکینک سے مشورہ کرنا بے وقوف ہو گا ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اس کے بارے میں علم رکھتے ہوں اور اس سے منسلک اسلامی تعلیمات۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کو صرف ان لوگوں سے مشورہ کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ نہیں دیں گے۔ جبکہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا اس کی اطاعت نہیں کرتے وہ علم اور تجربہ رکھتے ہیں لیکن وہ آسانی سے دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا مشورہ دیتے ہیں جس سے صرف پریشانیوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے حقیقی علم کے مالک ہوتے ہیں اور یہی علم دوسروں کو ان کے مسائل میں کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ باب 35 فاطر، آیت 28:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

آپ کی دیکھ بھال کے تحت

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار مصر میں اپنے گورنر کو مشورہ دیا کہ وہ لوگوں کو صرف ان کی اہلیت کی بنیاد پر قائدانہ کردار پر تعینات کریں نہ کہ تعصب یا ترجیح کی بنیاد پر۔ لوگوں کو سرکاری عہدوں پر جانبداری کی بنیاد پر مقرر کرنا ناانصافی اور اللہ تعالیٰ سے خیانت ہے اور اس سے لوگوں کو بہت نقصان ہوتا ہے۔ اعلیٰ عہدوں کے لیے وہ ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جو متقی، باوقار، باشعور اور مہربان ہوں۔ اسے اس بات کو یقینی بنانا چاہیے کہ وہ صالح گھرانوں سے تعلق رکھنے والے تجربہ کار، ذہین اور معمولی لوگ ہیں، جو مذہبی طور پر پابند ہیں، کیونکہ وہ رویے میں سب سے زیادہ شریف اور خود کو گمراہی سے بچانے میں زیادہ محتاط ہیں۔ وہ لالچ سے دور ہیں اور دوسروں کے مقابلے میں چیزوں کے نتائج سے زیادہ واقف ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 393-394 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2409 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ ہر شخص اپنی زیر نگرانی چیزوں کا محافظ اور ذمہ دار ہے۔

سب سے بڑی چیز جس کا ایک مسلمان محافظ ہے وہ ان کا ایمان ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی ذمہ داری کو نبھانے کی کوشش کریں۔

اس ولایت میں ہر وہ نعمت بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے جس میں ظاہری چیزیں شامل ہیں جیسے مال اور اندرونی چیزیں جیسے کہ جسم۔ ایک مسلمان کو ان چیزوں کو اسلام کے بتائے ہوئے طریقے سے استعمال کرتے ہوئے ان کی ذمہ داری پوری کرنی چاہیے۔ مثال کے طور

پر، ایک مسلمان کو اپنی آنکھیں صرف حلال چیزوں کو دیکھنے کے لیے اور اپنی زبان کو صرف حلال اور مفید الفاظ کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

یہ سرپرستی کسی کی زندگی میں دوسروں جیسے رشتہ داروں اور دوستوں تک بھی پھیلتی ہے۔ ایک مسلمان کو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اس ذمہ داری کو اپنے حقوق کی ادائیگی اور نرمی سے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے جیسے حقوق کو پورا کرتے ہوئے پورا کرنا چاہیے۔ کسی کو دوسروں سے خاص طور پر دنیاوی مسائل میں کٹنا نہیں چاہیے۔ اس کے بجائے، انہیں اس امید پر ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا جاری رکھنا چاہیے کہ وہ بہتر کے لیے بدل جائیں گے۔ اس سرپرستی میں کسی کے بچے بھی شامل ہیں۔ ایک مسلمان کو مثال کے طور پر رہنمائی کرتے ہوئے ان کی رہنمائی کرنی چاہیے کیونکہ یہ بچوں کی رہنمائی کا سب سے مؤثر طریقہ ہے۔ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنی چاہیے، جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی ایسا ہی کرنا سکھائیں۔

نتیجہ اخذ کرنا کہ اس حدیث کے مطابق ہر ایک پر کوئی نہ کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ علم حاصل کریں اور ان پر عمل کریں تاکہ ان کی تکمیل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔

انصاف کو پکڑنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار اپنی ڈھال کھو دی اور اسے ایک یہودی کے قبضے میں پایا جس کا دعویٰ تھا کہ یہ ان کی ہے۔ مقدمہ ایک مسلمان جج کے پاس لے جایا گیا جس نے علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ وہ گواہوں کو گواہی کے لیے لائیں جو ڈھال ان کی تھی۔ جب اس نے اپنے بیٹوں کا نام بطور گواہ رکھا تو جج نے ان کی گواہی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا، ایک بیٹے کی حیثیت سے اس قسم کے قانونی کیس میں اپنے والد کی طرف سے گواہی نہیں دے سکتا۔ علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ان کے بیٹے جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں لیکن قاضی ان کی گواہی قبول نہیں کرے گا۔ جج نے یہودی کے حق میں فیصلہ سنایا۔ یہودی حیران ہوا کہ مسلمان جج نے مسلمانوں کے خلیفہ کے خلاف کیسے فیصلہ دیا اور اس کے نتیجے میں اس نے اسلام قبول کر لیا اور وہ ڈھال علی رضی اللہ عنہ کو واپس کر دی۔ علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال کو واپس لینے سے گریز کیا کیونکہ جج نے فیصلہ دیا تھا کہ یہ یہودی آدمی کی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شخص کو ایک گھوڑا بھی بطور تحفہ دیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 395 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

معاشرہ تنزلی کا شکار نظر آنے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگوں نے انصاف کرنا چھوڑ دیا ہے۔ صحیح بخاری نمبر 6787 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تنبیہ کی ہے کہ پچھلی قومیں تباہ ہوئیں کیونکہ حاکم کمزوروں کو سزا دیتے تھے جب وہ قانون توڑتے تھے لیکن امیر اور بااثر کو معاف کر دیتے تھے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سربراہ مملکت ہونے کے ناطے اس حدیث میں یہاں تک اعلان فرمایا کہ اگر ان کی اپنی بیٹی نے کوئی جرم کیا تو وہ اس پر پوری قانونی سزا نافذ کریں گے۔ اگرچہ عوام الناس کے ارکان اس پوزیشن میں نہیں ہوں گے کہ وہ اپنے قائدین کو صرف اپنے اعمال پر قائم رہنے کا مشورہ دے سکیں لیکن وہ اپنے تمام معاملات اور اعمال میں انصاف سے کام لے کر ان پر بالواسطہ اثر ڈال سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان کو اپنے زیر کفالت افراد جیسے کہ ان کے بچوں کے ساتھ برابری کا سلوک کرتے ہوئے انصاف سے کام لینا چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 3544 میں موجود حدیث میں خاص طور پر اس کی نصیحت کی گئی ہے۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے تمام کاروباری معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں خواہ وہ کسی کے ساتھ معاملہ کریں۔ اگر لوگ انفرادی سطح پر انصاف کے ساتھ کام کریں تو کمیونٹیز بہتر طور پر بدل سکتی ہیں اور اس کے نتیجے میں وہ

لوگ جو بااثر عہدوں پر ہیں، جیسے کہ سیاست دان، چاہے وہ چاہیں یا نہ چاہیں، انصاف سے کام لیں گے۔

مساوات

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ عوامی خزانے سے لوگوں کو ان کی سماجی حیثیت، نسل، جنس یا کسی اور چیز سے قطع نظر دولت کے برابر رقم دیتے تھے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 398 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6543 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا فیصلہ ان کے ظاہری شکل وصورت یا مال کی بنیاد پر نہیں کرتا بلکہ وہ لوگوں کی باطنی نیت کو دیکھ کر فیصلہ کرتا ہے۔ اور ان کے جسمانی اعمال۔

سب سے پہلے غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی کوئی بھی کام کرتے ہیں تو ہمیشہ اپنی نیت کو درست کرنا چاہیے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اسے صرف اس صورت میں اجر دے گا جب وہ اس کی رضا کے لیے عمل صالح کریں گے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں اور چیزوں کی خاطر اعمال انجام دیتے ہیں ان سے کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اپنا اجر حاصل کریں جن کے لیے انہوں نے قیامت کے دن عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ یہ حدیث اسلام میں مساوات کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ ایک شخص دنیاوی چیزوں جیسے اس کی نسل یا دولت کے لحاظ سے دوسروں سے برتر نہیں ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمانوں نے سماجی ذاتوں اور فرقوں جیسی یہ رکاوٹیں کھڑی کر دی ہیں اس طرح بعض کو دوسروں سے بہتر مانتے ہوئے اسلام نے واضح طور پر اس تصور کو رد کر دیا ہے اور اعلان کیا ہے کہ اسلام کی نظر میں اس لحاظ سے تمام لوگ برابر ہیں۔ صرف ایک چیز جو ایک مسلمان کو دوسرے پر فضیلت بخشتی ہے وہ ہے ان کی تقویٰ کا مطلب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو کتنا پورا کرتے ہیں،

اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہیں اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہیں۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔ ’’

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اپنے آپ کو مشغول رکھ کر اس کے حقوق اور لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اس بات پر یقین نہ کرے کہ جو چیز ان کے پاس ہے یا اس سے تعلق رکھتی ہے وہ کسی طرح انہیں عذاب سے بچا لے گی۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ جس مسلمان میں اعمال صالحہ کی کمی ہو، اس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ ان کے نسب کی وجہ سے درجہ بندی .حقیقت میں، یہ تمام دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دولت، نسل، جنس یا سماجی بھائی چارے اور ذات پات۔

علم کی اقسام

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ وہ علم کی تین قسمیں ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 408 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

پہلی قسم اللہ تعالیٰ کا علم ہے۔

صحیح بخاری نمبر 2736 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ننانوے ناموں کو جانتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔

جاننا صرف ان کو یاد کرنے سے مراد نہیں ہے۔ اصل میں ان کا مطالعہ کرنا اور ان پر کسی کی حیثیت اور صلاحیت کے مطابق عمل کرنا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ اپنی لامحدود حیثیت کے لحاظ سے نہایت رحم کرنے والا ہے۔ اس صفت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کو بے شمار نعمتوں سے نوازتا ہے اور ہمیشہ ان پر بہت مہربان ہے۔ یہی خصوصیت دوسروں سے بھی منسوب کی گئی ہے جیسے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ باب 9 توبہ آیت 128:

’’ بے شک تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آیا ہے۔ اس کے لیے وہ تکلیف دہ ہے جو تم برداشت کرتے ہو۔]اسے [آپ کی فکر ہے]یعنی آپ کی رہنمائی [اور مومنوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔"

جب تخلیق کے حوالے سے استعمال ہوتا ہے تو مہربان کا مطلب نرم دل اور رحم کرنے والا ہوتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی لامحدود حیثیت کے مطابق سب کو بخشنے والا ہے۔ اور دوسروں کو معاف کر کے اس صفت کو اپنانا ایک ایسی چیز ہے جس کی اسلام میں ترغیب دی گئی ہے۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کریں۔ کیا تم یہ پسند نہیں کرو گے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟''

لہٰذا اللہ تعالیٰ کی غیبی صفات کو مسلمان اپنی حیثیت کے مطابق اپنا سکتے ہیں۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ پہلے خدائی صفات اور اسماء کے معنی کو سمجھیں اور پھر اسماء کے مفہوم کو اپنے کردار میں اپنائیں یہاں تک کہ وہ اپنے روحانی دل میں مضبوطی سے جڑ نہ جائیں تاکہ وہ اعلیٰ کردار حاصل کرسکیں۔

دوسری اور تیسری قسم اس کا علم ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور اس کا علم جس سے وہ ناپسند ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2645 میں موجود حدیث میں نصیحت فرمائی کہ جب اللہ تعالیٰ کسی کو بھلائی دینا چاہتا ہے تو اسے اسلامی علم عطا کرتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کی مضبوطی سے قطع نظر دونوں جہانوں کی بھلائی چاہتا ہے۔ اگرچہ بہت سے مسلمان یہ غلط سمجھتے ہیں کہ یہ خیر جس کی وہ خواہش کرتے ہیں وہ شہرت، دولت، اختیار، صحبت اور اپنے کیریئر میں مضمر ہے، یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے میں ہی حقیقی دیرپا بھلائی ہے۔ یہ جاننا ضروری ہے کہ دینی علم کی ایک شاخ مفید دنیاوی علم ہے جس کے ذریعے انسان اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کرنے کے لیے حلال رزق کماتا ہے۔ اگرچہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ کہاں کہاں بھلائی ہے لیکن یہ شرم کی بات ہے کہ کتنے مسلمان اس کی قدر نہیں کرتے۔ وہ زیادہ تر معاملات میں اپنے واجبات کو پورا کرنے کے لیے صرف اسلامی علم کا کم سے کم حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات جیسی مزید چیزوں کو حاصل کرنے اور ان پر عمل کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ دنیاوی چیزوں پر اپنی کوششیں وقف کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ وہاں حقیقی اچھائی پائی جاتی ہے۔ بہت سے مسلمان اس بات کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ نیک پیشرووں کو صرف ایک آیت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سیکھنے کے لیے ہفتوں تک سفر کرنا پڑا، جب کہ آج کوئی اپنا گھر چھوڑے بغیر اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کر سکتا ہے۔ اس کے باوجود، بہت سے لوگ اس نعمت کو استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو جدید دور کے مسلمانوں کو دی گئی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے نہ صرف یہ بتا دیا ہے کہ سچی بھلائی کہاں ہے بلکہ اس نیکی کو انگلی کے اشارے پر بھی رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو بتا دیا ہے کہ ایک ابدی دفن خزانہ کہاں ہے جو دونوں جہانوں میں پیش آنے والے تمام مسائل کو حل کر سکتا ہے۔ لیکن مسلمانوں کو یہ بھلائی تبھی ملے گی جب وہ اسے حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی جدوجہد کریں گے۔

ایک خوبصورت خطبہ - 3

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے، انہیں دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 409-410 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔ السلام علیکم باب فاطر، آیت 28 35:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے .پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کی بھی نصیحت کی، جس نے اس زمین پر ان کے لیے ایک خاص وقت مقرر کیا۔ اس نے انہیں متنبہ کیا کہ موت سے پہلے نیک اعمال کی طرف جلدی کریں، لذتوں کو ختم کرنے والا، ان تک پہنچ جائے۔

موت ایک ایسی چیز ہے جس کا آنا یقینی ہے لیکن وقت نامعلوم ہے اس لیے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایک مسلمان جو آخرت پر یقین رکھتا ہے وہ ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دیتا ہے جو شاید نہ ہو، جیسے شادی، بچے یا ان کی ریٹائرمنٹ۔ یہ عجیب بات ہے کہ کتنے مسلمانوں نے اس کے برعکس ذہنیت اختیار کر لی ہے حالانکہ وہ گواہی دیتے ہیں کہ دنیا عارضی اور غیر یقینی ہے جبکہ آخرت دائمی ہے اور ان کا اس تک پہنچنا یقینی ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے کہ کوئی کس طرح کا برتاؤ کرے ان کے اعمال کے بارے میں فیصلہ کیا جائے گا۔ ایک مسلمان کو یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دینا چاہئے کہ وہ مستقبل میں آخرت کی تیاری کر سکتے ہیں اور کر سکتے ہیں کیونکہ یہ رویہ انہیں صرف اس وقت تک مزید تاخیر کا باعث بنتا ہے جب تک کہ ان کی موت واقع نہ ہو جائے اور وہ اس ندامت کے ساتھ اس دنیا سے چلے جاتے ہیں جو ان کی مدد نہیں کرے گی۔

اس لیے اہم بات یہ نہیں ہے کہ لوگ مر جائیں گے کیونکہ یہ ناگزیر ہے بلکہ اہم بات یہ ہے کہ اس طرح کام کیا جائے کہ انسان اس کے لیے پوری طرح تیار ہو۔ اس کے لیے صحیح طریقے سے تیاری کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کیا جائے، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام کی

تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا۔ یہ تبھی ممکن ہے جب کوئی شخص آخرت کی تیاری کو ان چیزوں کی تیاری پر ترجیح دے جو شاید نہ ہو سکیں۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کی بھی نصیحت کی، جس نے انہیں سننے کی اجازت دی کہ وہ سمجھنے کی کیا ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ کے کلام کو صحیح طور پر سننا ہی اس کی تعلیمات پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ سننے اور سننے کے درمیان فرق کو سمجھنا ضروری ہے۔ سننا محض کسی کے دماغ سے آواز کو تسلیم کرنا ہے چاہے وہ شور کا احساس نہ کر سکے۔ مثال کے طور پر، ایک شخص بہت دور سے کسی کو چیختے ہوئے سن سکتا ہے لیکن وہ یہ نہیں سمجھ پائے گا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ جبکہ، سننے میں آواز سننا اور اسے سمجھنا شامل ہے تاکہ کسی کا طرز عمل بدل جائے۔ مثال کے طور پر، ایک شخص دوسرے کو مخصوص زبانی ہدایات دیتا ہے جو ہدایات کو سننے اور سمجھنے کے بعد مناسب جواب دیتا ہے۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کا کلام سننے اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ ان کے طرز عمل پر مثبت اثر ڈالے۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان قرآن پاک کے حوالے سے اس پر عمل کرنے میں ناکام رہے ہیں کیونکہ وہ قرآن پاک کی تلاوت سننے میں تو اچھے ہیں لیکن اسے صحیح طریقے سے سننے میں ناکام رہتے ہیں جس میں اس کی تعلیمات کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، صرف اللہ تعالیٰ کا کلام سننا، کامیابی حاصل کرنے کے لیے کافی نہیں ہے، اس کے بجائے اسے سننے کی کوشش کرنی چاہیے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کی بھی نصیحت کی، جس نے انہیں اپنے اردگرد کی چیزوں کو دیکھنے کے لیے بینائی دی۔

ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں محتاط رہے اور اپنے دنیوی معاملات میں بہت زیادہ مشغول ہونے سے گریز کرے تاکہ وہ اپنے اردگرد ہونے والی چیزوں سے اور ان چیزوں سے غافل ہو جائے جو پہلے ہو چکی ہیں۔ یہ ایک اہم خوبی ہے کیونکہ یہ کسی کے ایمان کو مضبوط کرنے کا ایک بہترین طریقہ ہے جس کے نتیجے میں انسان کو ہر وقت اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں مدد ملتی ہے۔ مثال کے طور پر، جب کوئی مسلمان کسی بیمار کو دیکھتا ہے تو اسے نہ صرف اس کی مدد کرنی چاہیے، چاہے وہ صرف ایک دعا ہی کیوں نہ ہو، بلکہ اسے اپنی صحت پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بھی آخر کار اپنی صحت سے محروم ہو جائیں گے۔ بیماری، بڑھاپے یا موت سے بھی۔ اس سے انہیں اپنی اچھی صحت کے لیے شکر گزار ہونے کی ترغیب دینی چاہیے اور دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں ان کی اچھی صحت سے فائدہ اٹھا کر اپنے عمل سے یہ ظاہر کرنا چاہیے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔

جب وہ کسی امیر کی موت کا مشاہدہ کرتے ہیں تو انہیں نہ صرف میت اور اس کے گھر والوں کے لیے غمگین ہونا چاہیے بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ ایک دن وہ بھی مر جائے گا جو ان کے لیے نامعلوم ہے۔ انہیں سمجھ لینا چاہیے کہ جس طرح امیر کو ان کی قبر پر دولت، شہرت اور خاندان چھوڑ دیا گیا تھا، اسی طرح وہ بھی قبر میں صرف ان کے اعمال کے ساتھ رہ جائیں گے۔ اس سے انہیں اپنی قبر اور آخرت کی تیاری کا حوصلہ ملے گا۔

یہ رویہ ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیے ایک مسلمان کو اپنے اردگرد کی ہر چیز سے سبق سیکھنا چاہیے جس کی نصیحت قرآن پاک میں کی گئی ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 191:

اور آسمانوں اور زمین کی تخلیق کے بارے میں سوچو، "اے ہمارے رب، تو نے اسے بے مقصد پیدا نہیں کیا، تو بہت بلند ہے، تو ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔ "

جو لوگ اس طرح کا برتاؤ کرتے ہیں ان کا ایمان روزانہ کی بنیاد پر مضبوط ہوتا جائے گا جبکہ جو لوگ اپنی دنیاوی زندگی میں بہت زیادہ مشغول ہیں وہ غافل رہیں گے جو ان کی تباہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اللہ سے ڈرنے کی بھی نصیحت کی، جس نے انہیں چیزوں کو سمجھنے کے لیے دل اور دماغ عطا کیے تھے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ صحیح ادراک پیدا کریں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ کر سکیں، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ وہی چیز ہے جو نیک پیشروؤں کے پاس تھی اور اس نے انہیں مادی دنیا کی اضافی آسائشوں سے بچنے اور آخرت کی تیاری کرنے کی ترغیب دی۔ یہ ایک اہم خصوصیت ہے اور اسے دنیاوی مثال سے بیان کیا جا سکتا ہے۔ دو لوگ بہت پیاسے ہیں اور ایک کپ گدلا پانی کے پاس آتے ہیں۔ وہ دونوں اسے پینا چاہتے ہیں اگرچہ وہ پاک نہ ہو اور خواہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس پر جھگڑنا پڑے۔ جیسے جیسے ان کی پیاس گندے پانی کے پیالے پر زیادہ مرکوز ہوتی ہے وہ اس مقام پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ ہر چیز پر توجہ کھو دیتے ہیں۔ لیکن اگر ان میں سے کوئی اپنی توجہ ہٹاتا ہے اور صاف پانی کے ایک دریا کو دیکھتا ہے جو کچھ ہی فاصلے پر تھا وہ فوری طور پر پانی کے پیالے پر توجہ اس مقام پر کھو دیتا ہے کہ وہ اب اس کی پرواہ نہیں کرے گا اور اس پر مزید بحث نہیں کرے گا۔ اور اس کے بجائے وہ اپنی پیاس کو صبر سے برداشت کریں گے یہ جانتے ہوئے کہ خالص پانی کا ایک دریا قریب ہے۔ جو شخص دریا سے ناواقف ہے وہ شاید اس کے رویے میں تبدیلی کو دیکھ کر یقین کرے گا کہ دوسرا پاگل ہے۔ یہی حال اس دنیا میں دو طرح کے لوگوں کا ہے۔ ایک گروہ لالچ سے مادی دنیا پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔ دوسرے گروہ نے اپنی توجہ آخرت اور اس کی پاکیزہ اور ابدی نعمتوں پر مرکوز کر دی ہے۔ جب کوئی اپنی توجہ آخرت کی

سعادت کی طرف مبذول کر لے تو دنیاوی مسائل اتنی بڑی بات نہیں لگتے۔ اس لیے صبر کو اپنانا آسان ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر کوئی اس دنیا پر اپنی توجہ مرکوز رکھے تو یہ ان کو سب کچھ لگتا ہے۔ وہ اس کے لیے بحث کریں گے، لڑیں گے، محبت کریں گے اور نفرت کریں گے۔ بالکل اسی طرح جیسے پہلے ذکر کی گئی مثال میں وہ شخص جو صرف گندے پانی کے پیالے پر توجہ مرکوز کرتا ہے۔

یہ صحیح ادراک صرف قرآن پاک میں موجود اسلامی علم کو حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات میں پایا جاتا ہے۔ باب 41 فصیلات، آیت 53:

’’ہم اُن کو اپنی نشانیاں افق اور اُن کے اندر دکھائیں گے یہاں تک کہ اُن پر واضح ہو جائے گا کہ یہ حق ہے‘‘۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ وہ بیکار نہیں بنائے گئے ہیں۔

قرآن کریم نے واضح طور پر باب 51 ذریات آیت 56 میں بنی نوع انسان کے مقصد کا اعلان کیا ہے:

’’اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔‘‘

اس سے پہلے کہ کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے، سب سے پہلے اسے پہچاننا چاہیے کیونکہ بغیر علم کے کسی کی اطاعت ممکن نہیں۔ اس کے علاوہ، لوگوں کو اس کام کو پورا کرنے سے پہلے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا سیکھنا چاہیے۔ اس لیے علم کے بعد عبادت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفید علم کے حصول کو تمام مسلمانوں پر فرض قرار دیا ہے۔ بغیر علم کے انسان کبھی بھی اللہ کی عبادت صحیح طریقے سے نہیں کر سکتا. علم کے ساتھ کی گئی چند نیکیاں جہالت کی وجہ سے غلط طریقے سے کی جانے والی بہت سی نیکیوں سے کہیں زیادہ افضل ہیں۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اس کے سوا کسی کی بندگی اور عبادت کا حق نہیں ہے۔ اگر کوئی آجر اپنے ملازم کو اس فرض سے دستبردار ہونے کی وجہ سے آسانی سے برطرف کر دے جس کے لیے اسے رکھا گیا ہے تو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کو ترک کرنا کیونکر درست ہو سکتا ہے جب کہ اس نے مخلوق کو پیدا کیا ہے اور اسے برقرار رکھا ہے؟ تمام بنی نوع انسان کو آزاد مرضی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کرنے کی صلاحیت عطا کی گئی ہے۔ لہٰذا ہر شخص کو یہ فیصلہ کرنا چاہیے کہ آیا وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو اس طرح پورا کرنا چاہتا ہے جس سے ابدی اجر ملے گا یا اسے رد کر کے دونوں جہانوں میں عذاب کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح ایک آلہ، جیسے کہ موبائل فون، جو اپنا بنیادی مقصد پورا نہیں کرتا، ضائع کر دیا جاتا ہے، لوگوں کو ان کے وجود کے بنیادی مقصد کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے قیامت کے دن جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ عبادت سے مراد اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ فرمانبرداری انسان کی زندگی اور جسم کے ہر حصے جیسے کہ ان کی زبان پر محیط ہونی چاہیے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف انسان کا فرض شامل ہے، جیسے نماز پڑھنا اور مخلوق کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو بہترین اجر ملے گا جبکہ اس کی نافرمانی کرنے والوں کو دنیا اور آخرت میں بدترین سزا ملے گی۔ جامع ترمذی نمبر 2466 میں موجود ایک الہٰی حدیث میں

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نقل کرتے ہیں، جو اعلان کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی عبادت میں مشغول ہو جائے تو وہ خلوصِ اطاعت سے اس کو بھر دے گا۔ ان کے دلوں کو دولت سے مالا مال کر اور ان کی غربت کو دور کر دے۔ لیکن اگر وہ اللہ کی بندگی اور اطاعت سے منہ موڑ لیں تو ان کی زندگی مسائل سے بھر جائے گی اور ان کی غربت دور نہیں ہوگی۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی بھی صورت میں مخلوق کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 6572 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ لوگ صرف اپنے نیک اعمال سے فائدہ اٹھاتے ہیں کیونکہ اس سے ان کے درجات بلند ہوتے ہیں۔ اور وہ صرف اپنے گناہوں سے اپنے آپ کو نقصان پہنچاتے ہیں کیونکہ وہ ان کے لئے جوابدہ ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی لامحدود حیثیت میں کوئی تبدیلی نہیں آتی چاہے ساری مخلوق اس کی عبادت کرے یا نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ، واحد خالق اور واحد رازق ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مکمل طور پر اور مکمل طور پر اس کے محتاج ہیں۔ جو اس بات کو سمجھے گا اور سچے دل سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرے گا، وہ اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرے گا اور اس لیے اسے ابدی انعام دیا جائے گا۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے آسانی اور مشکل کے وقت اپنی اطاعت کرنے پر اجر وثواب کا وعدہ کیا ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7500 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مومن کے لیے ہر حالت مبارک ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے ہر صورت حال کا جواب دینے کی ضرورت ہے، خاص طور پر مشکلات میں صبر اور آسانی کے وقت شکرگزاری۔

زندگی کے دو پہلو ہیں۔ ایک پہلو وہ حالات ہیں جن میں لوگ خود کو پاتے ہیں چاہے وہ آسانی کے وقت ہوں یا مشکلات۔ کسی شخص کو کس صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس کا کنٹرول ان کے ہاتھ سے باہر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر دیا ہے اور ان سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لیے جن حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ان پر زور دینا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ وہ مقدر ہیں اور اس لیے ناگزیر ہیں۔ دوسرا پہلو ہر صورت حال پر ایک شخص کا ردعمل ہے۔ یہ ہر شخص کے اختیار میں ہے اور یہ وہی ہے جس پر ان کا فیصلہ کیا جاتا ہے، مثال کے طور پر، کسی مشکل صورتحال میں صبر یا بے صبری کا مظاہرہ کرنا۔ اس لیے ایک مسلمان کو ہر حال میں اپنے رویے اور رد عمل پر توجہ دینی چاہیے، بجائے اس کے کہ کسی صورت حال میں ہونے پر زور دیا جائے کیونکہ یہ ناگزیر ہے۔ اگر کوئی مسلمان دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے ہر حال کا اندازہ لگانا چاہیے اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں رہنا چاہیے۔ مثال کے طور پر، آسانی کے وقت ان کو چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کو استعمال کریں جو ان کے پاس ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اور مشکل کے وقت انہیں صبر کا مظاہرہ کرنا چاہیے یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے چاہے وہ انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

تقویٰ کے پہلو

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ تقویٰ کے بعض پہلوؤں کا ذکر کیا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 426 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

تقویٰ کا پہلا پہلو جو علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے.

تقویٰ کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لانا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرنا اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ اس میں دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا بھی شامل ہے جیسا کہ کوئی چاہتا ہے کہ لوگوں کے ساتھ سلوک کیا جائے۔

تقویٰ کا ایک پہلو ان چیزوں سے بچنا ہے جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام کے قریب لے جاتی ہیں۔ اور حرام کے جتنا قریب ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 1205 میں موجود حدیث میں یہ نصیحت ہے کہ جو

شخص حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے اور صرف حلال چیزوں کو استعمال کرتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔

اگر معاشرے میں گمراہی کا شکار ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثلاً فضول اور فضول کلامی معنی، ایسی تقریر جس سے نہ کوئی فائدہ ہو اور نہ گناہ، اکثر غیبت، جھوٹ اور غیبت جیسی بری بات کا باعث بنتا ہے۔ اگر کوئی شخص لغو باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بری بات سے بچتا ہے۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔ اس لیے ایک مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے، جس کی ایک شاخ یہ ہے کہ باطل اور مشتبہ چیزوں سے اس خوف سے بچیں کہ وہ حرام کی طرف لے جائیں گے۔

تقویٰ کا دوسرا پہلو جو علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے، وہ وحی الٰہی کے مطابق عمل کرنا ہے۔

اس میں قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات دونوں شامل ہیں۔

صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام قرآن مجید اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے۔

قرآن پاک کے ساتھ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کے کلام کے لیے گہرا احترام اور محبت شامل ہے۔ یہ اخلاص اس وقت ثابت ہوتا ہے جب کوئی شخص قرآن کریم کے تین پہلوؤں کو پورا کرتا ہے۔ سب سے پہلے اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا اس کی تعلیمات کو معتبر ذریعہ اور استاد کے ذریعے سمجھنا ہے۔ آخری پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیمات پر اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے مقصد سے عمل کیا جائے۔ مخلص مسلمان اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کو اپنی خواہشات پر عمل کرنے پر ترجیح دیتا ہے جو قرآن کریم کے خلاف ہیں۔ اپنے کردار کو قرآن پاک پر ڈھالنا اللہ کی کتاب کے ساتھ سچے اخلاص کی علامت ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے جس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 1342 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

زیر بحث اہم حدیث میں اگلی چیز جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اخلاص ہے وہ ہے۔ اس میں اپنی روایات پر عمل کرنے کے لیے علم حاصل کرنے کی کوشش بھی شامل ہے۔ ان روایات میں عبادت کی صورت میں اللہ تعالیٰ سے متعلق اور مخلوق کے لیے اس کا بابرکت حسن کردار شامل ہے۔ باب 68 القلم، آیت 4:

"اور بے شک آپ بہت اچھے اخلاق کے مالک ہیں۔"

اس میں اس کے احکام و ممنوعات کو ہر وقت قبول کرنا شامل ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فرض قرار دیا ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 7:

"اور جو کچھ تمہیں رسول نے دیا ہے اسے لے لو اور جس سے منع کیا ہے اس سے باز رہو۔"

اخلاص میں اپنی روایات کو کسی اور کے اعمال پر ترجیح دینا بھی شامل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام راستے بند ہیں سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ باب 3 علی عمران، آیت 31:

’’کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔‘‘

انسان کو ان تمام لوگوں سے محبت کرنی چاہیے جنہوں نے اس کی زندگی میں اور اس کے انتقال کے بعد اس کا ساتھ دیا، چاہے وہ اس کے خاندان میں سے ہوں یا اس کے ساتھی، اللہ ان سب سے راضی ہو۔ اس کے راستے پر چلنے والوں اور اس کی روایات کی تعلیم دینے والوں کا ساتھ دینا ان لوگوں پر فرض ہے جو اس کے ساتھ مخلص ہونا چاہتے ہیں۔ اخلاص میں ان لوگوں سے محبت کرنا بھی شامل ہے جو اس سے محبت کرتے ہیں اور ان لوگوں کو ناپسند کرنا جو اس پر تنقید کرتے ہیں خواہ ان لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق ہو۔ اس کا خلاصہ صحیح بخاری نمبر 16 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ یہ نصیحت کرتا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا ایمان نہیں رکھ سکتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت نہ کرے۔ تخلیق یہ محبت صرف الفاظ سے نہیں عمل سے ظاہر ہونی چاہیے۔

تقویٰ کا تیسرا پہلو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے وہ دنیا میں تھوڑے پر قناعت کرنا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2305 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ سب سے زیادہ مالدار وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں پر راضی ہو۔ جو ہر وقت زیادہ دنیاوی چیزوں کا محتاج رہتا ہے وہ محتاج ہے، جو کہ غریب کے لیے ایک اور لفظ ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ لیکن جو اپنے مال پر راضی ہے وہ محتاج نہیں ہے اور اس لیے مالدار ہے خواہ اس کے پاس مال کم ہو یا دنیاوی چیزیں۔

اس کے علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیا ہے اس پر راضی ہونے والے کو وہ فضل عطا کیا جائے گا جس سے ان کے مال سے ان کی ضروریات اور ان کے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری ہوں گی اور اس سے انہیں ذہنی اور جسمانی سکون ملے گا۔ جبکہ جو لوگ راضی نہیں ہوں گے ان کو یہ فضل حاصل نہیں ہوگا جس کی وجہ سے وہ محسوس کریں گے کہ گویا ان کا مال ان کی ضروریات اور ان کے محتاجوں کی ضروریات پوری کرنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ یہ انہیں ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرنے سے روکے گا۔

اطمینان میں اس پر راضی ہونا شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کے لیے منتخب کیا ہے یعنی تقدیر۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین رکھنا چاہیے، وہ ہمیشہ اپنے بندے کے لیے بہترین چیز کا انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ اس انتخاب کے پیچھے حکمت کو نہ دیکھے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

اگر کوئی مسلمان ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اکتفا کرتا ہے، جیسے کہ مشکل کے وقت صبر اور آسانی کے وقت شکر ادا کرنا، تو اسے ذہنی سکون ملے گا۔

تقویٰ کا آخری پہلو جس کا ذکر علی رضی اللہ عنہ نے کیا ہے وہ عملی طور پر موت کی تیاری ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ اگرچہ لوگوں کو یقین ہے کہ وہ کسی بھی لمحے مر سکتے ہیں لیکن اکثریت کا برتاؤ ایسا ہے جیسے وہ لمبی زندگی گزاریں گے۔ کچھ لوگ اس مادی دنیا کے لیے اپنی کوششیں اس حد تک وقف کر دیتے ہیں کہ اگر انہیں لمبی عمر بھی مل جائے تو وہ مادی دنیا کی خاطر مزید کوشش نہیں کر سکتے۔ بدقسمتی سے، مسلمان آخرت کی تیاری میں اس یقین سے تاخیر کرتے ہیں کہ وہ مستقبل میں ایسا کر سکتے ہیں۔ وہ اکثر اس تیاری میں تاخیر کرتے رہتے ہیں یہاں تک کہ اچانک ان کو بغیر تیاری کے موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ وہ کتنی ہی لمبی زندگی گزاریں، زندگی ایک دم سے گزر جاتی ہے۔ لہٰذا انہیں چاہیے کہ وہ ہر موقع سے فائدہ اٹھا کر ابدی آخرت کی تیاری کریں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دنیا کو مکمل طور پر ترک کر دیں۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے لیے مادی دنیا سے صرف وہی لے کر آخرت کی تیاری کو ترجیح دیں۔ یہ رویہ انہیں دنیا کی حلال لذتوں سے لطف اندوز ہونے اور اگلے کے لیے بھی مناسب تیاری کرنے کا موقع دے گا۔ ایک مسلمان صرف اپنی ضروریات اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے کی کوشش کرنے سے نہیں بلکہ اس مادی دنیا کی زیادتی کی وجہ سے آخرت کی تیاری میں ناکام ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کو صحیح مسلم نمبر 7424 میں موجود حدیث کو یاد رکھنا چاہیے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ اس کی قبر میں صرف ایک شخص کا عمل ہی اس کے ساتھ ہو گا جبکہ اس کے اہل و عیال اور مال اس نازک وقت میں اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ اس لیے مسلمان کو چاہیے کہ وہ اس چیز کو ترجیح دے جو اس کی ضرورت کے وقت ان کی مدد کرے۔

مسلمانوں کو آخرت کی تیاری میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے ورنہ موت کسی خاص عمر یا وقت پر نہیں آتی اس لیے وہ تیار نہ ہوتے ہوئے اچانک موت کا سامنا کر سکتے ہیں۔ اگر وہ تیاری کرنے میں ناکام رہتے ہیں تو ان کے پاس پچھتاوے کے سوا کچھ نہیں بچے گا اس وقت جب پچھتاوا انہیں فائدہ نہیں دے گا۔ باب 89 الفجر، آیت 23:

"اور لایا گیا، وہ دن جہنم ہے، اس دن آدمی یاد رکھے گا، لیکن اس کے لیے کیا فائدہ ہوگا؟"

حکم الٰہی

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ کہا کہ زمین پر کچھ نہیں ہوتا جب تک کہ آسمان پر فیصلہ نہ ہو جائے۔ کوئی بھی ایسا نہیں ہے جس کے پاس دو فرشتے نہ ہوں جو ان کی حفاظت اور ان کی دیکھ بھال کریں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم ان پر نازل کیا ہو، وہ ان کے درمیان اور جو کچھ ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے اس کے درمیان کھڑا نہیں رہتا۔ کوئی بھی سچے ایمان کو اس وقت تک نہیں جان سکتا جب تک کہ وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ جو کچھ ان پر پڑتا ہے وہ ان سے کبھی نہیں چھوٹ سکتا تھا اور جو ان سے چھوٹ گیا تھا وہ ان پر کبھی نہیں آ سکتا تھا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 428 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2516 میں موجود حدیث میں اللہ تعالیٰ کی لامحدود اور مطلق قدرت و اختیار کی طرف اشارہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسا کرنا نہیں چاہا۔ اسی طرح ساری مخلوق مل کر بھی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتی اگر اللہ تعالیٰ ان کو نہ چاہے۔ اس کا مطلب صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کا فیصلہ کائنات میں ہوتا ہے۔ غور طلب ہے کہ یہ نصیحت اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتی ہے کہ کسی کو دوا جیسے اسباب کا استعمال ترک کر دینا چاہیے، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی اسباب کو استعمال کر سکتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور نے پیدا کیا ہے، لیکن اسے سمجھنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کے نتائج کا فیصلہ کرنے والا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ بہت سے بیمار لوگ ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور اپنی بیماری سے شفا پاتے ہیں۔ لیکن وہ دوسرے ہیں جو دوائی لیتے ہیں اور ٹھیک نہیں ہوتے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اور عنصر حتمی نتیجہ کا فیصلہ کرتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ باب 9 توبہ آیت 51:

کہہ دو کہ ہم پر ہرگز نہیں مارے جائیں گے مگر جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے‘‘۔’’

جو اس بات کو سمجھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان پر اثر انداز ہونے والی ہر چیز سے بچا نہیں جا سکتا تھا۔ اور وہ چیزیں جو ان سے چھوٹ گئیں وہ کبھی حاصل نہیں ہو سکتی تھیں۔

یہ جاننا ضروری ہے کہ نتیجہ جو بھی نکلے خواہ وہ کسی شخص کی خواہش کے خلاف کیوں نہ ہو انہیں صبر کرنا چاہیے اور یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بہترین انتخاب کیا ہے خواہ وہ نتائج کے پیچھے حکمت کو نہ بھی دیکھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

جب کوئی اس سچائی کو صحیح معنوں میں سمجھ لیتا ہے تو وہ مخلوق پر انحصار کرنا چھوڑ دیتا ہے یہ جانتے ہوئے کہ وہ انہیں فطری طور پر نقصان یا فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اس کے بجائے، وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے خلوص نیت سے اس کی حمایت اور حفاظت چاہتے ہیں۔ یہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کی طرف لے جاتا ہے۔ یہ انسان کو صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی ترغیب دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر مخلوق انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

اس بات کو تسلیم کرنا کہ انسان کی زندگی اور کائنات کے اندر موجود تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو سمجھنے کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک ایسا موضوع ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے اور صرف اس سطحی یقین سے آگے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب یہ بات کسی کے دل میں جم جاتی ہے تو وہ صرف اللہ سے امید رکھتے ہیں، یہ جانتے ہوئے کہ وہی ان کی مدد کرنے والا ہے۔ وہ اپنی زندگی کے تمام پہلوؤں میں صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور فرمانبرداری کریں گے۔ حقیقت میں، ایک شخص صرف نقصان سے تحفظ یا

کچھ فائدہ حاصل کرنے کے لئے دوسرے کی اطاعت کرتا ہے .صرف اللہ تعالیٰ ہی یہ عطا کر سکتا ہے اس لیے صرف وہی اس کی اطاعت اور عبادت کا مستحق ہے۔ اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر کسی دوسرے کی اطاعت کو پسند کرتا ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ یہ دوسرا انہیں کسی قسم کا فائدہ یا نقصان سے بچا سکتا ہے۔ یہ ان کے ایمان کی کمزوری کی علامت ہے۔ تمام چیزوں کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا مسلمانوں کو صرف اسی کی اطاعت کرنی چاہیے۔ باب 35 فاطر، آیت 2:

" اللہ تعالیٰ لوگوں کو جو کچھ بھی رحمت عطا فرمائے اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ اور جس چیز کو وہ روکے، اس کے بعد اسے کوئی نہیں چھوڑ سکتا۔''

یہ جاننا ضروری ہے کہ کسی ایسے شخص کی اطاعت کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتا ہے، درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ مثلاً حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت۔ باب 4 النساء آیت 80:

''جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔''

ایک خوبصورت خطبہ – 4

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے، انہیں دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 429-430 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ یہ دنیا ختم ہونے والی ہے اور جلد ہی الوداع ہو جائے گی اور آخرت آنے والی ہے اور جلد شروع ہونے والی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکٹھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی

ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ ملے اور اس لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی چھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11:

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔‘‘

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کردے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں وہ بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ بھی نصیحت کی کہ جو شخص اس دنیا میں امید کے دنوں میں اپنی موت آنے سے پہلے)اطاعت سے (کوتاہی کرے گا وہ برباد ہو جائے گا۔

حالانکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت لامحدود ہے اور تمام گناہوں کو مٹا سکتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی لامحدود رحمت سے امید ترک کرنے کو باب 12 یوسف آیت 87 میں کفر سے تعبیر کیا گیا ہے:

بے شک اللہ کی راحت سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا‘‘۔ ’’

اس کے باوجود مسلمانوں کے لیے ایک حقیقت کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو اپنے ایمان کے ساتھ اس دنیا سے جانے کی ضمانت نہیں دی گئی ہے، ایک مسلمان کو غیر مسلم کی حیثیت سے موت کا خطرہ ہے۔ یہ سب سے بڑا نقصان ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو یہ نتیجہ اخذ کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ شخص آخرت میں کہاں رہے گا۔ یہ اس وقت ہو سکتا ہے جب کوئی مسلمان گناہوں پر قائم رہے، خاص طور پر کبیرہ گناہوں، جیسے شراب پینا اور اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہنا اور اپنے گناہوں سے سچی توبہ کیے بغیر اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے تمام گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور اپنے تمام واجبات کو ادا کرنے کی کوشش کریں کیونکہ یہ ایک ایسا کام ہے جسے وہ بلا شبہ پورا کر سکتے ہیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 286:

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

انہیں یہ یقین کرنے میں دھوکہ نہیں دیا جانا چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت میں حقیقی امید کے طور پر، اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے، اعمال کے ذریعے مدد ملتی ہے۔ اس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ ایسا نہ کرنا اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھنا، اس کی رحمت سے امید نہیں، یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے جس کا کوئی وزن یا اہمیت نہیں۔ جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر اس کی تنبیہ فرمائی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثواب کی امید میں کوشش کرنے کی نصیحت کی جس طرح اس کے عذاب کے خوف سے اس کی راہ میں کوشش کرنی چاہیے۔

صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود ایک طویل الٰہی حدیث میں اللہ تعالیٰ نے نصیحت کی ہے کہ وہ اپنے بندوں کے بارے میں ان کے تصور کے مطابق عمل کرتا ہے اور اس کے ساتھ سلوک کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اگر کوئی مسلمان اچھے خیالات رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی امید رکھتا ہے تو وہ اسے مایوس نہیں کرے گا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بارے میں منفی خیالات رکھتا ہے، جیسا کہ یہ یقین رکھنا کہ اسے معاف نہیں کیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عقیدہ کے مطابق عمل کر سکتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اللہ عزوجل میں سچی امید جس کا یہ حدیث اشارہ کرتی ہے اور خواہش مند سوچ میں بہت فرق ہے۔ خواہش مندانہ سوچ یہ ہے کہ جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے باز رہنے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنے میں ناکام ہو جائے اور پھر اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی کی امید رکھے۔ یہ سچی امید نہیں ہے یہ محض خواہش مندانہ سوچ ہے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو کوئی بیج نہیں لگاتا، اپنی فصل کو پانی نہیں دیتا اور پھر بھی بڑی فصل کاٹنے کی امید رکھتا ہے۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے کوشش کرے اور جب بھی وہ پھسل جائے تو سچے دل سے توبہ کرے اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش کی امید رکھے۔ یہ ایک کسان کی طرح ہے جو بیج لگاتا ہے، اپنی فصل کو پانی دیتا ہے، فصل کو صحت مند رکھنے کے لیے کوشش کرتا ہے اور پھر بڑی فصل کی امید کرتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس وضاحت کو جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود حدیث میں بیان فرمایا ہے۔

عام طور پر، ایک مسلمان کو اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ ایسے گناہوں سے روکتا ہے جو امید سے برتر ہیں جو کہ انسان کو نیک اعمال کرنے کی ترغیب دیتے ہیں، خاص طور پر رضاکارانہ قسم۔ لیکن بیماری اور مشکل کے دور میں اور خاص طور پر موت کے وقت مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید کے سوا کچھ نہیں رکھنا چاہیے، خواہ اس نے اپنی زندگی اس کی نافرمانی میں گزار دی ہو جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر حکم دیا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2877 میں موجود حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو نصیحت کی کہ جو حق سے فائدہ نہیں اٹھاتا اسے باطل نقصان پہنچاتا ہے۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کرنے والوں سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ جنت میں صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی سے داخل ہوگا۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 5673 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر عمل صالح صرف اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ممکن ہے، علم، الہام، قوت اور عمل کرنے کے موقع کی صورت میں۔ یہ فہم انسان کو غرور اختیار کرنے سے روکتی ہے جس سے بچنا ضروری ہے کیونکہ انسان کو جہنم میں لے جانے کے لیے صرف ایک ایٹم کی قدر کی ضرورت ہوتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 267 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

مزید برآں، ایک مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ رحمت، عمل صالح کی صورت میں درحقیقت ایک نور ہے جسے دنیا میں جمع کرنا ضروری ہے اگر وہ آخرت میں رہنمائی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اگر کوئی مسلمان غفلت میں زندگی گزارتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو بجا لا کر، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرتے ہوئے اس نور کو دنیا میں جمع کرنے سے باز رہتا ہے تو آخرت میں اس ہدایت کی روشنی کی توقع کیسے کی جاسکتی ہے؟

تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ وہ جنت میں اللہ کے سب سے بڑے بندوں جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں۔ لیکن یہ سمجھنا ضروری ہے کہ بغیر عمل کے محض اس کی تمنا کرنے سے یہ کام نہیں ہو گا ورنہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایسا کرتے۔ سیدھے الفاظ میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنے اور ان پر عمل کرنے کی جتنی زیادہ کوشش کرے گا، آخرت میں اس کے اتنے ہی قریب ہوں گے۔

جنت کی سب سے بڑی نعمت جسمانی طور پر اللہ عزوجل کا مشاہدہ کرنا ہے، جس کا ذکر صحیح بخاری نمبر 7436 میں موجود ایک حدیث میں موجود ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس ناقابل تصور نعمت کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو اسے عملی طور پر اس درجہ فضیلت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے جو حدیث میں مذکور ہے۔ صحیح مسلم، نمبر 99 میں پایا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص نماز جیسے اعمال انجام دیتا ہے، گویا وہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکتا ہے، ان کو نظر انداز کر رہا ہے۔ یہ رویہ اللہ تعالیٰ کی مستقل اور مخلصانہ اطاعت کو یقینی بناتا ہے۔ امید ہے کہ ایمان کے اس درجے کے لیے کوشش کرنے والے کو آخرت میں جسمانی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی سعادت حاصل ہوگی۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو یہ نصیحت بھی کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کرنے والوں کو جہنم سے ڈرایا ہے۔

یاد رکھنے والی بات یہ ہے کہ درحقیقت ہر وہ شخص جو جہنم میں جائے گا وہ آگ لے گا، جس کا سامنا وہ جہنم میں کرے گا، اس دنیا سے اپنے گناہوں کی صورت میں۔ جب کوئی مسلمان اس حقیقت کو اپنے ذہن میں نقش کر لے گا تو وہ ہر گناہ، بڑے یا چھوٹے، کو ناقابل برداشت آگ کے ٹکڑے کی طرح دیکھے گا۔ جس طرح انسان دنیا میں آگ سے بچتا ہے اسے گناہوں سے بچنا چاہیے کیونکہ گناہ درحقیقت چھپی ہوئی آگ کی مانند ہیں جو آخرت میں اسے دکھائی جائے گی۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو غافل نہیں رہنا چاہئے اور اس بات پر یقین رکھنا چاہئے کہ وہ اس زبانی تائید کے بغیر صرف اللہ تعالیٰ، بزرگوار، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کر سکتے ہیں۔ اعمال کے ساتھ اعلان .اگر یہ سچ ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اتنی محنت نہ کرتے اور وہ بلاشبہ اسلام اور یوم آخرت کو اپنے بعد کے لوگوں سے بہتر سمجھتے تھے۔ سیدھے الفاظ میں، عمل کے بغیر محبت کا اعلان کسی کو جہنم سے نہیں بچا سکتا۔ درحقیقت یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ بعض مسلمان قیامت کے دن جہنم میں داخل ہوں گے۔ جو مسلمان اسلامی تعلیمات پر عمل کرنا چھوڑ دیتا ہے اسے سمجھ لینا

چاہیے کہ ان کا یہ رویہ موت سے پہلے ان کے ایمان کو کھونے کا سبب بن سکتا ہے تاکہ وہ قیامت میں ایک غیر مسلم کی حیثیت سے داخل ہو جائیں جو کہ سب سے بڑا نقصان ہے۔

اسی طرح بغیر زرہ اور ڈھال کے جنگ میں داخل نہیں ہو گا ایک مسلمان کو اعمال صالحہ کی زرہ اور ڈھال کے بغیر قیامت کے دن داخل نہیں ہونا چاہیے۔ بصورت دیگر، جس طرح سپاہی کے پاس کوئی حفاظت نہیں ہے، اسی طرح اس کو نقصان پہنچے گا، اسی طرح ایک مسلمان جو قیامت تک پہنچے گا، بغیر اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت، جس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس سے پرہیز کرنا شامل ہے۔ اس کی ممانعتوں اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا۔ ایک مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ مادی دنیا کی آسائشوں اور لذتوں سے وہ لطف اندوز نہیں ہوں گے اگر وہ جہنم میں ختم ہو جائیں۔ درحقیقت، یہ صرف انہیں بدتر محسوس کرے گا.

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نافرمانی کرنے والوں کے لیے جہنم سے ڈرایا ہے۔

ایک متوازن غذا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ نصیحت کی کہ سخت دل پیٹ بھرے ہونے سے آتا ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 436 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2380 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے متوازن غذا کی اہمیت بتائی ہے۔ انہوں نے مشورہ دیا کہ اپنے پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کر دیں۔ پہلا حصہ کھانے کے لیے، دوسرا حصہ پینے کے لیے اور آخری حصہ سانس لینے کے لیے خالی چھوڑ دینا چاہیے۔

یہ اس وقت حاصل کیا جا سکتا ہے جب کوئی کھانا پیٹ بھرنے سے پہلے کھانا بند کر دے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طرز عمل تھا۔

اگر لوگ اس نصیحت پر عمل کریں تو وہ جسمانی اور ذہنی دونوں بیماریوں سے محفوظ رہیں گے۔ درحقیقت بہت سے باشعور لوگوں کے مطابق بیماری کی ایک بڑی وجہ بدہضمی ہے۔

دل کے لحاظ سے تھوڑی سی خوراک نرم دل، عاجزی نفس اور خواہشات کی کمزوری اور غصہ کا باعث بنتی ہے۔ پیٹ بھرنے سے سستی پیدا ہوتی ہے جو عبادت اور دوسرے اعمال صالحہ کو روکتی ہے۔ یہ نیند کو آمادہ کرتا ہے جس کی وجہ سے کوئی رضاکارانہ اور حتیٰ کہ فرض رات کی نمازوں سے محروم ہوجاتا ہے۔ یہ عکاسی کو روکتا ہے جو کسی کے اعمال کا اندازہ لگانے کی کلید ہے اور اس لیے اس کے کردار کو بہتر سے بدلنا ہے۔ پیٹ بھرنے والا غریب کو بھول جاتا ہے اور اس لیے

ان کی مدد کرنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ یہ تمام منفی اثرات سخت دل کی طرف لے جاتے ہیں۔ سخت دل والا قیامت کے دن محفوظ نہیں رہے گا۔ باب 26 اشعرا، آیات 88-89:

جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس دل کے ساتھ آتا ہے۔ ''

جس کو صرف اپنے پیٹ کی فکر ہوتی ہے وہ زیادہ اہم چیزوں سے ہٹ جاتا ہے جیسے دینی علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا۔ مسلمانوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ اس دنیا میں قیامت کے دن سب سے زیادہ بھوکا وہ ہو گا۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2478 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو متوازن غذا حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے تاکہ وہ زیر بحث منفی اثرات سے بچیں جو بلاشبہ دنیا اور آخرت دونوں میں ان کی کامیابی میں رکاوٹ ہیں۔

حقیقی شرافت

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار نصیحت کی کہ برتری نیکی اور حسن اخلاق سے آتی ہے نسب سے نہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 436 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابوداؤد نمبر 5116 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح طور پر تنبیہ فرمائی کہ شرافت کسی کے نسب میں نہیں ہے کیونکہ تمام لوگ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ اور وہ خاک سے بنا تھا۔ اس لیے لوگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رشتہ داروں اور نسب پر فخر کرنا چھوڑ دیں۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اگرچہ بعض جاہل مسلمانوں نے ذاتیں اور فرقے بنا کر دوسری قوموں کا رویہ اختیار کر لیا ہے اور ان گروہوں کی بنیاد پر اسلام نے برتری کا ایک سادہ معیار قرار دیا ہے، یعنی تقویٰ۔ یعنی مسلمان جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجا لاتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز آتا ہے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ اتنا ہی بلند درجہ کا ہوتا ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 13:

’’بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے‘‘۔

یہ آیت دیگر تمام معیارات کو ختم کر دیتی ہے جو جاہل لوگوں نے بنائے ہیں جیسے کہ کسی کی نسل، نسل، دولت، صنف یا سماجی حیثیت۔

مزید برآں، اگر کسی مسلمان کو اپنے نسب میں کسی متقی شخص پر فخر ہو تو اسے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اس عقیدے کا صحیح مظاہرہ کرنا چاہیے۔ دوسروں کے نقش قدم پر چلے بغیر ان پر فخر کرنا اس دنیا یا آخرت میں کسی کے کام نہیں آئے گا۔ یہ بات جامع ترمذی نمبر 2945 میں موجود حدیث میں واضح ہو چکی ہے۔

آخر میں، جو دوسروں پر فخر کرتا ہے لیکن ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہتا ہے وہ بالواسطہ طور پر ان کی بے عزتی کر رہا ہے کیونکہ باہر کی دنیا ان کے برے کردار کو دیکھے گی اور یہ سمجھے گی کہ ان کے صالح آباؤ اجداد نے اسی طرح برتاؤ کیا تھا۔ ان لوگوں کو اس وجہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ کوشش کرنی چاہیے۔ یہ ان لوگوں کی طرح ہیں جو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری روایات اور نصیحتوں کو اپناتے ہیں، جیسے کہ داڑھی بڑھانا یا اسکارف پہننا، ان کے باطن کو اپنانے میں ناکام رہتے ہیں۔ بیرونی دنیا صرف اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں منفی سوچے گی جب وہ ان مسلمانوں کے برے کردار کو دیکھیں گے۔

اپنے آپ کو فائدہ پہنچائیں۔

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار نصیحت کی کہ احسان بہترین خزانوں میں سے ایک ہے۔ احسان کے کاموں کو رد کرنے والوں کی ناشکری سے حوصلہ شکنی نہیں کرنی چاہیے۔ احسان تین چیزوں کے سوا مکمل نہیں ہو سکتا :اس کے بارے میں تھوڑا سوچنا، اسے چھپانا اور اسے کرنے میں جلدی کرنا۔ اس کے بارے میں تھوڑا سوچنا اسے عظیم بناتا ہے۔ اسے چھپانا اسے کامل بناتا ہے۔ اس میں جلدی کرنے سے لوگ اس سے لطف اندوز ہو سکیں گے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 437 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جب وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں تو حقیقت میں اس کا فائدہ خود کو ہوتا ہے نہ کہ دوسروں کو۔ اس لیے کہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور اس اہم فرض کو پورا کرنے سے ایک اجر ملتا ہے۔

اس کے علاوہ، جب کوئی دوسروں کے ساتھ مہربان ہوتا ہے تو وہ زندہ رہتے ہوئے ان کے لیے دعا کرتا ہے جس سے انہیں فائدہ ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6929 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ کسی شخص کے لیے پوشیدہ طور پر کی گئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ لوگ ان کے انتقال کے بعد ان کے لیے دعائیں کریں گے جس کا جواب ضرور ملتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں درج ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو جو ایمان میں ہم سے پہلے تھے...

آخر کار جو شخص دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے وہ قیامت کے دن اپنی شفاعت حاصل کرے گا، جس دن لوگ دوسروں کی شفاعت کے لیے بے چین ہوں گے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 7439 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

لیکن جو لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کے باوجود دوسروں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ ان فوائد سے محروم رہیں گے جن کا ذکر پہلے کیا گیا ہے۔ اور قیامت کے دن وہ پائیں گے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اس وقت تک معاف نہیں کرے گا جب تک کہ ان کا شکار پہلے انہیں معاف نہ کر دے۔ اگر وہ نہ کرنے کا انتخاب کریں تو ظالم کی نیکیاں ان کے شکار کو دی جائیں گی اور اگر ضرورت پڑی تو مظلوم کے گناہ ان کے مظلوم کو دے دیے جائیں گے۔ اس سے ظالم کو جہنم میں ڈالا جا سکتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہوئے اپنے آپ پر رحم کرے کیونکہ حقیقت میں وہ دنیا اور آخرت میں اپنے آپ کو فائدہ پہنچا رہا ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 6:

‘‘...اور جو کوشش کرتا ہے وہ صرف اپنے لیے ہی کوشش کرتا ہے’’

اسلام کو مکمل کرنا

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار خبردار کیا تھا کہ جو شخص ان چیزوں کے بارے میں پوچھتا ہے جو ان سے متعلق نہیں ہیں، وہ ان چیزوں سے محروم رہے گا جو ان سے متعلق ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 438 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک اپنے اسلام کو بہترین نہیں بنا سکتا جب تک کہ وہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کرے جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اس حدیث میں ایک ہمہ گیر نصیحت ہے جس کا اطلاق زندگی کے ہر پہلو پر ہونا چاہیے۔ اس میں ایک شخص کی تقریر کے ساتھ ساتھ ان کے دیگر جسمانی اعمال بھی شامل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسلمان اپنے ایمان کو کامل کرنا چاہتا ہے اسے ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہیے، قول و فعل کے ذریعے، جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور اس کے بجائے وہ خود کو ان کاموں میں مشغول رکھیں جو کرتے ہیں۔ انسان کو ان باتوں کو بہت سنجیدگی سے لینا چاہیے جو ان کے ساتھ ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی کوشش کریں جو اسلام کی تعلیمات کے مطابق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہیں۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی سوچ یا خواہشات کے مطابق چیزوں سے گریز کرے تو وہ اپنا ایمان مکمل نہیں کر سکے گا۔ لیکن جو اپنا ایمان کامل کرتا ہے وہ ان چیزوں سے اجتناب کرتا ہے جن سے بچنے کی اسلام نے نصیحت کی ہے۔ یعنی اپنے تمام فرائض کو پورا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، تمام گناہوں اور اسلام میں ناپسندیدہ چیزوں سے بچنا چاہیے اور غیر ضروری حلال چیزوں کے زیادہ استعمال سے بھی پرہیز کرنا چاہیے۔ اس فضیلت کو حاصل کرنا ایمان کی فضیلت کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر صحیح مسلم نمبر 99 کی حدیث میں ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرتا ہے کہ گویا وہ اس کا مشاہدہ کر سکتا ہے یا وہ کم از کم اللہ سے پوری طرح واقف ہو جاتا ہے۔ ان کے ہر خیال اور عمل کا مشاہدہ کرنے والا۔ اس الٰہی نگرانی سے آگاہ ہونا ایک مسلمان کو ہمیشہ گناہوں سے پرہیز کرنے

اور اعمال صالحہ کی طرف جلدی کرنے کی ترغیب دے گا۔ جو ان چیزوں سے پرہیز نہیں کرتا جن سے کوئی سروکار نہیں وہ اس درجہ فضیلت کو نہیں پہنچ سکتا۔

ان چیزوں سے اجتناب کرنے کا ایک بڑا پہلو جن سے انسان کو کوئی سروکار نہیں ہوتا اس کا تعلق تقریر سے ہے۔ گناہوں کی کثرت اس وقت ہوتی ہے جب انسان ایسے الفاظ کہے جن سے کوئی تعلق نہ ہو، جیسے غیبت اور غیبت۔ فضول گفتگو کی تعریف یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایسے الفاظ کہے جو گناہ کے تو نہ ہوں لیکن بیکار ہوں اور اس لیے ان کی فکر نہ ہو۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 2408 میں موجود حدیث سے ثابت ہے کہ لغو بات اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ لاتعداد دلائل، لڑائیاں اور یہاں تک کہ جسمانی نقصان بھی صرف اس لیے ہوا ہے کہ کسی نے ایسی بات کی جس سے انہیں کوئی سروکار نہ ہو۔ کئی خاندان تقسیم ہو چکے ہیں۔ بہت سی شادیاں ختم ہو چکی ہیں کیونکہ کسی کو ان کے کاروبار پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں مفید کلام کی مختلف اقسام کی نصیحت فرمائی ہے جس سے لوگوں کو فکر مند ہونا چاہیے۔ باب 4 النساء، آیت 114:

" ان کی زیادہ تر نجی گفتگو میں کوئی بھلائی نہیں ہے، سوائے ان لوگوں کے جو صدقہ کرنے کا حکم دیتے ہیں یا جو حق ہے یا لوگوں کے درمیان صلح کرواتے ہیں۔ اور جس نے یہ کام اللہ کی رضامندی کے لیے کیا تو ہم اسے بہت بڑا اجر دیں گے۔

درحقیقت ایسے الفاظ کا بولنا جو انسان کے لیے فکرمند نہ ہوں، لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ہو گی۔ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2412 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی کہ تمام تقریریں شمار ہوں گی۔ کسی شخص کے خلاف جب تک کہ اس کا تعلق نیکی کی نصیحت، برائی سے منع کرنے یا اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تقریر کی دیگر تمام شکلیں کسی شخص کی فکر نہیں ہیں کیونکہ ان سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ اچھی نصیحت کرنا ہر اس چیز کو شامل کرتا ہے جو کسی کی دنیاوی اور مذہبی زندگی میں فائدہ مند ہو، جیسے کہ وہ پیشہ

لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے قول و فعل کے ذریعے ان باتوں سے بچنے کی کوشش کریں جن سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ اپنے ایمان کو مکمل کر سکیں۔ سیدھے الفاظ میں، جو شخص ان چیزوں کے لیے وقت لگاتا ہے جن سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ ان چیزوں میں ناکام ہو جاتا ہے جو ان سے متعلق ہیں۔ اور جو اپنے آپ کو ان چیزوں میں مشغول رکھتا ہے جو ان سے متعلق ہیں وہ ان چیزوں پر خرچ کرنے کے لئے وقت نہیں پائے گا جو ان سے متعلق نہیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کریں گے۔

اچھی صحبت کی اہمیت

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار خبردار کیا کہ بے وقوف کا ساتھ دینا دنیا میں نقصان اور آخرت میں ندامت ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 438 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ سچی محبت کی ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ جب کوئی اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتا ہے، جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ اس لیے کہ اطاعت دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی اور سلامتی کا باعث بنتی ہے۔ جو شخص کسی شخص کے لیے حفاظت اور کامیابی کا خواہاں نہیں ہے وہ کبھی بھی ان سے حقیقی محبت نہیں کر سکتا چاہے وہ کیا دعویٰ کرے یا دوسرے شخص کے ساتھ کیسا سلوک کرے۔ جس طرح بندہ اس وقت خوش ہوتا ہے جب اس کے محبوب کو دنیاوی کامیابی ملتی ہے، جیسے نوکری کی، وہ بھی اپنے محبوب سے آخرت کی کامیابی کی تمنا کرے گا۔ اگر کوئی شخص دوسرے کی حفاظت اور کامیابی کی پرواہ نہیں کرتا ہے خاص طور پر اگلے جہان میں تو وہ اس سے محبت نہیں کرتا۔

ایک سچا عاشق اپنے محبوب کو دنیا یا آخرت میں مشکلات اور عذاب کا سامنا کرتے ہوئے جاننا اور دیکھنا برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ اپنے محبوب کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف راغب کرتے۔ اگر کوئی شخص اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت کے بجائے کسی دوسرے کو اپنے ذاتی مفاد یا دوسروں کے مفاد کی طرف لے جائے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں رکھتے۔ یہ تمام رشتوں پر لاگو ہوتا ہے جیسے دوستی اور رشتہ دار۔

لہٰذا ایک مسلمان کو یہ اندازہ لگانا چاہیے کہ آیا اس کی زندگی میں وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لے جاتے ہیں یا نہیں۔ اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو یہ ان کے لیے ان کی محبت کی واضح علامت ہے۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ وہ ان سے حقیقی محبت نہیں کرتے۔ باب 43 از زخرف، آیت 67:

‘‘اس دن قریبی دوست ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے نیک لوگوں کے۔’’

سماجی آزادی

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار تنبیہ کی کہ انسان کو کسی مخلوق کا غلام نہیں بننا چاہیے جب کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آزاد پیدا کیا ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 439 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سب سے پہلے، یہ سمجھنا ضروری ہے کہ جو چیز انسان کو جانور سے الگ کرتی ہے وہ یہ ہے کہ لوگ ایک اعلیٰ اخلاقی ضابطے کے تحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ اگر لوگ اس کو چھوڑ دیں اور صرف اپنی خواہشات پر عمل کریں تو ان میں اور جانوروں میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔ درحقیقت، لوگ بدتر ہوں گے کیونکہ وہ ابھی تک اعلیٰ سطح کی سوچ رکھتے ہیں، پھر بھی جانوروں کی طرح زندگی گزارنے کا انتخاب کرتے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ لوگ حقیقت میں تسلیم کرنا چاہیں یا نہ کریں، ہر شخص کسی نہ کسی چیز کا بندہ ہے۔ کچھ دوسروں کے نوکر ہوتے ہیں، جیسے کہ ہالی ووڈ کے ایگزیکٹوز اور جو کچھ وہ انہیں کرنے کا حکم دیتے ہیں وہ کرتے ہیں چاہے اس سے حیا اور شرمندگی کو چیلنج ہو۔ دوسرے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نوکر ہوتے ہیں اور ان کو خوش کرنے کے لیے جو کچھ کرنا پڑتا ہے کرتے ہیں۔ دوسروں کی اپنی خواہشات کے غلام بن کر بدتر ہوتے ہیں کیونکہ یہ ان جانوروں کا رویہ ہے جو عموماً اپنے آپ کو خوش کرنے کے لیے کام کرتے ہیں۔ بندگی کی بہترین اور اعلیٰ ترین صورت اللہ تعالیٰ کا بندہ ہونا ہے۔ تاریخ کے اوراق پلٹیں تو یہ بات بالکل واضح ہوتی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے بندے تھے مثلاً انبیاء علیہم السلام کو اس دنیا میں سب سے زیادہ عزت و تکریم سے نوازا گیا ہے اور آئندہ بھی ہوگا۔ اگلے میں یہ عطا کیا .صدیاں اور ہزار سال گزر چکے ہیں لیکن ان کے نام تاریخ کے ستونوں اور میناروں کے طور پر یاد کیے جاتے ہیں۔ جب کہ جو لوگ خاص طور پر دوسروں کے بندے بن گئے ان کی اپنی خواہشات آخر کار اس دنیا میں رسوا ہو گئیں خواہ انہیں کوئی دنیاوی حیثیت حاصل ہو گئی اور وہ تاریخ میں محض حاشیہ بن گئے۔ میڈیا بمشکل ان لوگوں کو یاد کرتا ہے جو چند دن سے زیادہ گزر جاتے ہیں اس سے پہلے کہ وہ اگلے شخص پر رپورٹ کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ اپنی زندگی کے دوران یہ لوگ آخرکار اداس، تنہا،

افسردہ اور خودکشی تک کا شکار ہو جاتے ہیں کیونکہ اپنی روح اور شرافت کو اپنے دنیاوی آقاؤں کے سامنے بیچنے سے انہیں وہ اطمینان نہیں ملتا جس کی وہ تلاش کر رہے تھے۔ اس واضح حقیقت کو سمجھنے کے لیے کسی کو عالم ہونے کی ضرورت نہیں۔ پس اگر لوگوں کو بندے بننا چاہیے تو اللہ عزوجل کے بندے بنیں کیونکہ دائمی عزت، عظمت اور حقیقی کامیابی اسی میں ہے۔

جو لوگ کافر ہیں یا اسلام میں اپنے عقیدے پر عمل کرنے سے گریز کرتے ہیں وہ مادی دنیا اور اس کے اندر کی چیزوں سے محبت کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ اپنے عقیدے پر ایمان لانا یا اس پر عمل کرنا انہیں دنیاوی نعمتوں سے لطف اندوز ہونے سے روک دے گا، ان کے لیے ایمان ایک ایسی چیز ہے جو ان کی خواہشات کو محدود کر دیتی ہے اور اس لیے وہ اس سے لفظی یا عملی طور پر منہ موڑ لیتے ہیں۔ اس کے بجائے وہ مادی دنیا کی طرف رخ کرتے ہیں اور بغیر کسی پابندی کے اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ مانتے ہیں کہ حقیقی امن اسی میں ہے۔ وہ ان لوگوں کو حقیر نگاہ سے دیکھتے ہیں جو اپنے اعمال پر قابو پا کر اور اپنی دنیوی نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے استعمال کرتے ہوئے اپنے ایمان کو قبول کرتے ہیں اور اس کی حقیقت کرتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ یہ پرہیزگار مسلمان ادنیٰ غلام ہیں جن پر لطف اندوز ہونے سے منع کیا گیا ہے جبکہ وہ کافر اور گمراہ آزاد ہیں۔ لیکن درحقیقت یہ حقیقت سے آگے نہیں ہو سکتا کیونکہ اصل بندے وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سامنے تسلیم کرنے اور تسلیم کرنے میں کوتاہی کرتے ہیں اور اعلیٰ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی غلامی سے آزاد ہو کر ایسا کیا ہے۔ اس کو ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ ایک اچھے والدین اپنے بچے کے کھانے کی قسم پر پابندی لگاتے ہیں، مطلب کہ وہ انہیں صرف ایک بار فضول اور غیر صحت بخش کھانا کھانے دیں گے اور اس کے بجائے انہیں صحت مند غذا پر عمل کرنے پر مجبور کریں گے۔ اس لیے یہ بچہ مانتا ہے کہ اس کے والدین نے ان پر ناپسندیدہ پابندیاں عائد کر رکھی ہیں اور وہ اپنے والدین اور ان کی صحت بخش خوراک کے غلام بن چکے ہیں۔ دوسری طرف ایک اور بچے کو ان کے والدین کی طرف سے اجازت دی گئی ہے کہ وہ جو چاہے، جب چاہے اور جتنا چاہے کھائے۔ اس لیے یہ بچہ یقین رکھتا ہے کہ وہ تمام پابندیوں سے بالکل آزاد ہیں۔ جب یہ بچے اکٹھے ہوتے ہیں تو وہ بچہ جس کو مکمل آزادی دی گئی ہے تنقید کرتا ہے اور اس بچے کو حقارت سے دیکھتا ہے جس پر ان کے والدین نے پابندیاں لگا رکھی ہیں۔ بعد کے بچے کو بھی اپنے آپ پر افسوس ہو گا جب وہ یہ دیکھے گا کہ دوسرے بچے کو جس طرح چاہیں برتاؤ کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ جس بچے کو آزاد کیا گیا ہے اس نے خوشی حاصل کی ہے جبکہ دوسرا بچہ زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے بہت زیادہ پابندیوں میں بندھا ہوا ہے۔ لیکن برسوں بعد سچائی ظاہر ہو جائے گی۔ وہ بچہ جس پر کوئی پابندی نہیں تھی وہ بڑا ہو کر انتہائی غیر صحت مند ہو جاتا ہے مثلاً موٹاپا، ذیابیطس، ہائی بلڈ پریشر وغیرہ۔ اس کے نتیجے میں وہ ذہنی طور پر بھی غیر صحت مند ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ اپنے جسم اور اپنی شکل سے اعتماد کھو بیٹھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ ادویات، بیماریوں، ذہنی اور

سماجی مسائل کے غلام بن جاتے ہیں۔ یہ سب چیزیں ان کی خوشی اور زندگی کو محدود کر دیتی ہیں۔ جبکہ وہ بچہ جس پر ان کے والدین نے پابندی عائد کی تھی وہ دماغ اور جسم کے لحاظ سے صحت مند پروان چڑھتا ہے۔ نتیجتاً وہ اپنے جسم اور قابلیت میں پراعتماد ہو جاتے ہیں، جو انہیں زندگی میں کامیاب ہونے میں مدد فراہم کرتا ہے۔ وہ صحیح توازن اور رہنمائی کے ساتھ پروان چڑھتے ہی دواؤں، بیماریوں، ذہنی اور سماجی مسائل کی غلامی سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ تو وہ بچہ جس پر کوئی پابندی نہیں تھی وہ بہت سی چیزوں کا غلام بن کر بڑا ہوا، جب کہ جس بچے پر پابندیاں تھیں وہ تمام پابندیوں سے آزاد ہو کر پروان چڑھا۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حقیقی غلام وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا باقی تمام چیزوں کا غلام بن جائے، جیسے سوشل میڈیا، معاشرہ، فیشن اور ثقافت، اور اس سے ذہنی، جسمانی اور معاشرتی مسائل پیدا ہوتے ہیں، جبکہ حقیقی آزاد انسان۔ وہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہے، اس طرح ذہنی اور جسمانی سکون حاصل کرتا ہے۔

لوگوں کا بہترین

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ لوگوں میں سب سے افضل بیان فرمایا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 440-441 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے بہترین لوگوں کو وہ قرار دیا ہے جو نیک عمل کرتے ہوئے امید مند ہو جاتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2459 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رحمت الٰہی سے حقیقی امید اور خواہش مندانہ سوچ کے درمیان فرق بیان فرمایا۔ حقیقی امید وہ ہے جب کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچ کر اپنی روح کو قابو میں رکھے اور آخرت کی تیاری کے لیے سرگرم جدوجہد کرے۔ جبکہ احمق خواہش مند مفکر ان کی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کی مغفرت اور ان کی خواہشات کی تکمیل کی توقع رکھتا ہے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ ان دونوں رویوں میں خلط ملط نہ کریں تاکہ وہ ایک خواہش مند مفکر کے طور پر جینے اور مرنے سے بچیں کیونکہ اس شخص کے اس دنیا یا آخرت میں کامیاب ہونے کا بہت زیادہ امکان نہیں ہے۔ خواہش مند سوچ ایک کسان کی طرح ہے جو پودے لگانے کے لیے زمین کو تیار کرنے میں ناکام رہتا ہے، بیج لگانے میں ناکام رہتا ہے، زمین کو پانی دینے میں ناکام رہتا ہے اور پھر بڑی فصل کی کٹائی کی توقع رکھتا ہے۔ یہ صریح حماقت ہے اور اس کسان کے کامیاب ہونے کا امکان بہت کم ہے۔ جبکہ حقیقی امید ایک کسان کی طرح ہے جو زمین کو تیار کرتا ہے، بیج لگاتا ہے، زمین کو پانی دیتا ہے اور پھر یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں بڑی فصل سے نوازے گا۔ اہم فرق یہ ہے کہ جو شخص سچی امید رکھتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی پوری کوشش کرتا ہے، اس کے احکام کی تعمیل کرتا ہے، اس کی ممانعتوں سے باز رہتا ہے اور تقدیر کا صبر کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق ہوتا ہے۔ اس پر اور

جب بھی پھسلتے ہیں تو سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ جبکہ خواہش مند مفکر اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں سرگرداں نہیں ہو گا بلکہ ان کی خواہشات کی پیروی کرے گا اور پھر بھی اللہ تعالیٰ سے یہ امید رکھے گا کہ وہ انہیں معاف کر دے گا اور ان کی خواہشات کو پورا کرے گا۔

لہٰذا مسلمانوں کو اس اہم فرق کو سیکھنا چاہیے تاکہ وہ خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر سکیں اور اس کے بجائے اللہ تعالیٰ سے سچی امید اختیار کر سکیں جو ہمیشہ دونوں جہانوں میں بھلائی اور کامیابی کے سوا کچھ نہیں دیتی۔ صحیح بخاری نمبر 7405 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خواہش مندانہ سوچ کی ایک خاص قسم جس نے ماضی کی قوموں اور حتیٰ کہ مسلم قوم کو بھی متاثر کیا جب کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام و ممنوعات کو نظر انداز کر سکتا ہے اور قیامت کے دن کوئی نہ کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور انہیں بچا لے گا۔ نرک سے .حالانکہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت ایک حقیقت ہے اور بہت سی احادیث میں اس پر بحث کی گئی ہے، جیسا کہ سنن ابن ماجہ، نمبر 4308 میں موجود ہے، کچھ بھی نہیں، حتیٰ کہ آپ کی شفاعت سے بعض مسلمان جس کے عذاب میں تخفیف کی جائے گی وہ پھر بھی جہنم میں داخل ہوگا۔ جہنم میں ایک لمحہ بھی واقعی ناقابل برداشت ہے۔ لہٰذا خواہش مندانہ سوچ کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں عملی طور پر کوشش کرتے ہوئے سچی امید کو اپنانا چاہیے۔

شیطان ان لوگوں کو جو قیامت پر یقین نہیں رکھتے ہیں کہ اگر ایسا ہو بھی جائے تو وہ اس دن یہ دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ سے صلح کر لیں گے کہ وہ اتنے برے نہیں تھے کہ انہوں نے قتل جیسے بڑے جرائم سے اجتناب کیا۔ انہوں نے اپنے آپ کو یہ باور کرایا ہے کہ ان کی درخواستیں قبول کی جائیں گی اور انہیں جنت میں بھیج دیا جائے گا اگرچہ انہوں نے زمین پر اپنی زندگی کے دوران اللہ تعالیٰ سے کفر کیا۔ یہ ناقابل یقین حد تک احمقانہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرے گا جو اس پر ایمان لایا اور اس کی اطاعت کرنے کی کوشش کرنے والے کی طرح اس کے ساتھ کفر کیا۔ ایک آیت نے اس قسم کی خواہش مند سوچ کو مٹا دیا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 85:

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کو چاہے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے "
گا اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔"

علی رضی اللہ عنہ نے بہترین لوگوں کو وہ قرار دیا ہے جو گناہ کرتے وقت سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 4251 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ لوگ گناہ کرتے ہیں لیکن بہترین گناہ کرنے والا وہ ہے جو سچی توبہ کرے۔

چونکہ لوگ فرشتے نہیں ہیں وہ گناہ کرنے کے پابند ہیں۔ وہ چیز جو ان لوگوں کو خاص بناتی ہے جب وہ اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ سچی توبہ میں پشیمانی کا احساس، اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا، اور جس پر بھی ظلم ہوا ہے، دوبارہ گناہ یا اس سے ملتا جلتا گناہ نہ کرنے کا پختہ وعدہ کرنا اور اللہ تعالیٰ کے حوالے سے جو حقوق پامال ہوئے ہیں ان کی تلافی کرنا شامل ہے۔ ، عالی، اور لوگ۔

غور طلب بات یہ ہے کہ صغیرہ گناہوں کو اعمال صالحہ کے ذریعے مٹایا جا سکتا ہے جس کی بہت سی احادیث میں نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ صحیح مسلم نمبر 550 میں موجود ہے۔ جب تک کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے تو ان کے درمیان چھوٹے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔

کبیرہ گناہ صرف سچی توبہ سے مٹ جاتے ہیں۔ اس لیے ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے، چھوٹے اور بڑے، اور اگر ایسا ہو جائے تو فوراً سچے دل سے توبہ کرے کیونکہ موت کا وقت معلوم نہیں ہے۔ اور انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں، اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کرتے ہوئے اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرتے ہوئے ۔

علی رضی اللہ عنہ نے بہترین لوگوں کو وہ قرار دیا جو آزمائشوں میں صبر کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ایک سادہ سی بات کو سمجھنا ضروری ہے جو ان کو تقدیر اور اس سے پیش آنے والی مشکلات کا صبر کے ساتھ مقابلہ کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ ایک شخص خوشی خوشی ایک کڑوی دوا لیتا ہے جسے اس کا ڈاکٹر اس کے علم، تجربے اور انتخاب پر مکمل بھروسہ کرتے ہوئے تجویز کرتا ہے جب تک کہ اس کا ڈاکٹر جانتا ہے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے۔ یہ سچ ہے اگرچہ وہ صرف انسان ہیں اور غلطیوں کا شکار ہیں۔ اس کے باوجود، بہت سے مسلمان اللہ تعالیٰ پر اسی سطح پر بھروسہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں، حالانکہ اس کا علم لامحدود ہے اور اس کے انتخاب ہمیشہ دانشمندانہ ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ تقدیر اور اس سے آنے والی پریشانیوں کو قبول کرنے کی کوشش کریں جس طرح وہ کڑوی دوا کھاتے ہیں یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ ان کو جن پریشانیوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے وہ ان کے لئے بہترین ہیں چاہے وہ ان میں موجود حکمتوں کو نہ سمجھیں یا ان کا مشاہدہ نہ کریں جس طرح وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے موجود سائنس کو خوشی سے نہیں سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثر معاملات میں وہ کڑوی دوائیوں کے پیچھے سائنس کو کبھی نہیں سمجھ پائیں گے ایک وقت ضرور آئے گا، چاہے اس دنیا میں ہو یا آخرت میں، جب ان کو درپیش تلخ مشکلات کے پیچھے کی حکمت ان پر آشکار ہوگی۔ لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ اس وقت صبر کے ساتھ یہ جانتے ہوئے کہ جلد ہی سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ اس پر گہرائی سے غور کرنے سے مشکلات کا مقابلہ کرتے وقت صبر میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو غصے کے وقت دوسروں کو معاف کر دیتے ہیں۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

مومن کی صفات

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار مومن کی چند صفات بیان کیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 441 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ جب مومن کسی چیز کو دیکھتا ہے تو اس سے سبق سیکھتا ہے۔

ایک مسلمان کے لیے ایک اہم حقیقت کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی تخلیق میں کوئی بھی چیز عقلمندی کے بغیر واقع نہیں ہوتی، خواہ لوگ اس حکمت کو فوری طور پر نہ دیکھیں۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہر چیز کو جو پیش آتی ہے، خواہ وہ آسانی کے وقت ہو یا مشکل میں، ایک بوتل میں ایک پیغام کی طرح۔ انہیں بوتل کا جائزہ لینے اور جانچنے میں زیادہ نہیں پھنسنا چاہئے کیونکہ یہ محض ایک میسنجر ہے جو اہم پیغام پہنچاتا ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب مسلمان یا تو ان اچھی چیزوں پر خوش ہوتے ہیں جو اس طرح ہوتی ہیں اور اچھی چیز کے اندر موجود پیغام سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یا وہ مشکلات کے دوران غمگین ہو جاتے ہیں اس طرح مشکل کے اندر موجود پیغام کو سمجھنے کے لیے بہت زیادہ مشغول ہو جاتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ قرآن پاک کی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے ہر صورتحال کو متوازن انداز میں دیکھیں۔ باب 57 الحدید، آیت 23:

"تاکہ تم اس چیز پر نا امید نہ ہو جو تم سے چھوٹ گئی ہے اور جو کچھ اس نے تمہیں دیا ہے اس پر فخر نہ کرو۔"

یہ آیت مختلف حالات میں خوش یا غمگین ہونے سے منع نہیں کرتی کیونکہ یہ انسانی فطرت کا حصہ ہے۔ لیکن یہ ایک متوازن نقطہ نظر کی نصیحت کرتا ہے جس کے تحت کوئی انتہائی جذبات سے بچتا ہے یعنی پرجوش جو حد سے زیادہ خوشی یا غم جو کہ ضرورت سے زیادہ اداسی ہے۔ یہ متوازن نقطہ نظر کسی کو اپنے ذہن کو بوتل کے اندر موجود زیادہ اہم پیغام پر مرکوز کرنے کی اجازت دے گا، اس صورت حال کے اندر چاہے یہ آسانی ہو یا مشکل کی صورت حال۔ چھپے ہوئے پیغام کو جانچنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے ایک مسلمان اپنی دنیوی اور دینی زندگی کو بہتر بنا سکتا ہے۔ بعض اوقات یہ پیغام جاگنے کی کال ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹ جائیں، اس سے پہلے کہ ان کا وقت ختم ہو جائے۔ بعض اوقات یہ ان کے درجات کو بڑھانے کا ایک طریقہ ہو گا۔ دوسری بار ان کے گناہوں کو مٹانے کا ایک طریقہ اور بعض اوقات یہ یاد دہانی کہ وہ دنیاوی مادی دنیا اور اس میں موجود چیزوں سے خود کو منسلک نہ کریں۔ اس تشخیص کے بغیر کوئی شخص اپنی دنیوی یا دینی زندگی کو بہتر بنائے بغیر محض واقعات سے گزرے گا۔

علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ جب مومن خاموش ہو تو اس کی وجہ یہ ہونی چاہیے کہ وہ کسی اہم چیز کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

محض عبادت کرنے سے کسی کو ایمان کے اعلیٰ درجات تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ مسلمان اپنے باطن کو پاک کرکے ہی اس منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ ان کے پاس موجود منفی خصوصیات کو ہٹا کر اور ان کی جگہ اچھی خصوصیات لے کر حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ صرف سنجیدہ عکاسی اور خود تشخیص کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔

جب کوئی اپنی حقیقت کو پہچانتا ہے تو یہ انہیں ایک خادم کی طرح زندگی گزارنے اور اپنی تخلیق کا مقصد پورا کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ یہ انہیں اللہ تعالیٰ کو اپنے رب کے طور پر پہچاننے کی طرف لے جائے گا، جو کہ حتمی مقصد ہے۔ باب 51 ذریات، آیت 56:

‘‘اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لیے پیدا نہیں کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔’’

اپنے کردار اور روح کو بری خصوصیات سے پاک کرنے کے لیے ضروری اقدامات کرنے کے لیے یہ خود تشخیص ضروری ہے جو دونوں جہانوں میں کامیابی کا راستہ ہے۔ کچھ لوگ مادی دنیا میں اس قدر کھو جاتے ہیں کہ وہ کبھی بھی اس اہم کام کو انجام نہیں دیتے اور اس لیے دہائیاں گزر جاتی ہیں ان میں ایک بھی تبدیلی نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کو کمزوری کے آخری مرحلے تک پہنچنے سے پہلے خود اندازہ لگانے اور بہتر سے بہتر تبدیلی کے لیے جو وقت دیا گیا ہے اسے استعمال کرنا چاہیے۔ اس وقت وہ تبدیلی کی خواہش کریں گے لیکن وہ ایسا کرنے کی ذہانت یا طاقت کے مالک نہیں ہوں گے۔ صحیح بخاری نمبر 6412 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

تاریخ کے اوراق پلٹنے کی ضرورت ہے کہ ان لوگوں کا مشاہدہ کیا جائے جنہیں بڑی طاقت اور دولت سے نوازا گیا تھا لیکن آخرکار ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی طاقت ختم ہو گئی اور ان کی مسلسل نافرمانیوں کی وجہ سے وہ تباہ ہو گئے۔

جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اپنی طاقت کے لمحات کو صحیح طریقے سے استعمال کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس طرح نوازے گا کہ اس دنیا سے جانے کے بعد بھی معاشرے میں ان کی عزت ہوگی۔

چونکہ مسلمانوں کی اکثریت عربی زبان کو نہیں سمجھتی بہت زیادہ عبادت اس اندرونی تطہیر کو متحرک نہیں کرے گی۔ انسان اس مادی دنیا، موت، قبر اور جہنم پر غور کرنے سے ہی اس تک پہنچ سکتا ہے۔ اس کی وجہ سے غور و فکر کا ایک لمحہ ساٹھ سال کی رضاکارانہ عبادت سے بہتر ہو سکتا ہے۔

جو لوگ عقل یا غور و فکر کے بغیر رہتے ہیں وہ عادتاً ایسی غلطیاں کرتے ہیں جو صرف مسلسل تناؤ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بغیر کسی مقصد کے زندگی گزارتے ہیں اور ان کے حقیقی مقصد کو سمجھے بغیر ہر دن گزرتے ہیں۔

متقی لوگ ہمیشہ اپنے دن میں سے وقت نکال کر اپنے مقاصد پر غور کرتے ہیں کہ انہوں نے کون سے اعمال انجام دیے ہیں اور کیا انہوں نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا ہے یا نہیں۔ یہ ذہنیت اس بات کو یقینی بنائے گی کہ انسان گناہوں سے بچتا ہے، اعمال صالحہ انجام دیتا ہے اور اگر گناہ سرزد ہو جائیں تو سچے دل سے توبہ کرے۔ یہ ذہنیت اسلام کے دوسرے صحیح ہدایت یافتہ خلیفہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دیے گئے مشورے کے مطابق ہے جو کہ امام اصفہانی کی کتاب ہلیات الاولیاء نمبر 98 میں درج ہے۔ ان کا فیصلہ کوئی اور کرے گا یعنی اللہ تعالیٰ، قیامت کے دن۔

یہ خود تشخیص کلید ہے جو کسی کو خلوص دل سے توبہ کرنے اور بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دیتی ہے۔ یہ اس مرحلے کے مقابلے میں بہترین مرحلہ ہے جہاں کسی کو اپنی غلطیوں کا تب ہی احساس ہوتا ہے جب کوئی دوسرا اس کی نشاندہی کرتا ہے۔ لیکن اس مرحلے میں بھی اچھے دوست اور رشتہ داروں کی ضرورت ہوتی ہے جو صرف مادی دنیا کے بارے میں فکر مند ہونے کے بجائے اپنی ابدی فلاح و بہبود کے لئے عقلمند اور مخلصانہ فکر مند ہوں۔ واقعی ایک خوش نصیب مسلمان وہ ہے جس کے پاس اس قسم کے رشتہ دار اور دوست ہوں جو انہیں تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیں۔

کسی دن کے آغاز پر غور کرنے سے یہ بھی یقینی ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے روزمرہ کے کاموں کو ترجیح دیتا ہے اور ان کاموں سے گریز کرکے وقت بچاتا ہے جن میں تاخیر ہونی چاہیے۔

درج ذیل آیت میں کامیاب مسلمانوں کی حالت بیان کی گئی ہے۔ وہ اسلام کی تعلیمات پر غور و فکر کرتے ہیں اور ان سے بہت متاثر ہوتے ہیں اور انہیں اپنی زندگیوں میں نافذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کوئی اس طرح متاثر ہوتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور غرور کے آثار نہیں دکھانا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی اس طرح متاثر نہیں ہوتا ہے تو اسے توبہ کرنی چاہیے اور اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے بدل جائے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 83:

’’اور جب وہ سنتے ہیں جو رسول پر وحی کی گئی ہے تو تم دیکھتے ہو کہ ان کی آنکھیں اس وجہ سے آنسوؤں سے بہہ جاتی ہیں کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا ہے۔‘‘

خود غور و فکر کی کمی نے مسلمانوں کو مادی دنیا میں کھو دیا ہے حالانکہ اسلامی علم پہلے سے کہیں زیادہ آسانی سے دستیاب ہے۔ رضاکارانہ عبادت صرف ایک ہی دور لے جائے گی لیکن ایمان کی بلندی تک پہنچنے کے لیے انہیں اپنے کردار پر غور و فکر اور جائزہ لینا چاہیے۔ اس سے وہ اپنی برائی خصلتوں کو ترک کرنے اور ان کی جگہ اچھی چیزوں کو لے جانے کی ترغیب دے گا۔ اس خود تشخیص اور غور و فکر کو تحریک دینے کے لیے جس اہم جز کی ضرورت ہے وہ اسلامی علم ہے جو کسی معتبر ذریعہ سے حاصل کیا جانا چاہیے۔ یہ ایک وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا ہے کہ اس قسم کا علم حاصل کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ جب مومن بولتا ہے تو حکمت کی باتیں کرتے ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2501 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو بے ہودہ یا بری بات سے خاموش رہے اور صرف اچھی بات کہے اللہ تعالیٰ اسے دونوں جہانوں میں محفوظ رکھے گا۔ یہ سمجھنا ضروری ہے کیونکہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی بنیادی وجہ ان کی تقریر ہے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 2616 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ درحقیقت یہ صرف ایک ہی برے لفظ کا استعمال کرتا ہے کہ وہ قیامت کے دن جہنم میں ڈوب جائے جس کی تصدیق جامع ترمذی کی ایک حدیث میں ہوئی ہے۔ نمبر 2314

تقریر تین طرح کی ہو سکتی ہے۔ پہلی بری بات ہے جس سے ہر حال میں بچنا چاہیے۔ دوسری فضول گفتگو ہے جس سے صرف وقت ضائع ہوتا ہے جس سے قیامت کے دن بڑی پشیمانی ہوگی۔ مزید برآں، گنہگار تقریر کا پہلا قدم اکثر بیہودہ تقریر ہے۔ لہٰذا اس قسم کی تقریر سے بچنا زیادہ محفوظ ہے۔ آخری قسم اچھی تقریر ہے جسے ہمیشہ اپنانا چاہیے۔ ان پہلوؤں کی بنیاد پر تقریر کا دو تہائی حصہ زندگی سے نکال دینا چاہیے۔

اس کے علاوہ جو زیادہ بولتا ہے وہ صرف اپنے اعمال اور آخرت پر تھوڑا سا غور کرے گا کیونکہ اس کے لیے خاموشی ضروری ہے۔ یہ ان کے اعمال کا اندازہ لگانے سے روک دے گا جو کسی کو مزید نیک اعمال کرنے اور اپنے گناہوں سے سچے دل سے توبہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اس شخص کو پھر بہتر کے لیے تبدیل کرنے سے روکا جائے گا۔

آخر میں، جو لوگ بہت زیادہ بولتے ہیں وہ اکثر دنیاوی چیزوں اور ایسی چیزوں پر بحث کرتے ہیں جو دل لگی اور تفریحی ہیں۔ اس سے وہ ایک ایسی ذہنیت اختیار کریں گے جس کے تحت وہ موت اور آخرت جیسے سنگین مسائل پر بحث کرنا یا سننا پسند نہیں کرتے۔ یہ انہیں آخرت کے لیے مناسب طریقے سے تیاری کرنے سے روک دے گا جس کی وجہ سے وہ ایک بڑے پشیمانی اور ممکنہ عذاب کا باعث بنیں گے۔

ان سب سے بچا جا سکتا ہے اگر کوئی گناہ اور لغو باتوں سے خاموش رہے اور اس کے بجائے صرف اچھی باتیں کہے۔ لہٰذا اس طرح خاموش رہنے والا دنیا میں مصیبت اور آخرت میں عذاب سے بچ جائے گا۔

گمنام بندے۔

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار اللہ تعالیٰ کے نامعلوم مخلص بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر تاریک آزمائش سے نجات پانے اور اس کی رحمت حاصل کرنے کی بشارت دی۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 441 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 7432 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ گمنام بندے سے محبت کرتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ مسلمان کو شہرت حاصل کرنے کے لیے دنیاوی یا دینی معاملات میں کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث بن سکتا ہے، جیسے دکھاوا، اور یہ صرف ایک کے اجر کو ختم کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 2376 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ شہرت حاصل کرنا دین کے لیے دو بھیڑیوں سے زیادہ تباہ کن ہے جنہیں بکریوں کے ریوڑ پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اس کے بجائے، ایک مسلمان کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے اور اگر وہ مشہور ہو جائیں تو انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو برقرار رکھے، اس کی اطاعت میں کوئی تبدیلی کیے بغیر لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کیونکہ یہ دونوں جہانوں میں تباہی کا باعث ہے۔

ایک خوبصورت خطبہ – 5

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے، انہیں دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 443 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو نصیحت کی کہ سب سے بہترین ذریعہ جس سے انسان اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کر سکتا ہے وہ ایمان ہے۔

سچے یقین میں اخلاص شامل ہے۔ صحیح مسلم نمبر 196 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اسلام اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ اس کی طرف سے دیے گئے تمام فرائض کو احکام و ممنوعات کی صورت میں ادا کرنا، صرف اس کی رضا کے لیے۔ جیسا کہ صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ سب ان کی نیت سے پرکھیں گے۔ پس اگر کوئی نیک عمل کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخلص نہ ہو تو اسے نہ دنیا میں اجر ملے گا اور نہ آخرت میں۔ درحقیقت جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جن لوگوں نے گستاخیاں کیں ان سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ وہ ان لوگوں سے اجر طلب کریں جن کے لیے انہوں نے عمل کیا جو ممکن نہیں ہوگا۔ باب 98 البیینہ، آیت 5۔

اور ان کو اس کے سوا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا کہ وہ اللہ کی عبادت کریں، اس کے لیے خالص ہو "کر۔"

اگر کوئی اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے تو یہ اخلاص کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ صدق دل سے توبہ کریں اور ان سب کو پورا کرنے کے لیے جدوجہد کریں۔ یہ بات ذہن میں رکھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی پر کبھی بھی ایسے فرائض کا بوجھ نہیں ڈالتا جو وہ انجام نہیں دے سکتا اور نہ ہی نبھا سکتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 286۔

"اللہ کسی جان کو اس کی طاقت کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں دیتا۔"

کے لیے مخلص ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ہمیشہ اپنی اور دوسروں کی خوشنودی پر اس کی رضا کو پسند کرنا چاہیے۔ ایک مسلمان کو ہمیشہ ان اعمال کو ترجیح دینی چاہیے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ انسان کو چاہیے کہ دوسروں سے محبت کرے اور اپنے گناہوں کو اللہ تعالیٰ کے لیے ناپسند کرے نہ کہ اپنی خواہشات کے لیے۔ جب وہ دوسروں کی مدد کرتے ہیں یا گناہوں میں حصہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہونا چاہیے۔ جس نے اس ذہنیت کو اپنایا اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4681 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو فرض نمازوں کو قائم کرنے کی نصیحت کی کیونکہ یہ دین کی بنیاد ہیں۔

جامع ترمذی نمبر 2618 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ فرض نمازوں کو چھوڑنا ایمان اور کفر میں فرق ہے۔

اس دن اور عمر میں یہ بہت عام ہو گیا ہے۔ بہت سے لوگ معمولی وجوہات کی بنا پر اپنی فرض نمازیں ترک کر دیتے ہیں جو کہ بلاشبہ رد ہیں۔ اگر جنگ کرنے والے پر نماز کی فرضیت ختم نہیں ہوئی تو کسی اور سے کیسے ہٹائی جائے گی؟ باب 4 النساء، آیت 102:

"اور جب آپ ان کے درمیان ہوں اور ان کی نماز پڑھائیں تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور وہ اپنے ہتھیار اٹھائے ہوں۔ اور جب وہ سجدہ کر لیں تو وہ آپ کے پیچھے ہوں اور دوسرے گروہ کو آگے آنے دیں جنہوں نے]ابھی تک [نماز نہیں پڑھی ہے اور وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں، احتیاط کرتے ہوئے اور اپنے ہتھیار اٹھائے ہوئے..."

نہ مسافر اور نہ بیمار اپنی فرض نمازوں سے مستثنیٰ ہیں۔ مسافر کو بعض فرض نمازوں میں چکروں کی مقدار کو کم کرنے کی تلقین کی گئی ہے تاکہ ان پر بوجھ کم ہو جائے لیکن وہ ان کی ادائیگی سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔ باب 4 النساء، آیت 101:

‘‘...اور جب تم پورے ملک میں سفر کرتے ہو تو تم پر نماز قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں’’

بیماروں کو خشک وضو کرنے کی تلقین کی گئی ہے اگر پانی سے رابطہ انہیں نقصان پہنچاتا ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 6:

’’لیکن اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت کی جگہ سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے رابطہ کیا ہو اور پانی نہ ملے تو صاف زمین تلاش کرو اور اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو۔‘‘

اس کے علاوہ بیمار فرض نماز اس طریقے سے ادا کرسکتے ہیں جو ان کے لیے آسان ہو۔ یعنی اگر کھڑے نہیں ہو سکتے تو بیٹھ سکتے ہیں اور اگر بیٹھ نہیں سکتے تو لیٹ کر فرض نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 372 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ لیکن پھر یہ کہ بیمار کو مکمل رعایت نہیں دی جاتی جب تک کہ کوئی ذہنی مریض نہ ہو جو اسے نماز کی فرضیت کو سمجھنے سے روکتا ہو۔

دوسرا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ بعض مسلمان اپنی فرض نمازوں میں تاخیر کرتے ہیں اور صحیح اوقات سے زیادہ پڑھتے ہیں۔ یہ قرآن کریم سے واضح طور پر متصادم ہے کیونکہ مومنین کو اپنی فرض نمازیں وقت پر ادا کرنے والے کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ باب 4 النساء، آیت 103:

‘‘بے شک نماز مومنوں پر مقررہ اوقات کے لیے فرض کی گئی ہے۔’’

بہت سے لوگوں کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے مراد وہ لوگ ہیں جو اپنی فرض نمازوں میں بلا ضرورت تاخیر کرتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر، جلد 10، صفحہ 603-604 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔ باب 107 المعون، آیات 4-5:

‘‘پس خرابی ہے نمازیوں کے لیے۔]لیکن [جو اپنی نماز سے غافل ہیں۔"

یہاں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر ان لوگوں پر لعنت فرمائی ہے جنہوں نے اس بری صفت کو اختیار کیا ہے۔ اگر کوئی اللہ کی رحمت سے دور ہو جائے تو اس دنیا یا آخرت میں کامیابی کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 512 میں موجود ایک حدیث میں فرمایا کہ فرض نماز میں بلا ضرورت تاخیر کرنا نفاق کی علامت ہے۔ قرآن کریم نے واضح کیا ہے کہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کی ایک بڑی وجہ فرض نمازوں کو قائم نہ کرنا ہے۔ باب 74 المدثر، آیات 42-43:

]اور ان سے پوچھتے ہوئے[، "آپ کو سقر میں کس چیز نے ڈالا؟ "وہ کہیں گے کہ ہم نماز پڑھنے " والوں میں سے نہیں تھے۔

فرض نمازوں کا ترک کرنا اتنا بڑا گناہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 2621 میں موجود حدیث میں اعلان فرمایا کہ جس نے یہ گناہ کیا اس نے اسلام سے کفر کیا۔

اس کے علاوہ کوئی اور نیک عمل کسی مسلمان کو اس وقت تک فائدہ نہیں دے گا جب تک کہ اس کی فرض نمازیں قائم نہ ہوں۔ صحیح بخاری نمبر 553 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر عصر کی فرض نماز چھوٹ جائے تو اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک فرض نماز کے ترک کرنے کا یہ حال ہے تو کیا ان سب کو چھوڑنے کی سزا کا تصور کیا جا سکتا ہے؟

صحیح مسلم کی حدیث نمبر 252 میں فرض نمازوں کو ان کے صحیح اوقات میں پڑھنے کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین اعمال میں سے ایک ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ فرض نمازوں کو اپنے وقت سے زیادہ مؤخر کرنا یا ان کو مکمل طور پر غائب کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ کام ہے۔

تمام بزرگوں کے لیے یہ ایک اہم فریضہ ہے کہ وہ اپنے زیر کفالت بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیں تاکہ وہ ان پر شرعی طور پر پابند ہونے سے پہلے ہی اسے قائم کر لیں۔ وہ بالغ جو اس میں تاخیر کرتے ہیں اور بچوں کے بڑے ہونے تک انتظار کرتے ہیں اس انتہائی اہم فریضے میں ناکام رہے ہیں۔ جن بچوں کو صرف فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دی گئی تھی جب یہ ان پر فرض ہو گئی تھی، وہ بہت کم ہی انہیں جلدی قائم کرتے تھے۔ زیادہ تر معاملات میں اس اہم فرض کو صحیح طریقے سے نبھانے میں انہیں برسوں لگ جاتے ہیں۔ اور قصور خاندان کے بزرگوں پر، خاص طور پر والدین پر آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن ابوداؤد نمبر 495 میں موجود ایک حدیث میں یہ نصیحت کی ہے کہ خاندان سب سے زیادہ اپنے بچوں کو جب سات سال کے ہو جائیں تو فرض نماز پڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں۔

ایک اور بڑا مسئلہ جس کا بہت سے مسلمانوں کو سامنا ہے وہ یہ ہے کہ وہ فرض نماز تو ادا کر سکتے ہیں لیکن صحیح طریقے سے ادا کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ مثال کے طور پر، بہت سے لوگ نماز کے مراحل کو صحیح طریقے سے مکمل نہیں کر پاتے اور اس کے بجائے اس میں جلدی کرتے ہیں۔ درحقیقت صحیح بخاری نمبر 757 میں موجود ایک حدیث واضح طور پر تنبیہ کرتی ہے کہ اس طرح کی نماز پڑھنے والے نے بالکل نماز نہیں پڑھی۔ یعنی ان کا ذکر اس شخص کے طور پر نہیں ہے جس نے اپنی نماز پڑھی اور اس وجہ سے ان کی ذمہ داری پوری نہیں ہوئی۔ جامع ترمذی نمبر 265 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص نماز کے ہر مقام پر قائم نہیں رہتا اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز میں رکوع اور سجدہ نہ کرنے والے کو بدترین چور قرار دیا۔ موطا مالک، کتاب نمبر 9، حدیث نمبر 75 میں پائی جانے والی ایک حدیث میں اس بات کی تنبیہ کی گئی ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلمان جنہوں نے کئی دہائیوں سے فرض اور اس جیسی بہت سی نفلی نمازیں ادا کی ہیں، ان میں سے کسی نے بھی گنتی نہیں کی ہے اور اس طرح ان کا شمار کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک کیا جاتا ہے جس نے اپنی ذمہ داری پوری نہیں کی۔ اس کی تصدیق سنن نسائی نمبر 1313 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

قرآن پاک عام طور پر مسجد میں جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرنے کی اہمیت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 43:

"اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔"

درحقیقت اس آیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی بنا پر بعض معتبر علماء نے اس کو مسلمان مردوں پر واجب قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر سنن ابوداؤد نمبر 550 میں موجود ایک حدیث میں واضح طور پر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو مسلمان اپنی فرض نمازیں مسجد میں باجماعت ادا نہیں کریں گے انہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے منافق قرار دیا ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان مردوں کے گھروں کو جلانے کی دھمکی بھی دی تھی جو بغیر کسی عذر کے باجماعت مسجد میں اپنی فرض نمازیں ادا کرنے میں ناکام رہے تھے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 1482 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ جو مسلمان اس اہم عمل کو انجام دینے کی پوزیشن میں ہوں وہ کریں۔ انہیں یہ دعویٰ کرنے میں خود کو بیوقوف نہیں بنانا چاہئے کہ وہ دوسرے نیک کام انجام دے رہے ہیں جیسے کہ گھر کے کاموں میں اپنے خاندان کی مدد کرنا۔ یوں تو صحیح بخاری نمبر 676 میں موجود ایک حدیث کے مطابق یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت ہے، لیکن ضروری ہے کہ آپ کی روایات کی اہمیت کو اپنی خواہشات کے مطابق ترتیب نہ دیا جائے۔ جو کوئی ایسا کرتا ہے وہ اس کی روایات کی پیروی نہیں کر رہا ہے وہ صرف اپنی خواہشات کی پیروی کر رہا ہے خواہ وہ نیک عمل ہی کیوں نہ کر رہا ہو۔ درحقیقت اسی حدیث کا اختتام اس نصیحت سے ہوتا ہے کہ جب فرض نماز کا وقت ہوتا تو حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد کی طرف روانہ ہوتے۔

علی رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو صدقہ فطر کی تلقین کی۔

صدقہ فطر نہ دینے پر قرآن پاک اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر صحیح بخاری نمبر 1403 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جو شخص اپنے واجب صدقات کو صدقہ نہ کرے اسے ایک بڑے زہریلے سانپ کا سامنا ہو گا جو قیامت کے دن اسے مسلسل ڈستا رہے گا۔ باب 3 علی عمران، آیت 180:

"اور جو لوگ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کو جو کچھ دیا ہے اسے روکے رکھنے والے ہرگز یہ نہ سوچیں کہ یہ ان کے لیے بہتر ہے۔ بلکہ ان کے لیے بدتر ہے۔ ان کی گردنوں میں قیامت کے دن وہ گھیر لیا جائے گا جو انہوں نے روک رکھا تھا..."

سنن ابن ماجہ نمبر 4019 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب معاشرے کے افراد واجب صدقہ کو روکتے ہیں تو اللہ تعالیٰ بارش کو روک دیتا ہے اور اگر یہ جانور نہ ہوتے تو وہ بارش کو ہر گز نہ ہونے دیتا۔ اس لیے یہ بڑا گناہ کچھ قوموں کو درپیش طویل خشک سالی کی ایک ممکنہ وجہ ہے۔

واجب صدقہ نہ دینا انتہائی لالچ کی علامت ہے کیونکہ یہ کسی کے مال کا صرف ایک انتہائی چھوٹا حصہ ہے یعنی 2.5%۔ واضح ہے کہ کنجوس اللہ تعالیٰ سے دور اور جہنم کے قریب ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 1961 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

مسلمانوں کو یہ سمجھنا چاہیے کہ فرض صدقہ کرنا نہ صرف انہیں عذاب سے بچاتا ہے بلکہ یہ کسی کی زندگی میں برکتوں کا باعث بنتا ہے جو ان کے عطیہ کردہ مال سے کہیں زیادہ ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح مسلم نمبر 6592 میں موجود ایک حدیث میں واضح فرمایا ہے کہ صدقہ کرنے سے مال میں کمی نہیں آتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی عطیہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی تلافی کرتا ہے۔ مثال کے طور پر، وہ انہیں کاروبار کے مواقع فراہم کرتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے عطیہ سے زیادہ دولت حاصل کرتے ہیں۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اس ادائیگی کی تصدیق کی گئی ہے، مثلاً باب 57 الحدید، آیت 11:

’’کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تو وہ اس کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے اور اس کے لیے اجر عظیم ہے۔‘‘

اس کے علاوہ یہ حدیث اس بات کی طرف اشارہ کر سکتی ہے کہ چونکہ ہر شخص کا رزق پہلے سے لکھا ہوا ہے جو مال اس پر خرچ کرنا ہے وہ کبھی نہیں بدلے گا چاہے کوئی کتنا ہی مال عطیہ کرے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے مال کا بہت کم حصہ فرض صدقہ کی صورت میں دے کر اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچتا ہے اور اس امید پر کہ دنیا اور آخرت دونوں میں اس سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو ماہ رمضان کے روزے رکھنے کی تلقین کی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے حفاظت کا ذریعہ ہے۔

سنن نسائی نمبر 2219 میں موجود الہی حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ تمام اعمال صالحہ جو لوگ انجام دیتے ہیں وہ ان کے لیے ہیں سوائے روزے کے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ اسے براہ راست انعام دیں.

یہ حدیث روزے کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے۔ اس کے اس انداز میں بیان ہونے کی ایک وجہ یہ ہے کہ باقی تمام اعمال صالحہ لوگوں کو نظر آتے ہیں، جیسے نماز، یا وہ لوگوں کے درمیان ہیں، جیسے خفیہ صدقہ۔ جبکہ، روزہ ایک منفرد نیک عمل ہے کیونکہ دوسرے یہ نہیں جان سکتے کہ کوئی شخص صرف روزہ رکھنے سے روزہ رکھتا ہے۔

اس کے علاوہ، روزہ ایک نیک عمل ہے جو اپنے آپ کے ہر پہلو پر قفل لگاتا ہے۔ یعنی جو شخص صحیح طریقے سے روزہ رکھتا ہے اسے زبانی اور جسمانی گناہوں سے روک دیا جائے گا جیسے کہ حرام چیزوں کو دیکھنا اور سننا۔ یہ بھی نماز کے ذریعے حاصل ہوتا ہے لیکن نماز صرف تھوڑی دیر کے لیے ادا کی جاتی ہے اور دوسروں کو دکھائی دیتی ہے جبکہ روزہ دن بھر ہوتا ہے اور دوسروں کو نظر نہیں آتا۔ باب 29 العنکبوت، آیت 45:

"...بے شک نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے"

مندرجہ ذیل آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جو شخص بغیر کسی جواز کے فرض روزے پورے نہیں کرتا وہ مومن نہیں ہو گا کیونکہ دونوں کا براہ راست تعلق ہے۔ باب 2 البقرہ، آیت 183:

"اے ایمان والو تم پر روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ"

درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جامع ترمذی نمبر 723 میں موجود حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے کہ اگر کوئی مسلمان ایک فرض روزہ بغیر کسی شرعی عذر کے پورا نہ کرے تو اس کی قضا نہیں ہو سکتی۔ ثواب اور برکت ضائع ہو جاتی ہے خواہ وہ ساری زندگی روزے رکھے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ اس آیت سے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزہ صحیح طریقے سے تقویٰ کی طرف لے جاتا ہے۔ یعنی صرف دن کو بھوکا رہنے سے تقویٰ حاصل نہیں ہوتا بلکہ روزے کی حالت میں گناہوں سے بچنے اور اعمال صالحہ کی طرف زیادہ توجہ دینے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جامع ترمذی نمبر 707 میں موجود حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر کوئی جھوٹ بولنے اور اس پر عمل کرنے سے پرہیز نہ کرے تو روزہ اہم نہیں ہوگا۔ اسی طرح کی ایک حدیث سنن ابن ماجہ نمبر 1690 میں ہے کہ بعض روزہ داروں کو بھوک کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ جب کوئی اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی اطاعت میں زیادہ ہوشیار اور محتاط ہو جاتا ہے، جب کہ وہ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں، یہ عادت بالآخر ان پر اثر انداز ہوتی ہے، اس لیے وہ روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اسی طرح کا برتاؤ کرتے ہیں۔ یہ دراصل حقیقی تقویٰ ہے۔

اس آیت میں جس نیکی کا ذکر پہلے کیا گیا ہے اس کا تعلق روزے سے ہے کیونکہ روزہ انسان کی بری خواہشات اور شہوتوں کو کم کرتا ہے۔ یہ غرور اور گناہوں کی ترغیب سے روکتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ روزہ پیٹ کی بھوک اور نفسانی خواہشات کو روکتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بہت سے گناہوں کو جنم دیتی ہیں۔ اس کے علاوہ ان دونوں چیزوں کی خواہش دیگر حرام چیزوں کی خواہش سے زیادہ ہے۔ پس جو شخص روزے کے ذریعے ان پر قابو پالے گا اس کے لیے کمزور خواہشات پر قابو پانا آسان ہو جائے گا۔ یہ حقیقی راستبازی کی طرف جاتا ہے۔

جیسا کہ مختصراً پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ روزے کے مختلف درجات ہیں۔ روزہ کا پہلا اور ادنیٰ درجہ وہ ہے جب کوئی ایسی چیزوں سے پرہیز کرے جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، جیسے کہ کھانا۔ اگلا درجہ گناہوں سے پرہیز کرنا ہے جو روزہ کو نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے روزے کے ثواب

کو کم کر دیتے ہیں، جیسے جھوٹ بولنا۔ سنن نسائی نمبر 2235 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ روزہ جس میں جسم کے ہر عضو کو شامل کیا جائے اگلا درجہ ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب جسم کا ہر عضو گناہوں سے بچتا ہے، مثلاً آنکھ حرام کو دیکھنے سے، کان حرام کو سننے سے، وغیرہ۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی روزہ نہ رکھتے ہوئے بھی اس طرح کا برتاؤ کرے۔ آخر میں روزہ کا اعلیٰ درجہ ان تمام چیزوں سے پرہیز کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ سے مربوط نہیں ہیں۔

ایک مسلمان کو باطنی طور پر بھی روزہ رکھنا چاہئے جیسا کہ ان کا جسم گناہ یا لغو خیالات سے پرہیز کرتے ہوئے ظاہری طور پر روزہ رکھتا ہے۔ انہیں اپنی خواہشات کے حوالے سے اپنے منصوبوں پر قائم رہنے سے روزہ رکھنا چاہئے اور اپنے فرائض اور ذمہ داریوں کو پورا کرنے پر توجہ دینے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس کے علاوہ، انہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان کو باطنی طور پر چیلنج کرنے سے روزہ رکھنا چاہیے، اور اس کے بجائے تقدیر کے علاوہ اور جو کچھ بھی اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرتا ہے، وہ صرف اپنے بندوں کے لیے بہترین انتخاب کرتا ہے، چاہے وہ ان انتخاب کے پیچھے کی حکمت کو نہ سمجھیں۔ باب 2 البقرہ، آیت 216:

لیکن شاید آپ کو کسی چیز سے نفرت ہو اور وہ آپ کے لیے اچھی ہو۔ اور شاید آپ کو ایک چیز پسند ہے اور وہ آپ کے لیے بری ہے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"

آخر میں، ایک مسلمان کو اپنے روزے کو پوشیدہ رکھ کر اور دوسروں کو مطلع نہ کر کے سب سے زیادہ ثواب حاصل کرنا چاہیے اگر یہ گریز کیا جا سکتا ہے کیونکہ غیر ضروری طور پر دوسروں کو بتانے سے ثواب ضائع ہو جاتا ہے کیونکہ یہ دکھاوے کا ایک پہلو ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اپنے رشتہ داروں کو برقرار رکھنے کی بھی نصیحت کی، کیونکہ اس سے خاندان کی محبت بڑھتی ہے اور زندگی میں برکت ہوتی ہے۔

جامع ترمذی نمبر 2612 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ کامل ایمان والا وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سب سے زیادہ مہربان ہو۔

بدقسمتی سے، بعض نے اپنے ہی خاندان کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوئے غیر رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کی بری عادت اپنا لی ہے۔ وہ اس طرح برتاؤ کرتے ہیں کیونکہ وہ اپنے خاندان کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت کو نہیں سمجھتے اور اپنے خاندان کی تعریف کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ ایک مسلمان اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ایمان کے دونوں پہلوؤں کو پورا نہ کرے۔ پہلا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اپنے فرائض کی ادائیگی، اس کے احکام کی بجا آوری، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا ہے۔ دوسرا یہ کہ لوگوں کے حقوق ادا کیے جائیں جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ اس قسم کے سلوک کا اپنے خاندان سے زیادہ حق کسی کو نہیں ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ وہ تمام اچھے معاملات میں اپنے خاندان کی مدد کرے اور انہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق نرمی کے ساتھ برے کاموں اور طریقوں سے تنبیہ کرے۔ برے کاموں میں ان کی آنکھیں بند کر کے صرف اس وجہ سے ساتھ نہ دیں کہ وہ ان کے رشتہ دار ہیں اور نہ ہی ان کے بارے میں بعض برے جذبات کی وجہ سے اچھے معاملات میں ان کی مدد کرنے سے گریز کریں کیونکہ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2:

’’اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔

دوسروں کی رہنمائی کا بہترین طریقہ عملی نمونہ کے ذریعے ہے کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور صرف زبانی ہدایت سے کہیں زیادہ موثر ہے۔

آخر میں، کسی کو عام طور پر تمام معاملات میں نرمی کا انتخاب کرنا چاہئے، خاص طور پر، اپنے خاندان کے ساتھ معاملہ کرتے وقت۔ اگر وہ گناہ بھی کریں تو انہیں نرمی کے ساتھ تنبیہ کی جائے اور پھر بھی اچھے کاموں میں ان کی مدد کی جائے کیونکہ یہ مہربانی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرف لوٹانے میں ان کے ساتھ سختی کرنے سے زیادہ کارگر ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خفیہ صدقہ کرنے کی بھی نصیحت کی، کیونکہ یہ گناہوں کا کفارہ اور رب کے غضب کو بجھاتا ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6806 میں موجود ایک طویل حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے سات گروہوں کا تذکرہ کیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ قیامت کے دن سایہ عطا فرمائے گا۔

یہ سایہ ان کو قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے محفوظ رکھے گا جس میں سورج کو تخلیق کے دو میل کے اندر اندر لانے کی وجہ سے ناقابل برداشت گرمی بھی شامل ہے۔ جامع ترمذی نمبر 2421 میں موجود حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

ان گروہوں میں ایک شخص بھی شامل ہے جو خفیہ خیرات کرتا ہے۔ اگرچہ عوامی طور پر صدقہ کرنا دوسروں کو بھی ایسا کرنے کی دعوت اور ترغیب دے سکتا ہے، جس سے ثواب بڑھتا ہے اس بات پر کہ کتنے لوگ ان کے اس طرز عمل پر عمل کرتے ہیں جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے، پھر بھی چھپ کر صدقہ کرنا خطرناک سے بچتا ہے۔ دکھاوے کا گناہ، جو کسی کے عمل کو برباد کر دیتا ہے۔ جب کوئی مسلمان چھپ کر عطیہ کرتا ہے تو یہ صرف اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ان کے اخلاص کی نشاندہی کرتا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی کہ کتنا صدقہ کرنا چاہیے۔ لہٰذا ایک مسلمان کے پاس کوئی عذر نہیں ہے اگر وہ اس نصیحت پر عمل کرنے میں ناکام رہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی عمل کے معیار کو دیکھتا ہے، کسی شخص کے اخلاص کو، نہ کہ مقدار کو۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ اسلام میں صدقہ صرف مال دینے تک ہی محدود نہیں ہے۔ درحقیقت اس میں تمام نیک اعمال شامل ہیں، جیسے نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ صحیح مسلم نمبر 1671 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ جب تک ان اعمال صالحہ میں سے کوئی ایک عمل پوشیدہ طور پر کیا جائے جب تک کہ وہ شخص دوسروں کے سامنے اس کا ذکر نہ کرے امید ہے کہ وہ اس حدیث کو پورا کریں گے اور قیامت کے دن سایہ حاصل کریں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی لوگوں کو اللہ تعالیٰ کو بہت زیادہ یاد کرنے کی تلقین کی کیونکہ یہ سب سے افضل ذکر ہے۔

صحیح بخاری نمبر 6407 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے اور نہ کرنے والے کے درمیان فرق زندہ آدمی جیسا ہے۔ ایک مردہ شخص.

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک مضبوط تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں، تاکہ وہ دنیا اور آخرت کی تمام مشکلات پر کامیابی سے کامیابی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ سے زیادہ یاد کریں۔ سادہ الفاظ میں، وہ جتنا زیادہ اسے یاد کریں گے، اتنا ہی وہ اس اہم مقصد کو حاصل کریں گے۔

یہ اللہ تعالیٰ کے ذکر کے تین درجوں پر عملاً عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ پہلا درجہ اللہ تعالیٰ کو اندرونی اور خاموشی سے یاد کرنا ہے۔ اس میں اپنی نیت کو درست کرنا بھی شامل ہے تاکہ وہ صرف اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے عمل کرے۔ دوسرا اللہ تعالیٰ کو زبان سے یاد کرنا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنے کا سب سے اعلیٰ اور مؤثر طریقہ عملاً اسے اعضاء کے ساتھ یاد کرنا ہے۔ یہ اس کے احکام کو پورا کرنے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کے لیے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ضرورت ہے جو کہ دونوں جہانوں میں تمام بھلائیوں اور کامیابیوں کی جڑ ہے۔

پہلے دو درجوں پر رہنے والوں کو ان کی نیت کے اعتبار سے ثواب ملے گا لیکن ان کے ایمان اور تقویٰ میں اس وقت تک اضافہ ہونے کا امکان نہیں ہے جب تک کہ وہ ذکر الٰہی کے تیسرے اور اعلیٰ درجے تک نہ پہنچ جائیں۔

یہ مراحل دونوں جہانوں میں امن اور کامیابی کی کنجی ہیں۔ باب 13 الرعد، آیت 28:

‘‘بلاشبہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔’’

ایک خوبصورت خطبہ – 6

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ، لوگوں کو خوبصورت، درست اور مفید خطبات دیتے، انہیں دونوں جہانوں میں کامیابی اور امن کی طرف راغب کرتے۔ امام محمد السلّابی کے، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 446 میں درج ذیل خطبہ پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو بتایا کہ وہ ڈرتے ہیں کہ وہ خواہشات اور خواہشات کی پیروی کریں گے اور یہ انہیں حق کو چھوڑنے کی ترغیب دے گا۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں ایک اور کسی خاص طریقے سے اسکارف اتار دیا مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہٰذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ وہ ڈرتے ہیں کہ وہ لمبی زندگی کی امیدیں اپنائیں گے اور یہ انہیں آخرت کو بھلانے کی ترغیب دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ایک بڑی رکاوٹ لمبی عمر کی جھوٹی امید رکھنا ہے۔ یہ ایک انتہائی قابل ملامت خصوصیت ہے کیونکہ یہ ایک مسلمان کے لیے آخرت کی تیاری پر مادی دنیا کو اکٹھا کرنے کو ترجیح دینے کا بنیادی سبب ہے۔ انسان کو صرف اپنے اوسطاً 24 گھنٹے دن کا جائزہ لینے کی ضرورت ہے اور یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ اس حقیقت کو سمجھنے کے لیے کتنا وقت مادی دنیا کے لیے اور کتنا وقت آخرت کے لیے وقف کرتے ہیں۔ درحقیقت، لمبی زندگی کی جھوٹی امید رکھنا ایک طاقتور ہتھیار ہے جسے شیطان لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ جب ایک شخص کو یقین ہوتا ہے کہ وہ طویل عرصے تک زندہ رہیں گے تو وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر کرتے ہیں یہ جھوٹا یقین رکھتے ہوئے کہ وہ مستقبل قریب میں اس کی تیاری کر سکتے ہیں۔ زیادہ تر معاملات میں، یہ مستقبل قریب کبھی نہیں آتا اور ایک شخص آخرت کے لیے مناسب تیاری کیے بغیر ہی مر جاتا ہے۔

مزید برآں، لمبی عمر کی جھوٹی امید مخلصانہ توبہ اور اپنے کردار کو بہتر سے بہتر کرنے میں تاخیر کا باعث بنتی ہے کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پاس ایسا کرنے کے لیے کافی وقت باقی ہے۔ یہ ایک شخص کو اس مادی دنیا کی چیزوں کو ذخیرہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے، جیسے کہ دولت، کیونکہ یہ انہیں یقین دلاتی ہے کہ انہیں زمین پر اپنی طویل زندگی کے دوران ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ شیطان لوگوں کو یہ سوچنے پر ڈراتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے کے لیے دولت جمع کر لیں کیونکہ جب وہ جسمانی طور پر کمزور ہو جاتے ہیں تو انہیں کوئی ان کا سہارا نہ ملے اور اس لیے وہ اپنے لیے مزید کام نہ کر سکیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق کا خیال ان کی چھوٹی عمر میں رکھا تھا اسی طرح بڑھاپے میں بھی ان کا رزق عطا فرمائے گا۔ درحقیقت خلقت کا رزق زمین و آسمان کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے مختص کیا گیا تھا۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6748 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص اپنی زندگی کے 40 سال اپنی ریٹائرمنٹ کے لیے کس طرح وقف کر دے گا جو کہ شاذ و نادر ہی 20 سال سے زیادہ عرصہ تک رہتا ہے لیکن اس طرح ابدی کے لیے تیاری کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس کے بعد

اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ دنیا کے لیے کچھ بھی تیار نہ کریں۔ مستقبل قریب کے لیے بچت کرنے میں کوئی حرج نہیں جب تک کہ آخرت کو ترجیح دی جائے۔ اگرچہ، لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ابھی تک کسی بھی وقت مر سکتے ہیں، کچھ ایسے سلوک کرتے ہیں جیسے وہ اس دنیا میں ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ یہاں تک کہ اگر انہیں زمین پر ابدی زندگی کا وعدہ دیا جائے تو وہ دن اور رات کی پابندیوں کی وجہ سے زیادہ مادی دنیا کو جمع کرنے کے لئے زیادہ کوشش نہیں کر سکیں گے۔ کتنے لوگ توقع سے پہلے انتقال کر گئے؟ اور کتنے ہیں جنہوں نے اس سے سبق سیکھا اور اپنا رویہ بدل لیا؟

درحقیقت موت کے وقت یا آخرت کے کسی دوسرے مرحلے پر انسان کو جو سب سے بڑا درد محسوس ہوتا ہے وہ آخرت کی تیاری میں تاخیر پر ندامت ہے۔ باب 63 المنافقون، آیات 10-11:

اور جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرو اس سے پہلے کہ تم میں سے کسی کو موت آجائے اور وہ کہے کہ اے میرے رب کاش تو مجھے تھوڑی دیر کے لیے مہلت دے تو میں صدقہ کر دوں اور نیک لوگوں میں سے ہو جاؤں "لیکن اللہ کسی جان کو اس کا وقت آنے پر کبھی تاخیر نہیں کرتا۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔''

ایک شخص کو احمق قرار دیا جائے گا اگر وہ اس گھر کے لیے زیادہ وقت اور دولت وقف کردے جس میں وہ صرف ایک مختصر وقت کے لیے رہنے والا تھا اس گھر کے مقابلے میں جس میں وہ بہت طویل عرصے تک رہنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ یہ دنیاوی دنیا کو ابدی آخرت پر ترجیح دینے کی مثال ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے کام کریں لیکن جان لیں کہ موت کسی شخص کو اس وقت، حالت یا عمر میں نہیں آتی جو ان کو معلوم ہوتی ہے بلکہ اس کا آنا یقینی ہے۔ لہٰذا اس کی تیاری اور اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے اس کو اس دنیا میں مستقبل کی تیاری پر ترجیح دینی چاہیے جس کا ہونا یقینی نہیں ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے کہا کہ وہ ڈرتے ہیں کہ وہ لمبی زندگی کی امیدیں اپنائیں گے اور یہ انہیں آخرت کو بھلانے کی ترغیب دے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ دنیا جلد ختم ہونے والی ہے اور آخرت جلد شروع ہونے والی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی اولاد ہے، اس لیے وہ آخرت کے بچوں میں سے ہونا چاہیے نہ کہ دنیا کے بچوں میں سے، کیونکہ آج کا عمل بغیر حساب کے کر رہا ہے اور آنے والا کل بغیر اعمال کے حساب کے لیے ہے۔

جب لوگ، خواہ ان کے عقیدے سے تعلق رکھتے ہوں، چھٹی پر جاتے ہیں تو وہ صرف اپنی ضرورت کی چیزیں پیک کرتے ہیں اور شاید تھوڑا سا اضافی لیکن وہ اوور پیکنگ سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے ساتھ جو رقم بھی لے جاتے ہیں وہ اپنے بیرون ملک قیام کے حوالے سے محدود کرتے ہیں۔ جب وہ آتے ہیں تو وہ اکثر ایسے ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں جس میں عام طور پر چند ایکسٹرا کے ساتھ رہنے کی بنیادی ضروریات ہوتی ہیں۔ اگر انہیں یقین ہے کہ وہ مستقبل میں کبھی بھی اسی منزل پر واپس نہیں آئیں گے تو وہ کبھی گھر نہیں خریدیں گے کیونکہ وہ دعویٰ کریں گے کہ ان کا قیام مختصر ہے اور وہ واپس نہیں آئیں گے۔ انہیں چھٹیوں کے دوران یہ دعویٰ کرتے ہوئے کوئی نوکری نہیں ملتی کہ ان کا قیام مختصر ہے لہذا انہیں زیادہ پیسے کمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ شادی نہیں کرتے اور نہ ہی بچوں کا دعویٰ کرتے ہیں کہ چھٹیوں کی منزل ان کا وطن نہیں ہے جہاں وہ شادی کریں گے اور بچے ہوں گے۔ عام طور پر، یہ چھٹی بنانے والوں کا رویہ اور ذہن سازی ہے۔

یہ عجیب بات ہے کہ مسلمان واقعی اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ وہ جلد ہی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں گے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا میں رہنا بھی عارضی ہے جیسا کہ چھٹیوں پر ہوتا ہے، اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کا آخرت میں قیام ہمیشہ کے لیے ہے، لیکن وہ اس کے لیے مناسب تیاری نہیں کرتے۔ اگر انہیں واقعی یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے پاس کم وقت ہے، اسی طرح چھٹی کی

طرح، تو وہ اپنے گھروں پر زیادہ محنت نہیں کریں گے اور اس کے بجائے ایک سادہ گھر پر مطمئن رہیں گے جیسا کہ مسافر جو ایک سادہ ہوٹل سے مطمئن ہے۔ تو حقیقت میں، یہ دنیا مثال کے طور پر ابھی تک چھٹیوں کی منزل کی طرح ہے، مسلمان اسے ایک جیسا نہیں سمجھتے۔ اس کے بجائے، وہ ابدی آخرت کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی دنیا کو سنوارنے میں اپنی زیادہ تر کوششیں وقف کر دیتے ہیں۔ بعض اوقات یہ یقین کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کچھ مسلمان درحقیقت دائمی آخرت پر یقین رکھتے ہیں جب کوئی دیکھتا ہے کہ وہ دنیاوی دنیا کے لیے کتنی کوششیں کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرتے ہوئے، اس کی ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے اور دنیا کی ضروریات کے حصول اور اس سے استفادہ کرنے پر راضی رہتے ہوئے صبر کے ساتھ تقدیر کا مقابلہ کرتے ہوئے آخرت کی تیاری کی کوشش کریں۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر 6416 میں مسلمانوں کو اس دنیا میں مسافروں کی طرح زندگی گزارنے کی تلقین فرمائی ہے۔ چھٹی کی منزل.

حکمت کے الفاظ - 5

علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے ایک بار مندرجہ ذیل نصیحت کی جو امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 447-448 میں درج ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی ہے کہ الفاظ تب ہی اچھے ہوتے ہیں جب وہ عمل کے ساتھ ہوں۔

ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’ اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی ہے کہ اعمال کا کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ اچھی نیت نہ ہو۔

سنن ابن ماجہ نمبر 3989 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ ذرا سی بھی دکھاوا کرنا شرک ہے۔

یہ شرک کی ایک معمولی قسم ہے جس سے کسی کا ایمان ضائع نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے یہ ثواب کے نقصان کا باعث بنتا ہے جیسا کہ اس مسلمان نے لوگوں کی خوشنودی کے لیے عمل کیا جب کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے عمل کرنا چاہیے تھا۔ درحقیقت قیامت کے دن ان لوگوں سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے اعمال کا بدلہ ان سے مانگیں جو کہ ممکن نہیں ہوگا۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 3154 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

اگر شیطان کسی کو اعمال صالحہ سے نہیں روک سکتا تو وہ ان کی نیت کو خراب کرنے کی کوشش کرے گا جس سے ان کا اجر ضائع ہو جائے گا۔ اگر وہ ان کی نیت کو ظاہری طور پر خراب نہیں کر سکتا تو وہ باریک طریقے سے اسے خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس میں یہ بھی شامل ہے جب لوگ اپنے نیک اعمال کو دوسروں کے سامنے دکھاتے ہیں۔ بعض اوقات یہ اتنا لطیف ہوتا ہے کہ انسان خود بھی اس سے پوری طرح واقف نہیں ہوتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ جیسا کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا سب پر فرض ہے، سنن ابن ماجہ نمبر 224 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جہالت کا دعویٰ کرنا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن قبول نہیں کرے گا۔

باریک بینی کا مظاہرہ اکثر سوشل میڈیا اور کسی کی تقریر کے ذریعے ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان دوسروں کو مطلع کر سکتا ہے کہ وہ روزہ رکھ رہا ہے حالانکہ کسی نے ان سے براہ راست نہیں پوچھا کہ کیا وہ روزہ رکھتے ہیں۔ ایک اور مثال یہ ہے کہ جب کوئی عام طور پر دوسروں کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور دوسروں کو دکھاتا ہے کہ انہوں نے قرآن پاک حفظ کر لیا ہے۔ یہاں تک کہ عوامی طور پر خود پر تنقید کرنا بھی دوسروں کے سامنے اپنی عاجزی کا مظاہرہ سمجھا جا سکتا ہے۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، نفاست سے دکھاوا ایک مسلمان کے اجر کو ختم کر دیتا ہے اور اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کے لیے اس سے بچنا چاہیے۔ یہ صرف اسلامی علم کو سیکھنے اور اس پر عمل کرنے سے ہی ممکن ہے، جیسے کہ اپنی بات کی حفاظت کیسے کی جائے۔

علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی ہے کہ اعمال کا کوئی فائدہ نہیں جب تک کہ اس کے ساتھ اچھی نیت نہ ہو۔ اور کوئی بھی نیت اس وقت تک نیک نہیں ہوتی جب تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق نہ ہو۔

مسلمانوں کو غیر مسلموں کے رسم و رواج کی پیروی نہیں کرنی چاہیے۔ مسلمان جتنا زیادہ ایسا کریں گے وہ قرآن پاک کی تعلیمات اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔ یہ اس دور اور دور میں بالکل واضح ہے کیونکہ بہت سے مسلمانوں نے دوسری قوموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے جس کی وجہ سے وہ اسلام کی تعلیمات سے دور ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر، کسی کو صرف جدید مسلم شادی کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے تاکہ یہ دیکھا جا سکے کہ مسلمانوں نے کتنے غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنایا ہے۔ جو چیز اس سے بدتر بناتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے مسلمان قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات اور غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں پر مبنی اسلامی طریقوں میں فرق نہیں کر سکتے۔ اس کی وجہ سے غیر مسلم بھی ان میں تفریق نہیں کر سکتے جس کی وجہ سے اسلام کے لیے بہت زیادہ مسائل پیدا ہوئے ہیں۔ مثال کے طور پر غیرت کے نام پر قتل ایک ثقافتی عمل ہے جس کا ابھی تک اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے کیونکہ مسلمانوں کی جہالت اور غیر مسلم ثقافتی طریقوں کو اپنانے کی ان کی عادت کی وجہ سے جب بھی معاشرے میں غیرت کے نام پر قتل ہوتا ہے تو اسلام کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو متحد کرنے کے لیے ذات پات اور بھائی چارے کی شکل میں سماجی رکاوٹوں کو دور کیا لیکن جاہل مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ثقافتی طریقوں کو اپنا کر انہیں زندہ کیا ہے۔ سیدھے الفاظ میں، مسلمان جتنے زیادہ ثقافتی طریقوں کو اپنائیں گے، وہ قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر اتنا ہی کم عمل کریں گے۔

منصفانہ کاروبار کو یقینی بنانا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ذاتی طور پر اور باقاعدگی سے بازاروں کا معائنہ کرتے تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ لوگ صحیح اور منصفانہ طریقے سے کاروبار کر رہے ہیں۔ وہ قرآن پاک کی آیات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کا حوالہ دیتے ہوئے مختلف علاقوں کے درمیان گھومتا اور لوگوں کو یاد دلاتا کہ انہیں کاروبار کیسے کرنا چاہیے۔ وہ ذاتی طور پر خراب کاروباری لین دین کو درست کرے گا۔ وہ اکثر تاجروں کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کرتے اور قسمیں کھانے سے گریز کرتے)اپنے مال کے معیار پر (قسم کھانے سے چیز بیچنے میں تو مدد مل سکتی ہے لیکن اس سے نعمتیں مٹ جاتی ہیں۔ اور وہ ان کو تنبیہ کرے گا کہ تاجر برے ہیں سوائے اس کے جو اپنے واجبات کو منصفانہ طور پر لے اور اپنے واجبات ادا کرے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 455-456 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ اکثر اپنے گورنروں کو سوداگروں پر کڑی نظر رکھنے کا مشورہ دیتے۔ انہوں نے انہیں یاد دلایا کہ تمام لین دین رواداری اور آسانی سے ہونے چاہئیں، انصاف کی بنیاد پر اور قیمتوں کی بنیاد پر جو کسی بھی حصے کے لیے غیر منصفانہ نہ ہوں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 615-616 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

سنن ابن ماجہ نمبر 2146 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ تاجروں کو قیامت کے دن فاسقوں کے طور پر اٹھایا جائے گا سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں، نیک عمل کرتے ہیں اور بولتے ہیں۔ سچائی

اس حدیث کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو تجارتی لین دین میں حصہ لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا، اس کے احکام پر عمل کرتے ہوئے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اس میں اسلام کی تعلیمات کے مطابق دوسروں کے ساتھ حسن سلوک

کرنا بھی شامل ہے۔ کاروباری لین دین کے سلسلے میں ایک مسلمان کو اپنی بات میں ایماندار ہونا چاہیے اور اس لین دین کی تمام تفصیلات جو اس میں شامل ہیں ان کو بتا دیں۔ صحیح بخاری نمبر 2079 میں موجود ایک حدیث میں تنبیہ کی گئی ہے کہ جب مسلمان مالی لین دین میں چیزوں کو چھپاتے ہیں، جیسے کہ ان کے سامان میں خرابیاں، تو یہ نعمتوں میں نقصان کا باعث بنتی ہے۔

راستبازی سے کام کرنے میں یہ شامل ہے کہ دوسروں کو سامان کی ضرورت سے زیادہ قیمت ادا کرنے پر مجبور کرنے کی کوشش نہ کریں۔ ایک مسلمان کو صرف دوسروں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہئے جیسا کہ وہ ایمانداری اور مکمل انکشاف کے ساتھ معنی خیز سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ اسی طرح ایک مسلمان یہ پسند نہیں کرے گا کہ مالی معاملات میں اس کے ساتھ بدسلوکی کی جائے وہ دوسروں کے ساتھ بدسلوکی نہ کرے۔

کاروبار کرنے والوں کو ہمیشہ جھوٹ بولنے سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ بے حیائی کی طرف لے جاتا ہے اور فانی جہنم میں لے جاتا ہے۔ درحقیقت ایک شخص جھوٹ بولتا اور اس پر عمل کرتا رہے گا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا درج نہ ہو جائے۔ اس کی تنبیہ جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں کی گئی ہے۔

سود کے خلاف وارننگ

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے تنبیہ کی کہ صرف اسلامی علم رکھنے والے ہی اپنے بازاروں میں فروخت کریں ورنہ وہ سود کھاتے ہیں خواہ ان کا ارادہ ہو یا نہ ہو۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 458-459 میں بحث ہوئی ہے۔

مالیاتی سود اس رقم کی نشاندہی کرتا ہے جو قرض دہندہ قرض لینے والے سے سود کی ایک مقررہ شرح پر وصول کرتا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے وقت سودی لین دین کی کئی صورتیں رائج تھیں۔ ان میں سے ایک یہ تھا کہ فروش نے ایک مضمون فروخت کیا اور قیمت کی ادائیگی کے لیے ایک وقت کی حد مقرر کی، یہ شرط رکھی کہ اگر خریدار مقررہ مدت کے اندر ادائیگی کرنے میں ناکام رہا تو وہ وقت کی حد کو بڑھا دے گا لیکن مضمون کی قیمت میں اضافہ کر دے گا۔ دوسرا یہ تھا کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو ایک رقم ادھار دی اور یہ شرط رکھی کہ قرض لینے والے کو ایک مقررہ مدت کے اندر قرض کی رقم سے زائد رقم واپس کرنی چاہیے۔ سود کے لین دین کی ایک تیسری شکل یہ تھی کہ قرض لینے والے اور وینڈر نے اس بات پر اتفاق کیا کہ سابقہ قرض ایک مقررہ حد کے اندر ایک مقررہ شرح سود پر ادا کرے گا، اور یہ کہ اگر وہ اس حد کے اندر ایسا کرنے میں ناکام رہے تو قرض دہندہ وقت کی حد بڑھا دے گا لیکن ایک ہی وقت میں سود کی شرح میں اضافہ کرے گا .یہ ایسے لین دین ہیں جن پر یہاں مذکور احکام لاگو ہوتے ہیں۔

جو لوگ اس پر یقین رکھتے ہیں وہ حلال سرمایہ کاری اور مالی مفاد سے حاصل ہونے والے منافع میں فرق کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ اس الجھن کے نتیجے میں بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اگر کسی کاروبار میں لگائی گئی رقم سے منافع حلال ہے تو قرض سے حاصل ہونے والے منافع کو کیوں حرام قرار دیا جائے؟ وہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی دولت کی سرمایہ کاری کرنے کے بجائے اسے کسی ایسے شخص کو قرض دیتا ہے جو بدلے میں اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ایسے حالات میں قرض خواہ قرض خواہ کو منافع کا حصہ کیوں ادا نہ کرے؟ وہ یہ تسلیم کرنے میں ناکام رہتے ہیں کہ کوئی بھی کاروباری منصوبہ خطرے سے محفوظ نہیں ہے۔ کوئی بھی منصوبہ منافع کی مطلق ضمانت نہیں رکھتا۔ لہٰذا یہ مناسب نہیں ہے کہ اکیلے فنانسر کو ہر حال میں ایک مقررہ شرح پر منافع

کا حقدار سمجھا جائے اور اسے نقصان کے کسی بھی امکان سے محفوظ رکھا جائے۔ یہ انصاف کا حصہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنے وسائل وقف کرتے ہیں انہیں کسی بھی مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت نہیں دی جاتی جبکہ جو لوگ اپنی دولت کو قرض دیتے ہیں وہ نقصان کے تمام خطرات سے مکمل طور پر محفوظ ہوتے ہیں اور ایک مقررہ شرح پر منافع کی ضمانت دی جاتی ہے۔

ایک عام حلال لین دین میں خریدار اس چیز سے فائدہ اٹھاتا ہے جسے وہ بیچنے والے سے خریدتا ہے۔ بیچنے والے کو شے بنانے میں لگائی گئی محنت اور وقت کا معاوضہ ملتا ہے۔ دوسری طرف سود سے متعلق لین دین میں، فوائد کا تبادلہ منصفانہ طور پر نہیں ہوتا ہے۔ سود وصول کرنے والے فریق کو اپنے دیئے گئے قرض کی ادائیگی کے طور پر ایک مقررہ رقم ملتی ہے اور اس طرح ان کا فائدہ محفوظ ہوجاتا ہے۔ دوسرا فریق قرضے میں دیے گئے فنڈز کا استعمال کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیشہ منافع نہیں دے سکتا۔ اگر ایسا شخص ادھار کی رقم کسی ضرورت پر خرچ کرے تو کوئی نفع نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ اگر فنڈز کی سرمایہ کاری کی جاتی ہے تب بھی کسی کو نفع یا نقصان دونوں کا موقع ملتا ہے۔ اس لیے سود سے متعلق لین دین ایک طرف نقصان اور دوسری طرف منافع یا ایک طرف یقینی اور مقررہ منافع اور دوسری طرف غیر یقینی منافع کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے حلال تجارت مالی سود کے برابر نہیں ہے۔

اس کے علاوہ، سود کا بوجھ قرض لینے والوں کے لیے قرض کی واپسی کو انتہائی مشکل بنا دیتا ہے۔ اصل قرض اور سود کی ادائیگی کے لیے انہیں کسی اور ذریعے سے قرض بھی لینا پڑ سکتا ہے۔ سود کے کام کرنے کے طریقے کی وجہ سے ان پر واجب الادا رقم اکثر قرض کی ادائیگی کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔ یہ مالی دباؤ لوگوں کو اپنے اور اپنے خاندان کے لیے ضروریات زندگی حاصل کرنے سے روک سکتا ہے۔ یہ تناؤ بہت سے جسمانی اور ذہنی مسائل کا باعث بن سکتا ہے۔

بالآخر، اس قسم کے نظام میں صرف امیر امیر تر ہوتے ہیں جبکہ غریب غریب تر ہوتے جاتے ہیں۔

اگرچہ مالی مفادات سے نمٹنا ظاہری طور پر ایسا لگتا ہے کہ کسی شخص کو دولت حاصل ہوتی ہے لیکن حقیقت میں اس سے ان کا مجموعی نقصان ہی ہوتا ہے۔ یہ نقصان کئی شکلیں لے سکتا ہے۔ مثال کے طور پر، یہ انہیں اچھے اور حلال کاروباری معاملات کو کھونے کا باعث بن سکتا ہے جو وہ حاصل کر سکتے تھے اگر وہ مالی مفاد سے نمٹتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو ان کے مال کو ایسے طریقوں سے استعمال کرنے پر مجبور کر سکتا ہے جو ان کو پسند نہ ہوں۔ مثال کے طور پر، ان کو جسمانی بیماریوں کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنی قیمتی غیر قانونی دولت کو اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ اس کو ان طریقوں سے استعمال کرنے میں ناکام رہتے ہیں جو انہیں خوش کرتے ہیں۔ مجموعی نقصان کا ایک روحانی پہلو بھی ہے۔ وہ جتنا زیادہ مالی سود کا سودا کرتے ہیں ان کا لالچ اتنا ہی زیادہ معنی خیز ہوتا جاتا ہے، ان کی دنیاوی چیزوں کی حرص کبھی پوری نہیں ہوتی جو تعریف کے اعتبار سے انہیں غریب بنا دیتی ہے خواہ ان کے پاس بہت زیادہ دولت ہو۔ یہ لوگ دن بھر ایک دنیاوی مسئلے سے دوسرے مسئلے میں جائیں گے اور قناعت حاصل کرنے میں ناکام رہیں گے کیونکہ وہ اس فضل سے محروم رہیں گے جو حلال کاروبار اور دولت کے ساتھ ہے۔ یہ انہیں مالی مفاد اور دیگر ذرائع سے مزید غیر قانونی دولت حاصل کرنے کی طرف دھکیل سکتا ہے۔ آخرت کا نقصان زیادہ واضح ہے۔ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ چھوڑے جائیں گے کیونکہ کوئی نیک عمل جو حرام سے جڑا ہوا ہو مثلاً حرام مال سے صدقہ کرنا اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا۔ یہ طے کرنے کے لیے کسی عالم کی ضرورت نہیں ہے کہ اس شخص کا قیامت کے دن کہاں تک پہنچنے کا امکان ہے۔

حلال کاروباری لین دین اور سود سے متعلق لین دین میں بہت فرق ہے۔ سابقہ معاشرہ میں فائدہ مند کردار ادا کرتا ہے جبکہ بعد والا اس کے زوال کا باعث بنتا ہے۔ اپنی فطرت کے مطابق مفاد لالچ، خود غرضی، بے حسی اور دوسروں کے ساتھ ظلم کو جنم دیتا ہے۔ یہ دولت کی عبادت کی طرف لے جاتا ہے اور دوسروں کے ساتھ ہمدردی اور اتحاد کو ختم کرتا ہے۔ اس طرح یہ معاشرے کو معاشی اور اخلاقی دونوں لحاظ سے تباہ کر سکتا ہے۔

دوسری طرف صدقہ، سخاوت اور ہمدردی کا نتیجہ ہے۔ باہمی تعاون اور خیرسگالی سے معاشرہ مثبت طور پر ترقی کرے گا جس سے سب کو فائدہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی ایسا معاشرہ ہو جس کے افراد ایک دوسرے کے ساتھ معاملات میں خود غرض ہوں، جس میں امیروں کے مفادات عام لوگوں کے مفادات کے بالواسطہ مخالف ہوں تو وہ معاشرہ مستحکم بنیادوں پر قائم نہیں رہتا۔ ایسے معاشرے میں محبت اور ہمدردی کی بجائے باہمی رنجش اور تلخی بڑھنے لگتی ہے۔

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جب لوگ اپنی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پوری کریں گے اور پھر اپنی زائد دولت سے خیراتی طریقوں سے خرچ کریں گے یا باہمی طور پر حلال کاروبار میں حصہ لیں گے تو ایسے معاشرے میں تجارت، صنعت اور زراعت میں بہتری آئے گی۔ معاشرے کے اندر زندگی کا معیار بلند ہو گا اور اس میں پیداوار ان معاشروں کی نسبت بہت زیادہ ہو گی جہاں معاشی سرگرمیاں مالی مفاد کی وجہ سے محدود ہیں۔

جج کی خصوصیات

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ قابل اعتماد، قابل اور قابل اعتماد لوگوں کو قاضی مقرر کرتے اور اپنے گورنروں کو بھی ایسا کرنے کی تاکید کرتے۔ مثال کے طور پر، اس نے ایک بار مصر میں اپنے گورنر کو مشورہ دیا کہ وہ جج کے طور پر لوگوں میں سے بہترین شخص کو منتخب کرے، کسی ایسے شخص کو جو تناؤ کے حالات میں پرسکون ہو، جو مخالفین سے ناراض نہ ہو، جس سے غلطی ہو جائے تو وہ پریشان نہ ہو، جو سچائی کو پہچانتے وقت اس کی طرف رجوع کرنے سے نہیں شرماتے، جن کے پاس لالچ اور دنیاوی عزائم نہیں ہوتے، جو باقی سب کو سننے سے پہلے ایک وضاحت پر راضی نہیں ہوتے، جو اپنا وقت نکالتے ہیں اور مشکل معاملات پر فیصلہ دینے میں جلدی نہیں کرتے۔ جو واضح شواہد پر سب سے زیادہ انحصار کرتا ہے، جو لوگ اس کا حوالہ دینے اور اس کے پاس فیصلے کے لیے آنے سے ناراض نہیں ہوتے، جو کیس کا مطالعہ کرنے اور جانچنے میں صبر سے کام لیتے ہیں جب تک کہ یہ واضح نہ ہو جائے، جو فیصلہ واضح ہونے کے بعد سب سے زیادہ فیصلہ کن ہے۔ اس کا دماغ، جس کی تعریف کی جائے تو وہ مغرور نہیں ہوتا اور دنیاوی چیزوں کے لالچ میں نہیں آتا۔ اس نے گورنر سے کہا کہ ایسے شخص کے لیے فیاضی کا مظاہرہ کریں تاکہ انہیں لوگوں کی ضرورت نہ پڑے اور نہ ہی ان کے بہکاوے میں آئیں۔ اور گورنر کو اس کا احترام کرنا چاہیے تاکہ گورنر کے قریبی لوگوں کو یقین نہ ہو کہ وہ کسی بھی طرح جج پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 471-472 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک اور موقع پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نصیحت کی کہ قاضی میں درج ذیل خصوصیات ہونی چاہئیں :مادی فائدے میں عدم دلچسپی، بردباری، اپنے سامنے آنے والے احکام کا علم، اہل علم سے مشورہ کرنے کی آمادگی اور اللہ تعالیٰ کے لیے لوگوں کی ملامت سے نہ ڈرنا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 485 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے ایک بار ایک ایسے شخص کے حق میں فیصلہ سنایا جس نے اس سے نفرت کرنے والے کے خلاف اس سے محبت کی تھی۔ جب ان سے اس بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے

جواب دیا کہ میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے لیے فیصلے کیے ہیں نہ کہ کسی اور چیز کے مطابق۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 487 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 4721 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انصاف کے ساتھ کام کرنے والے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک نور کے تختوں پر بیٹھے ہوں گے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جو اپنے خاندانوں اور ان کی دیکھ بھال اور اختیار کے تحت اپنے فیصلوں میں صرف ہیں۔

مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر موقع پر انصاف سے کام لیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ انصاف کا مظاہرہ کرنا چاہیے، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر کے۔ انہیں ان تمام نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا چاہیے جو انہیں دی گئی ہیں اسلام کی تعلیمات کے مطابق۔ اس میں کھانے اور آرام کے حقوق کو پورا کرنے کے ساتھ ساتھ ہر عضو کو اس کے حقیقی مقصد کے مطابق استعمال کرتے ہوئے اپنے جسم اور دماغ کے لیے صرف ہونا شامل ہے۔ اسلام مسلمانوں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ اپنے جسم اور دماغ کو اپنی حدود سے باہر دھکیلیں جس سے وہ خود کو نقصان پہنچائے۔

کسی کو لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہئے جس طرح وہ دوسروں کے ساتھ سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ انہیں دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے لوگوں پر ظلم کر کے اسلام کی تعلیمات پر کبھی سمجھوتہ نہیں کرنا چاہیے۔ یہ لوگوں کے جہنم میں داخل ہونے کا ایک بڑا سبب ہو گا جس کی طرف صحیح مسلم نمبر 6579 کی حدیث میں آیا ہے۔

انہیں صرف اس صورت میں بھی رہنا چاہئے جب یہ ان کی خواہشات اور ان کے پیاروں کی خواہشات سے متصادم ہو۔ باب 4 النساء، آیت 135:

اے ایمان والو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور ” رشتہ داروں کے خلاف ہو۔ کوئی امیر ہو یا غریب، اللہ دونوں کا زیادہ حقدار ہے۔ [1] پس]ذاتی [جھکاؤ کی پیروی نہ کرو، ایسا نہ ہو کہ تم انصاف پسند نہ بنو۔

اسلام کی تعلیمات کے مطابق ان کے حقوق اور ضروریات کو پورا کرتے ہوئے اپنے محتاجوں کے ساتھ انصاف کرنا چاہیے جس کی نصیحت سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود ایک حدیث میں کی گئی ہے۔ انہیں نظر انداز نہ کیا جائے اور نہ ہی انہیں کسی دوسرے کے حوالے کیا جائے جیسے کہ اسکول اور مسجد۔ اساتذہ کسی شخص کو یہ ذمہ داری نہیں اٹھانی چاہئے اگر وہ ان کے بارے میں انصاف کے ساتھ کام کرنے میں بہت سست ہو۔

آخر میں، کوئی بھی شخص انصاف کے ساتھ کام کرنے سے آزاد نہیں ہے جیسا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ اور اپنے آپ کے ساتھ انصاف کے ساتھ کام کرنا ہے۔

ظلم سے بچنا

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ ہمیشہ اپنے ملازمین کو تنبیہ کرتے تھے کہ وہ دوسروں پر ظلم کرنے سے گریز کریں۔ اس نے ایک بار اپنے ایک گورنر کو خط لکھا اور انہیں حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اور عام لوگوں کو اپنے، اپنے خاندان اور اپنے قریبی لوگوں پر فوقیت دیں۔ اگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہا تو وہ ظالم ہو جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی طرف سے اس کا مخالف ہو گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ اللہ تعالیٰ مظلوموں کی دعائیں قبول کرتا ہے اور وہ ظالموں کو چوکیدار کی طرح دیکھ رہا ہے۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 472 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 6579 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ کی ہے کہ دیوالیہ مسلمان وہ ہے جو بہت سے اعمال صالحہ جمع کرتا ہے جیسے کہ روزہ اور نماز، لیکن وہ لوگوں کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ اعمال ان کے مظلوموں کو دیئے جائیں گے اور اگر ضروری ہوا تو ان کے شکار کے گناہ انہیں قیامت کے دن دیئے جائیں گے۔ یہ انہیں جہنم میں پھینکنے کا باعث بنے گا۔

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو کامیابی حاصل کرنے کے لیے ایمان کے دو پہلوؤں کو پورا کرنا ضروری ہے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے نزدیک فرائض ہیں جیسے فرض نماز۔ دوسرا پہلو لوگوں کے حوالے سے ہے جس میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا بھی شامل ہے۔ درحقیقت حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنن نسائی نمبر 4998 میں موجود ایک حدیث میں اعلان فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک سچا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ جسمانی اور زبانی نقصان کو زندگی سے دور نہ رکھے۔ دوسروں کے مال

یہ سمجھنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ لامحدود معاف کرنے والا ہے، وہ ان لوگوں کو معاف کر دے گا جو اس سے سچے دل سے توبہ کرتے ہیں۔ لیکن وہ ان گناہوں کو معاف نہیں کرے گا جن میں دوسرے لوگ شامل ہوتے ہیں جب تک کہ شکار پہلے معاف نہ کر دے۔ چونکہ لوگ اتنے معاف

کرنے والے نہیں ہیں ایک مسلمان کو اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ جن پر انہوں نے ظلم کیا ہے وہ قیامت کے دن ان کی قیمتی نیکیاں چھین کر ان سے بدلہ لیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی مسلمان اللہ تعالیٰ کے حقوق کو پورا کرتا ہے، تب بھی وہ جہنم میں صرف اس لیے جا سکتا ہے کہ اس نے دوسروں پر ظلم کیا ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دونوں جہانوں میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے اپنے فرائض کے دونوں پہلوؤں کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

علم کے درجات

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں علم کے صحیح درجات کے مطابق امور ملت کے انتظام میں انتھک محنت کی۔ مطلب، قرآن کریم کے مطابق، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات ،سابق خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے فیصلوں ، اہل علم کا باہمی اتفاق اور شاذ و نادر صورتوں میں آزاد استدلال۔ اس پر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 1، صفحہ 473-474 میں بحث کی گئی ہے۔

اس عمل کی وضاحت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ایک واقعہ میں ہوئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ ہجرت کے دسویں سال آپ نے معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کے ایک صوبے پر حکومت کرنے کے لیے روانہ کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ اگر آپ پر مقدمہ پیش کیا جائے تو آپ کیا کریں گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں قرآن کریم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر قرآن پاک میں مقدمہ اور اس کا فیصلہ نہ ملے تو کیا ہو گا۔ اس کے بعد انہوں نے جواب دیا کہ میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ اگر یہ مقدمہ اور اس کا فیصلہ اپنی روایات میں نہ ملے تو کیا ہو گا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے آخر میں جواب دیا کہ وہ آزاد استدلال کے معنی استعمال کریں گے، ایسا فیصلہ جو قرآن کریم اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات کے مطابق ہو۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی کہ اس نے انہیں ایک ایسا نمائندہ دیا جس سے وہ خوش ہوں۔ اس پر امام ابن کثیر کی سیرت نبوی، جلد 4، صفحہ 140-141 میں بحث کی گئی ہے۔

جب بھی کوئی عالم اسلام کے مختلف علوم پر عبور حاصل کرتا ہے تو وہ آزاد استدلال کہلانے والی سطح تک پہنچ سکتا ہے۔ اس سے وہ اسلام کے اندر حکم حاصل کرنے کے لیے اپنے پیشہ ورانہ غیرجانبدارانہ فیصلے کے ساتھ قرآن پاک کی تعلیمات، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو لاگو کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث کے مطابق جب یہ عالم غلط حکم دے گا تو ان کو ان کی کوشش کا ایک ہی مرتبہ اجر ملے گا۔ اگر وہ صحیح فیصلہ کرتے ہیں تو انہیں دوگنا اجر ملے گا۔

مذہبی آزادی

یہ بات اہم ہے کہ اگرچہ اسلامی سلطنت کے کچھ حصے لڑائیوں کے ذریعے بڑھے لیکن تاریخ میں دوسری تمام سلطنتوں کے برعکس اس کا مقصد کبھی بھی زمین یا طاقت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اس کا مقصد غیر ممالک کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سننے کا موقع فراہم کرنا تھا، جسے بیرونی طاقتیں روک رہی تھیں، تاکہ وہ اپنی مرضی سے اسلام کو قبول کریں یا رد کر دیں۔ چونکہ اسلام ایک ایسا عقیدہ ہے جسے دل سے قبول کرنا ضروری ہے، اس لیے تلوار کے ذریعے لوگوں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا ممکن نہیں۔ باب 2 البقرہ آیت 256:

"...دین میں کوئی جبر نہیں ہوگا۔ صحیح راستہ غلط سے الگ ہو گیا ہے"

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے سے پہلے اپنے پیشروؤں کی طرح اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کی حکومت کے تحت تمام لوگوں کو اسلام قبول کرنے یا رد کرنے کا انتخاب کرنے کی آزادی ہو۔

تمام صحیح رہنمائی کرنے والے خلفائے راشدین نے اپنے قائدین اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ مفتوحہ سرزمین کے شہریوں کے حقوق کا احترام کریں اور ان کو پورا کریں جنہوں نے اسلام سے انکار کا انتخاب کیا۔ انہوں نے اسلام قبول کرنے والوں کو وہی حقوق دیے جو تمام مسلمانوں پر واجب الادا ہیں، اگرچہ انہوں نے حال ہی میں مسلمانوں کے خلاف جنگ کی ہو۔ اسلام کی تعلیمات کو عملی جامہ پہنا کر انصاف پسند اور پرامن معاشرے تشکیل پائے اور اس کے ذریعے بہت سے لوگوں نے اسلام کے وسیع فوائد اور سچائیوں کو دیکھ کر قبول کیا۔ لوگوں نے اسلام قبول کیا یا نہیں، مسلمانوں نے انصاف کے ساتھ کام کرتے ہوئے شہریوں کی وفاداری حاصل کی۔

تاریخ سے یہ بات واضح ہے کہ کسی دوسرے مذہب نے جس نے کسی سرزمین پر غلبہ حاصل کیا ہو اس نے اپنے اختیار کے تحت دوسرے مذاہب کو کھلے عام اور ظلم و ستم کے خوف کے بغیر اپنے عقیدے پر عمل کرنے کی اتنی آزادی نہیں دی۔

علی رضی اللہ عنہ نے غریبوں اور معذوروں کو ٹیکس)جزیہ (ادا کرنے کی ضرورت کو دور کرنا جاری رکھا، جسے اسلامی سرزمین میں رہنے والے غیر مسلم حکومت کو ادا کریں گے۔ یہ ٹیکس اس وقت بھی نہیں لیا گیا جب ریاست اسلامی علاقوں میں رہنے والے غیر مسلموں کو بنیادی عوامی خدمات کی حفاظت اور فراہم کرنے میں ناکام رہی۔ درحقیقت شام کی مہم کے دوران، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دوران جب مسلم فوجیں رومی سلطنت کی سرحد کی طرف پسپائی پر مجبور ہوئیں، جو بالآخر جنگ یرموک کا باعث بنی، ٹیکس۔ شام کے اندر ان علاقوں میں غیر مسلموں سے چھین لیا گیا جن پر مسلمانوں نے ابتدا میں کنٹرول کیا تھا، لوگوں کو واپس کر دیا گیا۔ جب ان کا مال واپس لیا گیا تو لوگوں نے تبصرہ کیا کہ انہیں امید ہے کہ مسلمان رومیوں پر فتح حاصل کر کے ان کی طرف لوٹ جائیں گے کیونکہ مسلمانوں نے ان کے ساتھ رومیوں سے بہتر سلوک کیا تھا۔ رومی ان سے سب کچھ چھین لیتے تھے اور ان کے پاس کچھ بھی نہیں چھوڑتے تھے، جب کہ مسلمان جنگ کے زمانے میں بھی اپنی دولت انہیں واپس کر رہے تھے۔ جب غیر مسلم اپنی سرزمین کو بیرونی دشمنوں سے بچانے میں حصہ لیتے تھے تو ٹیکس بھی نہیں لیا جاتا تھا۔ اس پر امام محمد السلّابی، عمر بن الخطاب، ان کی زندگی اور زمانہ، جلد 1، صفحہ 204-205 اور 444-446 میں بحث کی گئی ہے۔

آخرت کی آرزو کرنے والا

علی ابن ابی طالب اور معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ کے درمیان صلح ہو جانے کے بعد علی رضی اللہ عنہ کے لیے اندرونی کشمکش اور تفرقہ مزید بڑھ گیا۔ پھر وہ اس دنیا سے رخصت ہونے کی خواہش کرنے لگا کیونکہ لوگ اس کی بات ماننے میں ناکام ہو رہے تھے۔ وہ سمجھتا تھا کہ لوگوں کی صحیح رہنمائی اسی وقت ہو سکتی ہے جب وہ صحیح رہنمائی چاہیں۔ اگر وہ اس کی خواہش نہیں کریں گے تو کوئی شخص ان کو راہ راست پر نہیں لا سکے گا۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 609-611 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ وہ اس دنیا کو چھوڑنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں دھکیلنا نہیں چاہتا تھا۔ اس نے اسلام پر سمجھوتہ کرنے پر موت کو ترجیح دی۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ مادی دنیا سے کچھ حاصل کرنے کے لیے اپنے ایمان پر کبھی سمجھوتہ نہ کریں۔ باب 4 النساء، آیت 135:

’’اے لوگو جو ایمان لائے ہو، انصاف پر ثابت قدم رہو، اللہ کے لیے گواہ بنو، خواہ وہ تمہارے اپنے یا والدین اور رشتہ داروں کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔‘‘

چونکہ مادی دنیا عارضی ہے اس سے جو کچھ حاصل ہوتا ہے وہ آخرکار ختم ہو جاتا ہے اور آخرت میں ان کے اعمال اور رویوں کا جوابدہ ہو گا۔ دوسری طرف، ایمان وہ قیمتی زیور ہے جو ایک مسلمان کی دنیا اور آخرت میں تمام مشکلات سے باحفاظت رہنمائی کرتا ہے۔ اس لیے کسی عارضی چیز کی خاطر جو چیز زیادہ فائدہ مند اور پائیدار ہو اس سے سمجھوتہ کرنا صریح حماقت ہے۔

بہت سے لوگ خاص طور پر خواتین، اپنی زندگی میں ایسے لمحات کا سامنا کریں گے جہاں انہیں اپنے عقیدے پر سمجھوتہ کرنے کا انتخاب کرنا پڑے گا۔ مثال کے طور پر، بعض صورتوں میں اور کسی خاص طریقے اسکارف اتار دیا ایک مسلمان عورت یہ مان سکتی ہے کہ اگر اس نے اپنا سے لباس پہن لیا تو وہ کام پر زیادہ عزت دار ہو گی اور کارپوریٹ کی سیڑھی بھی زیادہ تیزی سے چڑھ سکتی ہے۔ اسی طرح کارپوریٹ دنیا میں کام کے اوقات کے بعد ساتھیوں کے ساتھ گھل مل جانا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ لہذا ایک مسلمان اپنے آپ کو کام کے بعد کسی پب یا کلب میں مدعو کر سکتا ہے۔

ایسے وقت میں یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ حتمی فتح اور کامیابی صرف انہی کو ملے گی جو اسلام کی تعلیمات پر ثابت قدم رہیں۔ اس طرح عمل کرنے والوں کو دنیوی اور دینی کامیابیاں نصیب ہوں گی۔ لیکن زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ان کی دنیاوی کامیابی ان کے لیے بوجھ نہیں بنے گی۔ درحقیقت یہ اللہ تعالیٰ کے لیے بنی نوع انسان کے درمیان ان کے درجات اور ذکر کو بڑھانے کا ذریعہ بنے گا۔ اس کی مثالیں خلفائے راشدین اسلام ہیں۔ انہوں نے اپنے عقیدے پر کوئی سمجھوتہ نہیں کیا بلکہ زندگی بھر ثابت قدم رہے اور اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیاوی اور مذہبی سلطنت عطا فرمائی۔

کامیابی کی دیگر تمام شکلیں بہت وقتی ہیں اور جلد یا بدیر وہ اس کے علمبردار کے لیے مشکل بن جاتی ہیں۔ صرف ان بہت سی ہستیوں کا مشاہدہ کرنے کی ضرورت ہے جنہوں نے شہرت اور خوش قسمتی کے حصول کے لیے اپنے نظریات اور عقیدے پر سمجھوتہ کیا اور صرف یہی چیزیں ان کی اداسی، پریشانی، ڈپریشن، منشیات کے استعمال اور یہاں تک کہ خودکشی کا سبب بنیں۔

ایک لمحے کے لیے ان دونوں راستوں پر غور کریں اور پھر فیصلہ کریں کہ کس کو ترجیح دی جائے اور کس کا انتخاب کیا جائے۔

خلیفہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی شہادت

ختم شد

علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو معلوم تھا کہ وہ شہید ہو جائیں گے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں بتایا تھا۔ کچھ رپورٹوں سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ جانتا تھا کہ قاتل کون ہے، یعنی باغی، عبدالرحمٰن ابن ملجم۔ جب اسے قتل کرنے کے لیے کہا گیا تو علی رضی اللہ عنہ نے انکار کر دیا کیونکہ ابن ملجم نے اس کی ضمانت دینے کے لیے کچھ نہیں کیا تھا۔ ابن ملجم اور اس کے شریر ساتھیوں نے اپنے گمراہ بھائیوں کا بدلہ لینے کے لیے علی رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے کا فیصلہ کیا جو جنگ نہروان میں مارے گئے تھے۔ ابن ملجم اور دو دوسرے لوگوں نے ایک معاہدہ کیا کہ وہ علیحدگی اختیار کریں گے اور علی، معاویہ ابن ابو سفیان اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم کو قتل کر دیں گے۔

ابن ملجم اور کچھ ساتھی علی رضی اللہ عنہ کے گھر کے باہر چھپ گئے۔ جب وہ نماز فجر کی امامت کے لیے نکلا تو ابن ملجم نے اس پر حملہ کر کے اسے شدید زخمی کر دیا۔ ابن ملجم کو پکڑ کر علی رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا۔ ابن ملجم نے اعتراف کیا کہ علی رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا لیکن ڈھٹائی کے ساتھ کہا کہ انہیں امید ہے کہ ان کی تلوار زمین پر بدترین شخص کو مار ڈالے گی۔ علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ مجھے یقین ہے کہ ان کی تلوار اپنے خلاف استعمال کی جائے گی، کیونکہ وہ دنیا کا بدترین شخص تھا۔ علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا کہ قید میں ابن ملجم کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے اور اگر وہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے مر جائے تو اسے قانونی انتقام کے طور پر قتل کر دیا جائے لیکن اسے اذیت نہ دی جائے کیونکہ اسلام میں اس کی ممانعت ہے۔

ابن ملجم کے ساتھ کام کرنے والے دوسرے دو آدمی اسی رات اپنے اہداف کی طرف روانہ ہوئے۔ ان میں سے ایک نے معاویہ رضی اللہ عنہ کو زخمی کر دیا، لیکن وہ بعد میں ٹھیک ہو گیا اور تیسرے نے حملہ کر کے ایک دوسرے شخص کو یہ سمجھ کر مار ڈالا کہ یہ عمرو بن العاص

رضی اللہ عنہ ہیں۔ عمرو رضی اللہ عنہ اس دن بیمار تھے اور انہوں نے کسی اور کو فجر کی جماعت کی امامت کا حکم دیا اور یہ وہ شخص تھا جو غلطی سے مارا گیا۔

علی رضی اللہ عنہ نے کبھی کسی کو جانشین مقرر نہیں کیا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایت کی پیروی کی اور لوگوں سے خواہش کی کہ وہ خود فیصلہ کریں۔ امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 611-618 اور 621-625 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

آخری الفاظ

بستر مرگ پر علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے اپنے اہل و عیال اور دوستوں کو درج ذیل نصیحتیں کیں، جس کا ذکر امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 618-622 میں کیا گیا ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے انہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی۔

تقویٰ/اللہ سے ڈرنا، اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کیے بغیر حاصل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہو سکے، اس کی ممانعتوں سے اجتناب کیا جا سکے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کر سکے۔ السلام علیکم باب فاطر، آیت 28 35:

اللہ سے صرف وہی ڈرتے ہیں جو اس کے بندوں میں سے علم رکھتے ہیں‘‘۔’’

جامع ترمذی نمبر 2451 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ مسلمان اس وقت تک متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ کسی ایسی چیز سے اجتناب نہ کرے جو اس کے دین کے لیے نقصان دہ نہ ہو، اس احتیاط کے ساتھ کہ وہ کسی چیز کی طرف لے جائے۔ جو کہ نقصان دہ ہے .پس تقویٰ کا ایک پہلو یہ ہے کہ ان چیزوں سے بچنا جو مشتبہ ہوں نہ کہ حرام۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مشتبہ چیزیں ایک مسلمان کو حرام سے ایک قدم اور قریب لے جاتی ہیں اور جتنا حرام کے قریب ہوتا ہے اس میں پڑنا اتنا ہی آسان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

جامع ترمذی نمبر 1205 میں ایک حدیث ہے کہ جو حرام اور مشتبہ چیزوں سے بچتا ہے وہ اپنے دین اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ اگر معاشرے میں گمراہ ہونے والوں کا مشاہدہ کیا جائے تو اکثر صورتوں میں یہ اچانک نہیں بلکہ بتدریج ہوا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حرام میں پڑنے سے پہلے وہ شخص پہلے مشکوک چیزوں میں ملوث ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اپنی زندگی میں غیر ضروری اور فضول چیزوں سے بچنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے کیونکہ وہ انہیں حرام کی طرف لے جا سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر، فضول اور فضول گفتگو جس کو اسلام نے گناہ کی درجہ بندی نہیں کی ہے، اکثر بد کلامی کا باعث بنتی ہے، جیسے غیبت، جھوٹ اور غیبت۔ اگر کوئی شخص فضول باتوں میں مبتلا نہ ہو کر پہلے قدم سے بچتا ہے تو وہ بلا شبہ بد کلامی سے بچ جائے گا۔ یہ عمل ان تمام چیزوں پر لاگو کیا جا سکتا ہے جو فضول، غیر ضروری اور خاص طور پر مشکوک ہوں۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں تاکید کی کہ دنیاوی آسائشیں نہ ڈھونڈیں، خواہ وہ انہیں میسر ہو جائے اور انہیں تنبیہ کی کہ دنیاوی نقصان پر نہ رونا۔

صحیح بخاری نمبر 2886 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مال اور عمدہ لباس کے غلاموں پر تنقید کی۔ یہ لوگ جب یہ چیزیں حاصل کرتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور نہ ملنے پر ناراض ہوجاتے ہیں۔

حقیقت میں، یہ تمام غیر ضروری دنیاوی چیزوں پر لاگو ہوتا ہے۔ یہ تنقید ان لوگوں کی طرف نہیں ہے جو مادی دنیا میں اپنی ضروریات اور اپنے محتاجوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک حصہ ہے۔ لیکن یہ ان لوگوں کی طرف ہے جو اپنی خواہشات اور دوسروں کی خواہشات کی تسکین کے لیے مال و دولت اور دیگر دنیاوی چیزوں کے حصول کے لیے حرام کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یہ ان لوگوں کی طرف متوجہ ہے جو غیر ضروری حلال چیزوں کی پیروی اس طرح کرتے ہیں کہ اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی صحیح اطاعت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ اس اطاعت میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور تقدیر کا مقابلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق صبر کے ساتھ کرنا شامل ہے۔ یہ انہیں آخرت اور ان کے آخری فیصلے کے لیے مناسب تیاری کرنے سے روکتا ہے۔

اس کے علاوہ یہ تنقید ان لوگوں کے لیے ہے جو اس وقت بے صبرے ہوتے ہیں جب وہ اس دنیا میں اپنی غیر ضروری خواہشات کو حاصل نہیں کر پاتے۔ یہ رویہ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مجبور کر سکتا ہے۔ یعنی جب وہ اپنی خواہشات کو پاتے ہیں تو اس کی اطاعت کرتے ہیں لیکن جب وہ نہیں کرتے تو غصے سے اس کی اطاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ رویہ اختیار کرنے والے کے لیے دونوں جہانوں میں سخت نقصان سے خبردار کیا ہے۔ باب 22 الحج، آیت 11:

"اور لوگوں میں سے وہ ہے جو اللہ کی عبادت ایک کنارے پر کرتا ہے۔ اگر اسے اچھائی چھو جاتی ہے، تو اسے تسلی ملتی ہے۔ لیکن اگر وہ آزمائش میں پڑ جائے تو وہ منہ موڑ لیتا ہے۔ اس نے دنیا اور آخرت کھو دی ہے۔ یہی صریح نقصان ہے۔''

مسلمانوں کو اس کے بجائے صبر کرنا اور اپنے پاس موجود چیزوں پر قناعت کرنا سیکھنا چاہیے کیونکہ صحیح مسلم نمبر 2420 میں موجود حدیث کے مطابق یہی حقیقی دولت ہے۔ درحقیقت خواہشات سے بھرا ہوا شخص محتاج ہے، خواہ اس کے پاس بہت زیادہ مال ہو۔ ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کو جاننا چاہیے کہ وہ لوگوں کو وہ عطا کرتا ہے جو ان کے لیے بہتر ہے نہ کہ ان کی خواہشات کے مطابق کیونکہ یہ اکثر صورتوں میں ان کی تباہی کا باعث بنتا ہے۔ باب 42 اشثورہ، آیت 27:

''اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لیے رزق میں فراخی کر دیتا تو وہ زمین پر ظلم کرتے۔ لیکن وہ جس مقدار میں چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ بے شک وہ اپنے بندوں سے باخبر اور دیکھنے والا ہے۔''

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی۔

جامع ترمذی نمبر 1971 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچائی کی اہمیت اور جھوٹ سے اجتناب فرمایا۔ پہلا حصہ نصیحت کرتا ہے کہ سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے جو بدلے میں جنت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب کوئی شخص سچائی پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سچا شخص لکھتا ہے۔

یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ سچائی تین سطحوں کے طور پر۔ پہلا وہ ہے جب کوئی شخص اپنی نیت اور اخلاص میں سچا ہو۔ یعنی وہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے کام کرتے ہیں اور شہرت جیسے باطل مقاصد کے لیے دوسروں کو فائدہ نہیں پہنچاتے۔ درحقیقت یہی اسلام کی بنیاد ہے کیونکہ ہر عمل کا فیصلہ نیت پر ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اگلا درجہ وہ ہے جب کوئی اپنے قول سے سچا ہو۔ حقیقت میں اس کا مطلب ہے کہ وہ ہر قسم کے زبانی گناہوں سے بچتے ہیں نہ کہ صرف جھوٹ۔ جیسا کہ دوسرے زبانی گناہوں میں ملوث ہونے والا حقیقی سچا نہیں ہو سکتا۔ اس کے حصول کا ایک بہترین طریقہ جامع ترمذی نمبر 2317 میں موجود حدیث پر عمل کرنا ہے جس میں یہ نصیحت کی گئی ہے کہ انسان اپنے اسلام کو صرف اسی صورت میں بہترین بنا سکتا ہے جب وہ ان چیزوں میں ملوث ہونے سے گریز کرے جن سے اسے کوئی سروکار نہیں۔ زبانی گناہوں کی اکثریت اس لیے ہوتی ہے کہ مسلمان کسی ایسی بات پر بحث کرتا ہے جس سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ آخری مرحلہ اعمال میں سچائی ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت، اس کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق تقدیر پر صبر کرنے سے حاصل ہوتا ہے، بغیر خوشامد اٹھانے یا غلط بیانی کے۔ اسلام کی تعلیمات جو کسی کی خواہشات کے مطابق ہوں۔ انہیں تمام اعمال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مرتب کردہ درجہ بندی اور ترجیحی ترتیب کی پابندی کرنی چاہیے۔

سچائی کے ان درجات کے برعکس یعنی جھوٹ بولنے کے نتائج، زیر بحث مرکزی حدیث کے مطابق یہ ہیں کہ یہ معصیت کی طرف لے جاتا ہے جس کے نتیجے میں جہنم کی آگ لگ جاتی ہے۔ جب کوئی اس رویہ پر قائم رہے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑا جھوٹا لکھا جائے گا۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ یتیموں کے ساتھ ہمدردی کریں اور بے سہارا لوگوں کی مدد کریں۔

اس دن اور دور میں یتیموں کی مدد کرنا بہت آسان ہے کیونکہ کوئی بھی ان کی قربت کے بغیر خیراتی اداروں کے ذریعے ان کی مالی مدد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو معلوم ہونا چاہیے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحیح بخاری نمبر 5304 میں موجود ایک حدیث میں نصیحت فرمائی ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ہوگا۔ آپ پر جنت میں سلامتی ہو صرف یہی حدیث ایک مسلمان کے لیے یتیموں کی مدد کے لیے کوشش کرنے کے لیے کافی ہے کیونکہ اس کی قیمت بہت کم ہے۔ درحقیقت، زیادہ تر لوگ اپنے ماہانہ فون بل پر زیادہ رقم خرچ کرتے ہیں۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ کم از کم ایک یتیم کی کفالت کرے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دے۔

عام طور پر، اس میں دوسروں کی مدد کرنے کی تمام اقسام شامل ہیں نہ کہ صرف مالی امداد۔ دوسروں کی ہر قسم کی حلال حاجت کو اپنی طاقت کے مطابق پورا کیا جائے اور اگر کسی مسلمان کو معلوم ہو کہ وہ یہ امداد نہیں دے سکتا تو اسے چاہیے کہ اس ضرورت مند کو کسی ایسے شخص کے پاس پہنچا دیں جو ان کی مدد کرے۔ یہ یقینی بنائے گا کہ انہیں وہی اجر ملے گا جو ضرورت مند کی مدد کرنے والے کو ملتا ہے۔ اس کی تصدیق جامع ترمذی نمبر 2671 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ خلوص نیت سے دوسروں کی ایسے طریقوں سے مدد کریں جس سے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے ان کو فائدہ پہنچے، لوگوں سے کسی قسم کا بدلہ طلب کیے بغیر، کیونکہ یہ صرف ان کے اجر کو منسوخ کرنے کا باعث بنتا ہے۔ .باب 2 البقرہ، آیت 264:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے صدقات کو نصیحت یا ایذا پہنچا کر باطل نہ کرو۔"

سیدھے الفاظ میں، اگر کوئی مسلمان اپنی ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ کی مدد کا خواہاں ہے تو اسے ضرورت کے وقت دوسروں کی مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4893 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ لیکن جو لوگ دوسروں کی مدد کرنے سے منہ موڑتے ہیں وہ اپنی ضرورت کے وقت پھنسے ہوئے رہ سکتے ہیں۔

اگر مسلمان اللہ تعالیٰ کا سچا شکر ادا کرنا چاہتے ہیں تاکہ ان کو نعمتوں میں اضافہ ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ ان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں جو ان کے پاس پہلے سے موجود ہیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ باب 14 ابراہیم، آیت 7:

"اور یاد کرو جب تمہارے رب نے اعلان کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تم پر ضرور اضافہ کروں گا۔"

اس کا ایک پہلو ضرورت مندوں کی مدد کرنا ہے جو کسی کے پاس ہے جیسا کہ اچھی نصیحت۔

کسی کو ایک اہم نکتہ سمجھنا چاہئے جو انہیں فخر کرنے سے روکے گا۔ یعنی جو مدد وہ ضرورت مندوں کو دیتے ہیں وہ فطری طور پر ان کی نہیں ہوتی۔ یہ تخلیق کیا گیا ہے اور اس لیے اللہ تعالیٰ کا ہے، اور اس لیے انہیں ضرورت مندوں کی مدد کرکے حقیقی مالک کی مرضی کے مطابق استعمال کرنا چاہیے۔ درحقیقت ضرورت مند اپنے مددگار کا احسان کرتے ہیں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا۔ اگر کوئی ضرورت مند نہ ہوتا تو لوگ زیادہ ثواب حاصل کرنے کے اس طریقے سے محروم ہوجاتے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں اللہ کی کتاب پر عمل کرنے کی تلقین کی۔

امام منذری کی بیداری اور اندیشہ نمبر 30 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم قیامت کے دن شفاعت کرے گا۔ جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس پر عمل کرتے ہیں انہیں قیامت کے دن جنت میں لے جایا جائے گا۔ لیکن جو لوگ زمین پر اپنی زندگی کے دوران اس کو نظرانداز کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ یہ انہیں قیامت کے دن جہنم میں دھکیل دے گا۔

قرآن پاک ہدایت کی کتاب ہے۔ یہ محض تلاوت کی کتاب نہیں ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن پاک کے تمام پہلوؤں کو پورا کرنے کی کوشش کریں تاکہ یہ یقینی بنایا جا سکے کہ یہ دونوں جہانوں میں کامیابی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ پہلا پہلو اسے صحیح اور باقاعدگی سے پڑھنا ہے۔ دوسرا پہلو اسے سمجھنا ہے۔ اور آخری پہلو یہ ہے کہ اس کی تعلیمات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کیا جائے۔ ایسا سلوک کرنے والوں کو دنیا کی ہر مشکل سے راہنمائی اور قیامت کے دن اس کی شفاعت کی بشارت دی جاتی ہے۔ لیکن جیسا کہ اس حدیث سے متنبہ کیا گیا ہے کہ قرآن کریم صرف ان لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے جو اس کے پہلوؤں پر صحیح طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کی غلط تشریح کرتے ہیں اور دنیاوی چیزوں مثلاً شہرت حاصل کرنے کے لیے اپنی خواہشات کے مطابق عمل کرتے ہیں، وہ قیامت کے دن اس صحیح ہدایت اور اس کی شفاعت سے محروم رہیں گے۔ درحقیقت دونوں جہانوں میں ان کا مکمل نقصان اس وقت تک بڑھے گا جب تک کہ وہ سچے دل سے توبہ نہ کریں۔ باب 17 الاسراء، آیت 82:

’’اور ہم قرآن میں سے وہ چیز نازل کرتے ہیں جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے، لیکن یہ ظالموں کے لیے نقصان کے سوا کچھ نہیں بڑھاتا۔‘‘

آخر میں یہ سمجھنا ضروری ہے کہ قرآن پاک دنیاوی مسائل کا علاج ہونے کے باوجود مسلمان کو صرف اس مقصد کے لیے استعمال نہیں کرنا چاہیے۔ یعنی قرآن مجید کو صرف اس لیے نہیں پڑھنا چاہیے کہ وہ اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے اس کی تلاوت کریں، قرآن مجید کو ایک آلے کی طرح سمجھیں جو مشکل کے وقت ہٹا کر دوبارہ ٹول باکس میں رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم کا بنیادی کام آخرت کی صحیح رہنمائی کرنا ہے۔ اس اہم کام کو نظر انداز کر دینا اور اسے صرف اپنے دنیاوی مسائل کے حل کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ ایک سچے مسلمان کے طرز عمل کے خلاف ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جو ابھی تک بہت سے مختلف لوازمات کے ساتھ کار خریدتا ہے، اس کے پاس کوئی انجن نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شخص محض بے وقوف ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر ان کو نصیحت کی کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے جدوجہد کرتے وقت تنقید کرنے والے کے عیب سے نہ ڈریں۔

ایک مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگ دو طرح کے ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے صحیح طریقے سے رہنمائی کرتے ہیں کیونکہ دوسروں پر ان کی تنقید کی بنیاد قرآن پاک میں موجود تنقید اور نصیحت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات پر ہوتی ہے۔ یہ قسم ہمیشہ تعمیری رہے گی اور دونوں جہانوں میں نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی طرف رہنمائی کرے گی۔ یہ لوگ دوسروں کی زیادہ یا کم تعریف کرنے سے بھی گریز کریں گے۔ دوسروں کی زیادہ تعریف کرنا انہیں مغرور اور تکبر کا باعث بن سکتا ہے۔ دوسروں کی تعریف کرنے سے وہ کاہل بن سکتے ہیں اور انہیں اچھے کام کرنے سے روک سکتے ہیں۔ یہ ردعمل اکثر بچوں میں دیکھا جاتا ہے .اسلام کی تعلیمات کے مطابق تعریف کرنے سے دوسروں کو دنیاوی اور دینی دونوں معاملات میں زیادہ محنت کرنے کی ترغیب ملے گی اور یہ انہیں تکبر کرنے سے روکے گا۔ اس لیے اس شخص کی تعریف اور تعمیری تنقید کو قبول کرنا چاہیے اور اس پر عمل کرنا چاہیے خواہ وہ کسی اجنبی کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو۔

دوسری قسم کے لوگ اپنی خواہشات کی بنیاد پر تنقید کرتے ہیں۔ یہ تنقید زیادہ تر غیر تعمیری ہے اور صرف کسی کے خراب مزاج اور رویے کو ظاہر کرتی ہے۔ یہ لوگ اکثر دوسروں کی تعریف کرتے

ہیں کیونکہ وہ اپنی خواہشات کی بنیاد پر کام کرتے ہیں۔ ان دونوں کے منفی اثرات کا ذکر پہلے کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس شخص کی تنقید اور تعریف کو اکثر صورتوں میں نظر انداز کر دینا چاہیے خواہ وہ کسی عزیز کی طرف سے ہی کیوں نہ ہو کیونکہ یہ تنقید کے معاملے میں غیر ضروری طور پر اداس اور تعریف کے معاملے میں تکبر کا باعث بنتا ہے۔

یہ یاد رکھنا ضروری ہے کہ جو شخص دوسروں کی زیادہ تعریف کرتا ہے وہ اکثر ان پر بھی تنقید کرتا ہے۔ جس اصول پر عمل کرنا چاہیے وہ یہ ہے کہ وہ صرف اسلام کی تعلیمات پر مبنی تنقید اور تعریف قبول کریں۔ باقی تمام چیزوں کو نظر انداز کرنا چاہیے اور ذاتی طور پر نہیں لینا چاہیے۔ .

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں دوسروں کو معاف کرنے کی تلقین کی۔

تمام مسلمانوں کو امید ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کی گزشتہ غلطیوں اور گناہوں کو ایک طرف رکھے گا، نظر انداز کرے گا اور معاف کر دے گا۔ لیکن عجیب بات یہ ہے کہ انہی مسلمانوں میں سے اکثر جو اس کی امید اور دعا کرتے ہیں وہ دوسروں کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرتے۔ مطلب، وہ اکثر دوسروں کی ماضی کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں اور انہیں اپنے خلاف ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ ان غلطیوں کی طرف اشارہ نہیں ہے جن کا اثر حال یا مستقبل پر ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر، ڈرائیور کی وجہ سے ہونے والا کار حادثہ جو کسی دوسرے شخص کو جسمانی طور پر معذور کر دیتا ہے، ایک غلطی ہے جو حال اور مستقبل میں شکار کو متاثر کرے گی۔ اس قسم کی غلطی کو چھوڑنا اور نظر انداز کرنا سمجھنا مشکل ہے۔ لیکن بہت سے مسلمان اکثر دوسروں کی غلطیوں پر ہاتھ ڈالتے ہیں جو کسی بھی طرح سے مستقبل کو متاثر نہیں کرتی ہیں، جیسے کہ زبانی توہین۔ اگرچہ غلطی ختم ہو چکی ہے لیکن یہ لوگ موقع ملنے پر اسے زندہ کرنے اور دوسروں کے خلاف استعمال کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ یہ ایک انتہائی افسوسناک ذہنیت ہے جیسا کہ کسی کو سمجھنا چاہئے کہ لوگ فرشتے نہیں ہیں۔ کم از کم ایک مسلمان جو اللہ تعالیٰ سے اپنی ماضی کی غلطیوں سے درگزر کرنے کی امید رکھتا ہے اسے دوسروں کی ماضی کی غلطیوں کو نظر انداز کرنا چاہیے۔ جو لوگ اس طرح برتاؤ کرنے سے انکار کرتے ہیں وہ دیکھیں گے کہ ان کے زیادہ تر تعلقات ٹوٹ چکے ہیں کیونکہ کوئی بھی رشتہ مکمل نہیں ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ اختلاف کا شکار رہیں گے جو ہر رشتے میں غلطی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے جو اس طرح کا برتاؤ کرے گا وہ تنہا

ہو جائے گا کیونکہ ان کی بری ذہنیت انہیں دوسروں کے ساتھ اپنے تعلقات کو خراب کرنے کا باعث بنتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لوگ تنہا رہنے سے نفرت کرتے ہیں لیکن پھر بھی ایسا رویہ اپناتے ہیں جو دوسروں کو ان سے دور کرتا ہے۔ یہ منطق اور عقل کی نفی کرتا ہے۔ تمام لوگ یہ چاہتے ہیں کہ وہ زندہ رہتے ہوئے اور ان کے انتقال کے بعد ان سے محبت اور احترام کیا جائے لیکن یہ رویہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔ جب وہ زندہ ہوتے ہیں تو لوگ ان سے تنگ آ جاتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو لوگ انہیں سچے پیار اور محبت سے یاد نہیں کرتے۔ اگر وہ انہیں یاد کرتے ہیں تو یہ محض رواج سے باہر ہے۔

ماضی کو جانے دینے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی کو دوسروں کے ساتھ حد سے زیادہ اچھا سلوک کرنے کی ضرورت ہے لیکن اسلام کی تعلیمات کے مطابق سب سے کم احترام کرنا ہے۔ اس میں کچھ خرچ نہیں ہوتا اور اس کے لیے تھوڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ درگزر کرنا سیکھے اور لوگوں کی ماضی کی غلطیوں کو جانے دیا جائے تو شاید اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کی پچھلی غلطیوں کو درگزر فرمائے گا۔ باب 24 النور، آیت 22:

"... اور وہ معاف کر دیں اور نظر انداز کر دیں۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں معاف کر دے؟ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔''

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں اپنے غصے کو دبانے کا مشورہ دیا۔

صحیح بخاری نمبر 6116 کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو غصہ نہ کرنے کی نصیحت کی۔

درحقیقت اس حدیث کا یہ مطلب نہیں کہ آدمی کبھی غصہ نہ کرے کیونکہ غصہ ایک فطری صفت ہے جو کہ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ درحقیقت، بعض غیر معمولی معاملات میں غصہ مفید ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر، اپنے دفاع میں۔ اس حدیث کا اصل مطلب یہ ہے کہ انسان اپنے غصے کو قابو میں رکھے تاکہ یہ اسے گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اس کے علاوہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ غصہ بہت سی برائیوں کو جنم دیتا ہے اور اس پر قابو رکھنا بہت سی بھلائیوں کا باعث بنتا ہے۔

سب سے پہلے یہ نصیحت ان تمام اچھی خصوصیات کو اپنانے کا حکم ہے جو غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیں، جیسے صبر۔ یہ حدیث اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ آدمی اپنے غصے کے مطابق کام نہ کرے۔ اس کے بجائے، انہیں اس پر قابو پانے کے لئے اپنے آپ سے جدوجہد کرنی چاہئے تاکہ یہ انہیں گناہوں کی طرف نہ لے جائے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے غصے پر قابو پانا ایک عظیم عمل ہے اور محبت الٰہی کی طرف لے جاتا ہے۔ باب 3 علی عمران، آیت 134:

’’جو غصے کو روکتے ہیں اور لوگوں سے درگزر کرتے ہیں اور اللہ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے‘‘۔

اسلام کے اندر بہت سی تعلیمات ہیں جو مسلمانوں کو اپنے غصے پر قابو پانے کی ترغیب دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر، جیسا کہ غصہ شیطان سے منسلک اور متاثر ہوتا ہے، صحیح بخاری نمبر 3282 میں ایک حدیث پائی جاتی ہے، جس میں مشورہ دیا گیا ہے کہ غصے والے شخص کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنی چاہیے۔

جامع ترمذی نمبر 2191 میں موجود حدیث میں ناراض مسلمان کو زمین سے چمٹنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک وہ پرسکون نہ ہو جائیں زمین پر سجدہ کریں۔ درحقیقت، جتنا زیادہ کوئی غیر فعال جسمانی پوزیشن لیتا ہے، اتنا ہی کم موقع ہوتا ہے کہ وہ غصے

میں مارے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4782 میں موجود ایک حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ اس نصیحت پر عمل کرنے سے انسان اپنے غصے کو اپنے اندر قید کر لیتا ہے یہاں تک کہ وہ گزر جاتا ہے تاکہ دوسروں پر اس کا منفی اثر نہ پڑے۔

ایک مسلمان جو غصے میں ہو اسے سنن ابو داؤد نمبر 4784 میں موجود حدیث میں دی گئی نصیحت پر عمل کرنا چاہیے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ناراض مسلمان کو وضو کرنے کی نصیحت کی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پانی غصے کی فطری خصوصیت یعنی گرمی کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر کوئی اس کے بعد نماز پڑھتا ہے تو اس سے انہیں اپنے غصے پر مزید قابو پانے میں مدد ملے گی اور ایک عظیم اجر ملے گا۔

اب تک زیر بحث مشورے سے ناراض مسلمان کو اپنی جسمانی حرکات پر قابو پانے میں مدد ملتی ہے۔ اپنی بات پر قابو پانے کے لیے غصے کی حالت میں بولنے سے گریز کرنا ہی بہتر ہے۔ بدقسمتی سے، الفاظ اکثر جسمانی اعمال کے مقابلے میں دوسروں پر زیادہ دیرپا اثر ڈال سکتے ہیں۔ غصے میں کہے گئے الفاظ کی وجہ سے لاتعداد رشتے ٹوٹ چکے ہیں اور ٹوٹ چکے ہیں۔ یہ رویہ اکثر دوسرے گناہوں اور جرائم کی طرف بھی جاتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے سنن ابن ماجہ نمبر 3970 میں موجود حدیث کو نوٹ کرنا ضروری ہے جس میں متنبہ کیا گیا ہے کہ قیامت کے دن کسی شخص کو جہنم میں ڈالنے کے لیے صرف ایک برے لفظ کی ضرورت ہے۔

غصے پر قابو پانا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس پر قابو پانے والے کو صحیح بخاری نمبر 6114 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مضبوط انسان قرار دیا ہے۔ درحقیقت نگلنے والا اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا غصہ، یعنی وہ اپنے غصے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں کرتے، ان کا دل سکون اور سچے ایمان سے بھر جائے گا۔ سنن ابوداؤد نمبر 4778 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ صحیح دل کی ایک خصوصیت ہے جس کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ یہ واحد دل ہے جسے قیامت کے دن حفاظت ملے گی۔ باب 26 اشعرا، آیات 88 اور 89:

’’ جس دن مال اور اولاد کسی کے کام نہ آئے گی۔ لیکن صرف وہی جو اللہ کے پاس سچے دل کے ساتھ آتا ہے۔"

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، حد کے اندر غصہ مفید ہو سکتا ہے۔ اسے اپنے نفس، ایمان اور مال کو پہنچنے والے نقصان کو دور کرنے کے لیے استعمال کیا جانا چاہیے جو کہ اگر صحیح طریقے سے کیا جائے تو اسلام کی تعلیمات کے مطابق اللہ تعالیٰ کے غضب میں شمار ہوتا ہے۔ یہ حال تھا حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جو اپنی خواہشات کی خاطر کبھی ناراض نہیں ہوئے۔ وہ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ناراض ہوا، جس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 6050 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت قرآن پاک تھی، جو صحیح مسلم نمبر 1739 میں ایک حدیث میں نصیحت کی گئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اس پر راضی ہو گا جس سے وہ راضی ہو گا اور جس سے ناراض ہو گا اس پر ناراض ہو گا۔

غور طلب ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے غصہ کرنا قابل تعریف ہے لیکن اگر یہ غصہ حد سے بڑھ جائے تو وہ قابلِ ملامت ہے۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق اپنے غصے پر قابو رکھنا انتہائی ضروری ہے خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر غصہ میں ہی کیوں نہ ہو۔ سنن ابو داؤد نمبر 4901 میں موجود ایک حدیث ایک ایسے نمازی کو خبردار کرتی ہے جو غصے میں اللہ تعالیٰ کا دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کسی خاص گنہگار کو معاف نہیں کرے گا۔ اس کے نتیجے میں اس نمازی کو جہنم میں بھیج دیا جائے گا جبکہ گناہ گار کو قیامت کے دن معاف کر دیا جائے گا۔

برائی کی ابتداء چار چیزوں سے ہوتی ہے :خواہش پر قابو نہ پانا، خوف، بُری بھوک اور غصہ۔ لہٰذا جو شخص اس حدیث کی نصیحت کو قبول کرے گا اس کے کردار اور زندگی سے ایک چوتھائی برائی دور ہو جائے گی۔

نتیجہ اخذ کرنے کے لیے، مسلمانوں کے لیے اپنے غصے کو قابو میں رکھنا بہت ضروری ہے، اس لیے یہ ان کے لیے ایسی حرکت یا بات کرنے کا سبب نہ بنے جس سے انھیں دنیا اور آخرت دونوں میں بڑی پشیمانی کا سامنا کرنا پڑے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ اسلامی علم کی تلاش سے کبھی باز نہ آئیں۔

سنن ابن ماجہ نمبر 219 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ قرآن پاک کی ایک آیت سیکھنا 100 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔ اور اسلامی علم کے کسی موضوع کو سیکھنا چاہے اس پر عمل نہ بھی کرے، 1000 رکعتیں نفل نماز پڑھنے سے بہتر ہے۔

کسی آیت کو سیکھنے میں مطالعہ کرنا اور اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ اس کی تعلیمات کو اپنی زندگی میں عملی طور پر نافذ کرنا شامل ہے۔ اور یہ نوٹ کرنا ضروری ہے کہ ایک مسلمان کو یہ اجر تبھی ملے گا جب وہ اپنے سیکھے ہوئے علم کے موضوع پر خلوص نیت سے عمل کرنے کی کوشش کرے گا اور موقع ملنے پر اسے عملی طور پر نافذ کرے گا۔ صرف اس صورت میں جب کسی کو اپنے اسلامی علم کے موضوع پر عمل کرنے کا موقع نہیں ملے گا تو وہ 1000 رکعت نماز پڑھنے کا ثواب حاصل کرے گا چاہے وہ اس پر عمل ہی کیوں نہ کرے۔ یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو ان کی نیت کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور جزا دیتا ہے اور اس لیے موقع ملنے پر صدق دل سے عمل کرنے والوں کو اجر عطا کرتا ہے۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 1 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

آخر میں، جیسا کہ زیر بحث مرکزی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے کہ علم حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا رضاکارانہ عبادت سے بہت افضل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اکثریت عربی زبان نہیں سمجھتی اور اس لیے ان کے طرز عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو مثبت انداز میں تبدیل کرنے کا امکان کم

ہے کیونکہ وہ اس زبان کو نہیں سمجھتے جو وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ، علم سیکھنا اور اس پر عمل کرنا کسی کو بہتر کے لیے تبدیل کرنے کی ترغیب دینے کا زیادہ امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ مسلمان کئی دہائیاں رضاکارانہ عبادت میں گزارتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ یا لوگوں کے ساتھ اپنے رویے میں ذرا بھی بہتری نہیں لاتے۔ اب تک یہ عمل کا بہترین طریقہ نہیں ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں فیصلہ کرنے سے پہلے حقائق کی تصدیق کرنے کا مشورہ دیا۔

کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ سوشل میڈیا کے اس دور میں غیر مستند خبروں کے پھیلاؤ پر قابو پانا کتنا مشکل ہے۔ اس لیے مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ قرآن پاک کی درج ذیل آیت پر عمل کریں اور معلومات کو دوسروں تک نہ پہنچائیں چاہے وہ یہ سمجھتے ہوں کہ وہ پہلے معلومات کی تصدیق کیے بغیر ایسا کرکے دوسروں کو فائدہ پہنچا رہے ہیں۔ مطلب، انہیں یہ یقینی بنانا چاہیے کہ یہ قابل اعتماد ذریعہ سے آیا ہے اور درست ہے۔ باب 49 الحجرات، آیت 6:

’’ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تمہارے پاس کوئی فاسق خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لو، ایسا نہ ہو کہ تم نادانی میں کسی قوم کو نقصان پہنچا دو اور اپنے کیے پر پشیمان ہو جاؤ۔‘‘

حالانکہ یہ آیت ایک بدکار شخص کی طرف اشارہ کرتی ہے جو خبریں پھیلاتا ہے اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو دوسروں کے ساتھ معلومات بانٹتے ہیں۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ ایک شخص کو یقین ہو سکتا ہے کہ وہ دوسروں کی مدد کر رہے ہیں لیکن غیر تصدیق شدہ معلومات پھیلانے سے وہ دوسروں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں، جیسے کہ جذباتی نقصان۔ بدقسمتی سے، بہت سے مسلمان اس سے غافل ہیں اور انہیں محض ٹیکسٹ میسجز اور سوشل میڈیا ایپلی کیشنز کے ذریعے معلومات کو بغیر تصدیق کیے آگے بھیجنے کی عادت ہے۔ ایسے معاملات میں جہاں معلومات مذہبی معاملات سے جڑی ہوئی ہیں، معلومات کو پھیلانے سے پہلے اس کی تصدیق کرنا اور

بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ کسی کو دوسروں کے اعمال کی سزا ان کی فراہم کردہ غلط معلومات کی بنیاد پر مل سکتی ہے۔ صحیح مسلم نمبر 2351 میں موجود حدیث میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ، دنیا میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور اس کا مسلمانوں پر کیا اثر ہو رہا ہے اس کے ساتھ معلومات کی تصدیق کرنا اور بھی اہم ہے کیونکہ جو کچھ نہیں ہوا اس پر دوسروں کو خبردار کرنا نہ صرف معاشرے میں انتشار پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں اور دیگر کمیونٹیز کے درمیان دراڑ کو بڑھاتا ہے۔ یہ اسلامی تعلیمات سے متصادم ہے۔

ایک مسلمان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سوال نہیں کرے گا کہ انہوں نے قیامت کے دن غیر تصدیق شدہ معلومات دوسروں کے ساتھ کیوں شیئر نہیں کیں۔ لیکن وہ یقینی طور پر ان سے سوال کرے گا کہ کیا وہ دوسروں کے ساتھ معلومات کا اشتراک کرتے ہیں، چاہے وہ تصدیق شدہ ہو یا نہ ہو۔ لہذا، ایک ذہین مسلمان صرف تصدیق شدہ معلومات کا اشتراک کرے گا اور جو کچھ بھی تصدیق شدہ نہیں ہے وہ یہ جانتے ہوئے چھوڑ دیں گے کہ وہ اس کے لیے جوابدہ نہیں ہوں گے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں اچھے پڑوسی بننے کی تلقین کی۔

صحیح بخاری نمبر 6014 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس حد تک ترغیب دی گئی کہ آپ کے خیال میں پڑوسی ہر مسلمان کا وارث بن جائے گا۔

بدقسمتی سے، اس فرض کو اکثر نظرانداز کر دیا جاتا ہے حالانکہ اپنے پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے۔ سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اسلام میں کسی شخص کے پڑوسی میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جو مسلمان کے گھر کی طرف ہر سمت چالیس گھروں کے اندر رہتے ہیں۔ اس کی تصدیق امام بخاری کی، ادب المفرد، نمبر 109 میں ہوتی ہے۔

صحیح مسلم نمبر 174 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ، بزرگی اور یوم آخرت پر ایمان کو پڑوسی کے ساتھ حسن سلوک سے جوڑ دیا ہے۔ پڑوسیوں سے حسن سلوک کرنا۔ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ادب المفرد نمبر 119 میں موجود ایک حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے کہ جس عورت نے اپنے فرض کو پورا کیا اور بہت زیادہ نفلی عبادت کی وہ جہنم میں جائے گی کیونکہ اس نے اپنی تقریر کے ذریعے اپنے پڑوسیوں سے برا سلوک کیا۔ اگر اپنے پڑوسی کو الفاظ کے ذریعے نقصان پہنچانے والے کا یہ حال ہے تو کیا کوئی اپنے پڑوسی کو جسمانی طور پر نقصان پہنچانے کی سنگینی کا اندازہ لگا سکتا ہے؟

مسلمان کو اپنے پڑوسی کی طرف سے بدسلوکی پر صبر کرنا چاہیے۔ درحقیقت ایک مسلمان کو ایسے معاملات میں ان کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہیے۔ نیکی کا بدلہ اچھائی سے مشکل نہیں ہے۔ اچھا پڑوسی وہ ہے جو نقصان کا بدلہ بھلائی سے دیتا ہے۔ ایک مسلمان کو اپنے پڑوسی کی جائیداد کی نجی جگہ کا احترام کرنا چاہئے لیکن ساتھ ہی انہیں سلام کرنا چاہئے اور زیادہ دخل اندازی کئے بغیر انہیں مدد کی پیشکش کرنی چاہئے۔ کسی شخص کے لیے جو بھی ذریعہ دستیاب ہو، جیسے کہ مالی یا جذباتی مدد سے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے پڑوسیوں کے عیبوں کو ہمیشہ چھپائے۔ جو دوسروں کے عیب چھپاتا ہے اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو چھپاتا ہے۔ اور جو دوسروں کے عیبوں کو ظاہر کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے عیبوں کو ظاہر کرے گا اور انہیں کھلم کھلا رسوا کرے گا۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 4880 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی تلقین کی۔

صحیح بخاری نمبر 2686 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کے اہم فریضے کو ادا نہ کرنے کو دو درجے بھری ہوئی کشتی کی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ لوگوں کا .نچلی سطح کے لوگ جب بھی پانی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو بالائی سطح کے لوگوں کو پریشان کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے وہ نچلی سطح پر ایک سوراخ کرنے کا فیصلہ کرتے ہیں تاکہ وہ براہ راست پانی تک رسائی حاصل کر سکیں۔ اگر بالائی سطح کے لوگ انہیں روکنے میں ناکام رہے تو یہ سب غرق ہو جائیں گے۔

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ نرمی کے ساتھ اپنے علم کے مطابق نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرنا کبھی ترک نہ کریں۔ ایک مسلمان کو ہرگز یہ یقین نہیں کرنا چاہیے کہ جب تک وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہیں گے، دوسرے گمراہ لوگ ان پر منفی اثر نہیں ڈال سکیں گے۔ سڑے ہوئے سیب کے ساتھ رکھنے پر ایک اچھا سیب بالآخر متاثر ہو جائے گا۔ اسی طرح جو مسلمان دوسروں کو نیکی کا حکم دینے میں ناکام رہتا ہے وہ آخر کار اس کے منفی رویے سے متاثر ہوتا ہے خواہ وہ لطیف ہو یا ظاہر۔ اگر وسیع تر معاشرہ بھی غافل ہو جائے تو اپنے اہل وعیال کو نصیحت کرنا ہرگز ترک نہیں کرنا چاہیے کیونکہ نہ صرف ان کے منفی رویے ان پر زیادہ اثر انداز ہوں گے بلکہ سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث کے مطابق یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے۔ اگر کسی مسلمان کو دوسروں کی طرف سے نظر انداز کیا جاتا ہے تو اسے نرمی سے نصیحت کرتے ہوئے اپنا فرض ادا کرنا چاہیے جس کی تائید مضبوط دلائل اور علم سے ہوتی ہے۔ صرف اسی طرح وہ ان کے منفی اثرات سے محفوظ رہیں گے اور قیامت کے دن معاف کر دیے جائیں گے۔ لیکن اگر وہ صرف اپنی فکر کریں اور دوسروں کے اعمال کو نظر انداز کریں تو اندیشہ ہے کہ دوسروں کے منفی اثرات ان کی گمراہی کا باعث بن سکتے ہیں۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ تعلقات قائم رکھیں تاکہ اللہ تعالیٰ سے ان کا حساب لینا آسان ہو جائے۔

رشتہ داری کو برقرار رکھنا اسلام کا ایک اہم پہلو ہے جسے اگر کوئی کامیابی چاہتا ہے تو اسے ترک دونوں جہانوں میں ایمان کی حقیقی نشانی یہ نہیں ہے کہ سارا دن مسجد میں اللہ نہیں کیا جا سکتا۔ تعالیٰ کی عبادت میں گزارے بلکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی اور مخلوق کے حقوق کی ادائیگی ہے۔ مخلوق کے سب سے اہم حقوق میں سے ایک رشتہ داری کو برقرار رکھنا ہے۔ کوئی شخص کو دھوکہ نہیں دے سکتا ۔ جب کوئی لیکن اللہ تعالیٰ اسلامی لباس پہن کر تقویٰ کا دعویٰ کر سکتا ہے تاریخ کے اوراق ہمیشہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں نے رشتہ داریوں کو نبھایا۔ مڑتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان کے رشتہ داروں نے ان کے ساتھ بدسلوکی کی تب بھی انہوں نے مہربانی سے جواب دیا۔ باب 41 فصیلات، آیت 34:

اور اچھے اور برے کام برابر نہیں ہیں۔ برائی کو اس]عمل [سے دفع کرو جو بہتر ہو۔ پھر جس کے " اور تمہارے درمیان دشمنی ہے وہ گویا ایک مخلص دوست ہو گا۔

صحیح مسلم نمبر 6525 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو شخص رشتہ داریوں کو برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کے لیے اس کی مدد کرتا ہے خواہ اس کے رشتہ دار مشکلات کا شکار ہوں۔.

مومن مخلص اچھائی کا جواب اچھائی سے دینا کوئی خاص بات نہیں جبکہ برائی کا اچھا جواب دینا کوئی زیادہ تر معاملات میں، جب کی نشانی ہے۔ سابقہ رویہ جانوروں میں بھی دیکھا جاتا ہے۔ میں کسی جانور کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو اس کے بدلے میں پیار واپس آتا ہے۔ صحیح بخاری برقرار رکھنے نمبر 5991 میں موجود ایک حدیث سے ثابت ہے کہ رشتہ داری کو صحیح معنوں میں حضور نبی اکرم صلی والا وہ ہے جو رشتہ داروں سے قطع تعلق کرتے ہوئے بھی رشتہ قائم رکھے۔ اکثر رشتہ داروں کی طرف سے لیکن اس نے ہمیشہ اپنے اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلسل دہشت زدہ تھے۔ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ کیا۔

یہ بات عام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے بغیر کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتا ۔ لیکن صحیح بخاری نمبر 5987 میں موجود ایک حدیث میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر اعلان کیا ہے کہ جو شخص دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریاں توڑے گا اس سے وہ رشتہ توڑ دے گا۔ ذہن میں رکھو، عبادات کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی کے جیسی فرض نماز یہ قطع نظر سچ ہے لیے کتنی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی مسلمان سے رشتہ منقطع کر دے تو وہ اس کا قرب اور ابدی کامیابی کیسے حاصل کر سکتا ہے؟

لوگوں کو موقع دینے کے اس کے علاوہ، زیادہ تر معاملات میں اللہ تعالیٰ عذاب میں تاخیر کرتا ہے۔ توبہ کرنا لیکن دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داری کو توڑنے کی سزا بہت جلد ملتی لیے گناہوں کا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابن ماجہ نمبر 4212 میں موجود حدیث سے ہوئی ہے۔

بدقسمتی سے آج دنیا میں تعلقات منقطع کرنے کا رواج عام دیکھا جاتا ہے۔ لوگ چھوٹی موٹی دنیاوی وجوہات کی بنا پر رشتہ داریوں کو آسانی سے توڑ دیتے ہیں۔ وہ کسی بھی نقصان کو پہچاننے میں جو مادی دنیا میں ہوتا ہے وہ عارضی ہوتا ہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ سے ان کا تعلق ناکام رہتے ہیں۔ منقطع ہو جائے تو دونوں جہانوں میں انہیں طویل مصائب کا سامنا کرنا پڑے گا۔

جب کوئی اپنے پیشے کے ذریعے وجہ جو اسلامی معاشرے میں عام طور پر دیکھی جاتی ہے۔ کی اعلیٰ سماجی مقام تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ انہیں اپنے رشتہ داروں کو ترک کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جیسا کہ انہیں یقین ہے کہ وہ اب ان کے ساتھ بات چیت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اپنی دولت اور حیثیت سے ان کی محبت انہیں بے حیائی کے دروازے پر دھکیل دیتی ہے جو انہیں یقین دلاتی سماجی صرف ان سے ان کی دولت چھیننا چاہتے ہیں۔ ہے کہ ان کے رشتہ دار

قرآن کریم بتاتا ہے کہ ان بندھنوں کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ باب 4 النساء، آیت 1:

’’ اور اس اللہ سے ڈرو جس کے ذریعے تم ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رحم سے۔ بے شک اللہ تم پر ہمیشہ دیکھنے والا ہے۔‘‘

یہ آیت بھی واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رشتہ داری کو برقرار رکھے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ تو جو لوگ ایمان لائے وہ اسے زیادہ عبادت کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں۔ اور روزے غلط ثابت ہوئے ہیں اس لیے اپنے رویے کو بدلنا چاہیے۔

اسلام مسلمانوں کو سکھاتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کی ان معاملات میں مدد کر کے تمام رشتہ داریوں کو برقرار رکھیں جو جب بھی اور جہاں بھی ممکن ہو اچھے ہوں۔ انہیں ایک تعمیری ذہنیت اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو معاشرے کے فائدے کی بجائے رشتہ داروں کو متحد کرتا ہے۔ ایک تباہ کن ذہنیت جو صرف خاندانوں میں تقسیم کا باعث بنتی ہے۔ سنن ابوداؤد نمبر 4919 میں موجود ایک حدیث کے مطابق لوگوں میں تفرقہ ڈالنا تباہی کا باعث بنتا ہے۔

رشتہ توڑنے والوں پر قرآن پاک میں لعنت کی گئی ہے۔ باب 47 محمد، آیات 22-23:

’’ تو کیا تم اگر منہ موڑو گے تو زمین میں فساد برپا کرو گے اور اپنے تعلقات کو توڑ دو گے؟]ایسا کرنے والے [وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔‘‘

دنیا میں یا آخرت میں اور اس کی رحمت سے محروم ہوں تو اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گھرے ہوئے ہوں کوئی اپنی جائز خواہشات کیسے حاصل کرسکتا ہے ؟

حکم نہیں دیتا اور نہ ہی یہ ان سے اپنے رشتہ داروں کی کفالت میں اپنی وسعت سے تجاوز کرنے کا یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے رشتہ داروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی حدود کو قربان کر دیں کیونکہ اگر اس کا خالق کی نافرمانی اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2625 مطلب ہے تو مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔ میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ لہٰذا کبھی بھی اپنے رشتہ داروں کو برائیوں میں شامل نہیں کرنا کا اپنے رشتہ داروں کو نیکی کا حکم دیں اور ان ایک مسلمان کو چاہئے ، چاہیے۔ اس صورت میں :احترام کرتے ہوئے انہیں برائی سے نرمی سے روکیں۔ باب 5 المائدۃ، آیت 2

‘‘اور نیکی اور پرہیزگاری میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو۔ ’’

اللہ کی رضا کے حاصل کیا جاتا ہے۔ کے ذریعہ رشتہ داری کو برقرار رکھنے والے بے شمار فوائد لیے۔ مثال کے طور پر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ جو بندہ جوڑتا ہے اس کے رزق میں اور ان کی زندگی میں اضافی فضل ہوتا ہے۔ اس کی تصدیق سنن ابوداؤد ہی کم کتنا نمبر 1693 میں موجود ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کا رزق خواہ اور جسم .زندگی میں فضل سکون ملے گا۔ کیوں نہ ہو ان کے لیے کافی ہو گا اور اس سے انہیں ذہنی کا مطلب ہے کہ وہ اپنے تمام دینی اور دنیاوی فرائض کو پورا کرنے کے لیے وقت نکالیں گے۔ یہ دو مسلمان اپنی ساری زندگی اور مال حاصل کرنے کی کوشش میں صرف کرتے ہیں لیکن نعمتیں ہیں۔ رشتہ بہت سے لوگ اس بات کو پہچاننے میں ناکام رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو رکھا ہے۔ داریوں کو برقرار رکھنے میں

کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو ہے رشتہ داریاں نبھانا اس قدر ضروری رشتہ داروں کے ساتھ بھی اس اہم فرض کو پورا کریں ۔ اس کی تلقین کرنے اپنے غیر مسلم حکم دیا۔ والی ایک حدیث صحیح مسلم نمبر 2324 میں موجود ہے۔

شیطان کے پھندے میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رشتہ داروں اور معاشرے میں تفرقہ پیدا کرنا چاہتا ہے اور سماجی تقسیم .اس کا حتمی مقصد اسلام کو بحیثیت قوم کمزور جس سے خاندان ٹوٹ جاتے ہیں۔ کرنا ہے۔ بدقسمتی سے، کچھ لوگ رنجشوں کو پناہ دینے کے لیے بدنام ہو گئے ہیں جو کئی دہائیوں اور نسل در نسل منتقل ہوتے رہتے ہیں۔ ایک شخص دہائیوں تک کسی رشتہ دار تک جاری رہتے ہیں ان سے دوبارہ کبھی بات نہیں وہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا لیکن ایک غلطی اور دلیل کے بعد صحیح مسلم کرے گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں تنبیہ فرمائی ہے۔ نمبر 6526 میں ہے کہ ایک مسلمان کے لیے کسی دنیاوی معاملے میں دوسرے مسلمان سے تین دن سے زیادہ تعلقات منقطع رکھنا ناجائز ہے۔ اگر غیر رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کا یہ حکم ہے تو صحیح بخاری کیا رشتہ داروں سے رشتہ توڑنے کی سنگینی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے؟ یہ سوال نمبر 5984 میں اس کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلان فرمایا ہے کہ جو شخص کسی رشتہ دار سے دنیوی وجوہات کی بناء پر تعلق توڑے گا وہ جنت میں نہیں جائے گا۔

اس اہم موضوع پر بحث کرنے والی آیات و احادیث پر غور کرنا چاہیے اور یہ سمجھنا چاہیے کہ اگر اللہ عشرہ کے گناہوں کے بعد بھی اپنے دروازے بند نہیں کرتا اور لوگوں کے ساتھ اپنے سرور کا واسطہ نہیں رکھتا تو لوگ چھوٹی دنیا میں اپنے رشتہ داروں سے اتنی آسانی سے کیوں منہ موڑ لیتے ہیں۔ مسائل؟ اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کے تعلق کو برقرار رکھنا چاہتا ہے تو اسے تبدیل ہونا چاہیے۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر انہیں نصیحت کی کہ اللہ کے گھر کی دیکھ بھال کریں اور اسے کبھی ترک نہ کریں۔

صحیح مسلم نمبر 1528 کی ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نصیحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب جگہیں مسجدیں ہیں اور سب سے زیادہ ناپسندیدہ جگہیں بازار ہیں۔

اسلام مسلمانوں کو مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ جانے سے منع نہیں کرتا۔ اور نہ ہی یہ انہیں ہمیشہ مساجد میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ باجماعت نمازوں کے لیے مساجد میں جانے اور مذہبی اجتماعات میں شرکت کو غیر ضروری طور پر بازاروں میں جانے سے زیادہ ترجیح دیں۔

جب ضرورت پیش آئے تو دوسری جگہوں مثلاً شاپنگ سینٹرز میں جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، لیکن مسلمان کو چاہیے کہ وہ بلا ضرورت وہاں جانے سے گریز کرے کیونکہ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں گناہ زیادہ ہوتے ہیں۔ جبکہ مساجد سے مراد گناہوں سے پناہ گاہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے ایک آرام دہ جگہ ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل، اس کی ممانعتوں سے اجتناب اور صبر کے ساتھ تقدیر کا سامنا کرنا شامل ہے۔ جس طرح ایک طالب علم لائبریری سے استفادہ کرتا ہے جیسا کہ یہ مطالعہ کے لیے ایک ماحول ہے، اسی طرح مسلمان بھی مساجد سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد مسلمانوں کو مفید علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دینا ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکیں۔

ایک مسلمان کو نہ صرف مساجد کو دوسری جگہوں پر ترجیح دینی چاہیے بلکہ انہیں دوسروں جیسے کہ اپنے بچوں کو بھی ایسا کرنے کی ترغیب دینی چاہیے۔ درحقیقت یہ نوجوانوں کے لیے گناہوں، جرائم اور بری صحبت سے بچنے کے لیے بہترین جگہ ہے جس سے دونوں جہانوں میں مصیبت اور پشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

علی رضی اللہ عنہ نے پھر ان کو نصیحت کی کہ نیکی اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے سے تعاون نہ کریں۔

صالح پیشروؤں کے گزرنے کے بعد سے مسلم قوم کی طاقت ڈرامائی طور پر کمزور ہوئی ہے۔ یہ منطقی بات ہے کہ جتنے زیادہ لوگوں کی تعداد ایک گروہ میں ہوگی اتنا ہی وہ گروہ مضبوط ہوگا لیکن مسلمانوں نے کسی نہ کسی طرح اس منطق کی نفی کی ہے۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھنے کے ساتھ ہی مسلم قوم کی طاقت میں کمی آئی ہے۔ اس کے پیش آنے کی ایک اہم وجہ قرآن کریم کی سورہ 5 المائدہ، آیت 2 سے مربوط ہے:

اور نیکی اور تقویٰ میں تعاون کرو لیکن گناہ اور زیادتی میں تعاون نہ کرو‘‘۔ ’’

اللہ تعالیٰ واضح طور پر مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ کسی بھی اچھے معاملے میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور کسی برے معاملے میں ایک دوسرے کا ساتھ نہ دیں۔ اس پر نیک پیشواؤں نے عمل کیا لیکن بہت سے مسلمان ان کے نقش قدم پر چلنے میں ناکام رہے ہیں۔ بہت سے مسلمان اب اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں اس کا مشاہدہ کرنے کے بجائے کون عمل کر رہا ہے۔ اگر وہ شخص ان سے جڑا ہوا ہے، مثال کے طور پر، کوئی رشتہ دار، تو وہ ان کا ساتھ دیتے ہیں چاہے بات اچھی نہ ہو۔ اسی طرح اگر اس شخص کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے تو وہ ان کی حمایت سے منہ موڑ لیتے ہیں خواہ بات اچھی ہو۔ یہ رویہ صالح پیشواؤں کی روایات کے بالکل خلاف ہے۔ وہ بھلائی میں دوسروں کی حمایت کریں گے قطع نظر اس کے کہ کون کر رہا ہے۔ درحقیقت وہ قرآن کریم کی اس آیت پر عمل کرتے ہوئے اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ وہ ان کی حمایت بھی کریں گے جب تک کہ یہ اچھی بات نہ ہو۔

اس سے جڑی دوسری چیز یہ ہے کہ بہت سے مسلمان ایک دوسرے کی اچھی مدد کرنے میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ انہیں یقین ہے کہ جس شخص کی وہ حمایت کر رہے ہیں وہ ان سے زیادہ اہمیت

حاصل کرے گا۔ اس صورتحال نے علماء اور اسلامی تعلیمی اداروں کو بھی متاثر کیا ہے۔ وہ دوسروں کی بھلائی میں مدد نہ کرنے کے لیے لنگڑے بہانے بناتے ہیں کیونکہ ان کا ان کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے اور انھیں ڈر ہے کہ ان کا اپنا ادارہ بھلا دیا جائے گا اور وہ جن کی مدد کریں گے وہ معاشرے میں مزید عزت حاصل کریں گے۔ لیکن یہ سراسر غلط ہے کیونکہ حقیقت کا مشاہدہ کرنے کے لیے صرف تاریخ کے اوراق پلٹنے پڑتے ہیں۔ جب تک کسی کی نیت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہو، دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے سے معاشرے میں اس کی عزت بڑھے گی۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف متوجہ کرے گا خواہ ان کا تعاون کسی اور ادارے، ادارے یا شخص کے لیے ہو۔ مثال کے طور پر جب حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ آسانی سے خلافت کو چیلنج کر سکتے تھے اور ان کے حق میں کافی حمایت حاصل کر سکتے تھے۔ لیکن وہ جانتے تھے کہ صحیح کام یہ تھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اسلام کا پہلا خلیفہ نامزد کیا جائے۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اس بات کی فکر نہیں تھی کہ اگر وہ کسی دوسرے شخص کا ساتھ دیں تو معاشرہ اسے بھول جائے گا۔ اس کے بجائے اس نے پہلے بیان کی گئی آیت میں حکم کی تعمیل کی اور جو صحیح تھا اس کی تائید کی۔ اس کی تصدیق صحیح بخاری نمبر 3667 اور 3668 میں موجود احادیث سے ہوتی ہے۔ اس عمل سے معاشرے میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی عزت و تکریم میں اضافہ ہی ہوا۔ یہ بات ان لوگوں پر واضح ہے جو اسلامی تاریخ سے واقف ہیں۔

مسلمانوں کو اس پر گہرائی سے غور کرنا چاہیے، اپنی ذہنیت کو بدلنا چاہیے اور دوسروں کی بھلائی میں مدد کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، قطع نظر اس کے کہ یہ کام کون کر رہا ہے اور اس خوف سے پیچھے نہیں ہٹیں گے کہ ان کی حمایت انھیں معاشرے میں بھلا دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والوں کو دنیا اور آخرت دونوں میں کبھی فراموش نہیں کیا جائے گا۔ درحقیقت ان کی عزت و تکریم دونوں جہانوں میں ہی بڑھے گی۔

علی رضی اللہ عنہ کی عمر 63 سال تھی جب آپ کو شہید کیا گیا، اسی عمر کی عمر رسول اللہ صلی امام اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما کی تھی۔ سب اس دنیا سے چلے گئے محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 626 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

ایک عمدہ تفصیل

علی ابن ابی طالب کی شہادت کے بعد ان کے صاحبزادے حسن ابن علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے مندرجہ ذیل الفاظ میں خطاب کیا، جس کا ذکر امام محمد السلبی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 627 میں کیا گیا ہے۔ .

حسن رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کل ایک ایسا شخص چلا گیا جس پر نہ پہلے والے علم میں سبقت لے گئے اور نہ بعد والے اس کو پکڑیں گے۔

صحیح مسلم نمبر 6853 میں موجود حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ جو شخص حصول علم کے راستے پر چلے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دے گا۔

یہ دونوں جسمانی راستے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو کوئی علم حاصل کرنے کے لیے اختیار کرتا ہے، جیسے کہ لیکچرز اور کلاسز میں شرکت کرنا، اور وہ راستہ جس کے ذریعے کوئی شخص بغیر جسمانی سفر کے علم حاصل کرتا ہے۔ اس میں علم کی تمام اقسام شامل ہیں، جیسے علم کے بارے میں سننا، پڑھنا، مطالعہ کرنا اور لکھنا۔ جنت کے راستے میں بہت سی رکاوٹیں ہیں جو مسلمان کو اس تک پہنچنے سے روکتی ہیں۔ صرف وہی شخص جنت میں جائے گا جس کے پاس ان کا علم ہو اور ان پر کیسے قابو پایا جائے۔ اس کے علاوہ، یہ آسانی سے سمجھا جاتا ہے کہ کوئی شخص اس دنیا کے کسی شہر تک اس کے محل وقوع اور اس کی طرف جانے والے راستے کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ اسی طرح جنت ان چیزوں کے بارے میں جانے بغیر حاصل نہیں کی جا سکتی، جیسے اس کی طرف جانے والا راستہ۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ایک مسلمان کا علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کا ارادہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا ہونا چاہیے۔ جو کوئی دنیوی وجہ سے دینی علم حاصل کرتا ہے، جیسے دکھاوے، وہ جہنم میں جائے گا اگر وہ سچے دل سے توبہ کرنے میں ناکام رہے گا۔ سنن ابن ماجہ نمبر 253 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تنبیہ کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ، ایک مسلمان کو اپنے علم پر عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ عمل کے بغیر علم کی کوئی قیمت یا فائدہ نہیں ہے۔ یہ اس شخص کی طرح ہے جس کے پاس حفاظت کے راستے کا علم ہے لیکن اسے اختیار نہیں کرتا اور اس کے بجائے خطرات سے بھرے علاقے میں رہتا ہے۔ اس لیے علم کو دو قسموں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا یہ ہے کہ جب کوئی اپنے علم پر عمل کرتا ہے جس سے تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں اضافہ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ ہے جب کوئی اپنے علم پر عمل کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ اس قسم سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا، درحقیقت یہ ان کے تکبر میں اضافہ کرے گا کہ وہ دوسروں سے برتر ہیں، حالانکہ وہ گدھے کی طرح ہیں جو کتابیں اٹھائے ہوئے ہیں جو اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ باب 62 الجمعہ، آیت 5:

’’ اور پھر اس پر عمل نہیں کیا)اپنے علم پر عمل نہیں کیا (اس گدھے کی طرح ہے جو کتابوں کی کتابیں اٹھائے ہوئے ہے‘‘۔

حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی رضی اللہ عنہ کو جہاد پر بھیجا اور انہیں اپنا جھنڈا دیا اور جب تک فتح نہ ہو جائے لڑائی سے دستبردار نہ ہوں گے۔ اسے عطا کیا.

یہ مسلمانوں کو ثابت قدم رہنے کی اہمیت کی یاد دلاتا ہے جب بھی ان پر ان کے دشمنوں یعنی شیطان، ان کے باطنی شیطان اور وہ لوگ جو انہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے ہیں، ثابت قدم

رہنے کی اہمیت کو یاد دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کو چاہیے کہ جب بھی ان دشمنوں کے فتنے میں مبتلا ہو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ نہ پھیرے۔ اس کے بجائے انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رہنا چاہیے جس میں اس کے احکام کو پورا کرنا، اس کی ممانعتوں سے پرہیز کرنا اور تقدیر کا صبر کے ساتھ سامنا کرنا شامل ہے۔ یہ ان جگہوں، چیزوں اور لوگوں سے اجتناب کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو انہیں گناہوں اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی طرف دعوت دیتے اور فتنہ میں ڈالتے ہیں۔ شیطان کے جال سے بچنا صرف اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اسی طرح راستے میں پھنسنے سے صرف اسی طرح علم رکھنے سے بچا جاتا ہے۔ شیطان کے جال سے بچنے کے لیے اسلامی علم کی ضرورت ہے۔ مثال کے طور پر، ایک مسلمان قرآن پاک کی تلاوت میں زیادہ وقت صرف کر سکتا ہے لیکن اپنی جہالت کی وجہ سے وہ غیبت جیسے گناہوں کے ذریعے اپنے اعمال صالحہ کو سمجھے بغیر برباد کر سکتا ہے۔ ایک مسلمان کو ان حملوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اس لیے انہیں چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت کے ذریعے ان کے لیے تیاری کریں اور اس کے بدلے میں بے شمار اجر حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اس راہ میں جدوجہد کرنے والوں کے لیے صحیح رہنمائی کی ضمانت دی ہے۔ باب 29 العنکبوت، آیت 69:

’’اور جو لوگ ہمارے لیے کوشش کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔‘‘

جبکہ جہالت اور نافرمانی کے ساتھ ان حملوں کا سامنا کرنا دونوں جہانوں میں مشکلات اور رسوائی کا باعث بنے گا۔ اسی طرح ایک سپاہی جس کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں وہ شکست کھا جائے گا۔ ان حملوں کا سامنا کرتے وقت ایک جاہل مسلمان کے پاس اپنے دفاع کے لیے کوئی ہتھیار نہیں ہوگا جس کے نتیجے میں ان کی شکست ہوگی۔ جبکہ باشعور مسلمان کو وہ طاقتور ترین ہتھیار مہیا کیا جاتا ہے جس پر قابو نہیں پایا جا سکتا اور نہ مارا جا سکتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ اطاعت۔ یہ صرف خلوص نیت سے اسلامی علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ علی رضی اللہ عنہ نے اپنے پیچھے سونا اور چاندی نہیں چھوڑا، سوائے اپنی تنخواہ سے چاندی کے 700 سکے جو وہ اپنے گھر والوں کے لیے ایک نوکر خریدنے کے لیے استعمال کرنے والے تھے۔

صحیح بخاری نمبر 6442 میں موجود ایک حدیث میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نصیحت فرمائی کہ انسان کا اصل مال وہی ہے جو وہ آخرت کے لیے آگے بھیجتا ہے اور جو کچھ وہ پیچھے چھوڑتا ہے وہ درحقیقت اس کا مال ہے۔ وارث

مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنی دولت جیسی زیادہ سے زیادہ نعمتیں بھیجیں، جتنی کہ وہ آخرت کے لیے ان طریقوں سے استعمال کریں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں۔ اس میں فضول خرچی، ضرورت سے زیادہ یا اسراف کے بغیر کسی کی ضروریات اور اپنے زیر کفالت افراد کی ضروریات پر خرچ کرنا شامل ہے۔ صحیح بخاری نمبر 4006 میں موجود ایک حدیث میں اس کی تلقین کی گئی ہے۔

لیکن اگر کوئی مسلمان ان کی نعمتوں کا صحیح استعمال نہ کرے تو وہ دونوں جہانوں میں اس کے لیے بوجھ بن جائے گا۔ اور اگر وہ ان کو جمع کر کے اپنے وارثوں کے لیے چھوڑ دیں تو ان سے ان کو حاصل کرنے کا حساب ہوگا اگرچہ ان کے جانے کے بعد دوسرے ان سے لطف اندوز ہوں گے۔ اس کی طرف جامع ترمذی نمبر 2379 میں موجود حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اگر ان کے وارثان نعمتوں کا صحیح استعمال کریں گے تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر ملے گا، جب کہ جس نے اسے جمع کیا وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ رہ جائے گا۔ یا ان کا وارث ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے گا جو کہ نعمت کمانے والے اور اس کے وارث دونوں کے لیے بڑی پشیمانی کا باعث بن جائے گی، خاص طور پر اگر انہوں نے اپنے وارث مثلاً اپنے بچے کو نہ سکھایا تو نعمتوں کا صحیح استعمال کرنا کیوں کہ یہ ایک فرض ہے۔ ان پر .اس کی تصدیق سنن ابوداؤد نمبر 2928 میں موجود حدیث سے ہوتی ہے۔

لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور لوگوں کے تئیں اپنی ذمہ داریوں کو پورا کریں اور اس بات کو یقینی بنائیں کہ وہ اپنی بقیہ نعمتوں کو صحیح طریقے سے استعمال کرکے آخرت تک لے جائیں جیسا کہ اسلام نے تجویز کیا ہے۔ ورنہ وہ قیامت کے دن خالی ہاتھ اور پشیمانوں سے بھرے رہیں گے۔

ایک سچی تعریف

معاویہ ابن ابو سفیان رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ دیر السعادی سے پوچھا کہ علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کا بیان کرو۔ دیرار نے یہ کہتے ہوئے جواب دیا" :علی رضی اللہ عنہ دور اندیش اور مضبوط تھے۔ فیصلہ سناتے وقت وہ سمجھدار تھا۔ حکم دیتے وقت وہ انصاف پسند تھا۔ علم اس کی ذات سے نکلا۔ حکمت اس کی زبان پر بولی۔ اس نے دنیا کے زیورات سے کنارہ کش ہو کر تنہائی میں سکون حاصل کیا۔ وہ دعا میں بہت رویا، گہرائی سے سوچا اور ایک دوسرے پر ہاتھ پھیرا، دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے خود کو نصیحت کرتا رہا۔ وہ سادہ کھانے اور سادہ لباس کو پسند کرتے تھے۔ وہ ہم میں سے ایک کے طور پر ہمارے درمیان رہتے تھے، جب سوال کیا جاتا تھا تو جواب دیتے تھے اور جب سوال کیا جاتا تھا تو جواب دیتے تھے۔ لیکن اپنی قربت کے باوجود، ہم اس سے تعظیمی خوف کے ساتھ اس کے پاس جاتے تھے، اسے آرام دہ بات چیت کے لیے بلانے میں ہچکچاتے تھے۔ وہ متقیوں کا احترام کرتے تھے اور غریبوں پر مہربان تھے۔ طاقتور کو موافق حکم پر گمان کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی اور کمزور اس کے انصاف سے کبھی مایوس نہیں ہوتا تھا۔ میں نے اسے ایک بار دیکھا جب رات کا پردہ اتر چکا تھا اور ستارے ڈوب چکے تھے۔ وہ اپنی داڑھی پر ہاتھ رکھ کر نماز کی جگہ پر کھڑے ہو گئے اور لکھ رہے تھے کہ جسے سانپ نے ڈس لیا ہو۔ آپ نے روتے ہوئے کہا :اے دنیا !میرے علاوہ کسی اور کو آزماؤ !کیا تم مجھے بہکانے آئی ہو؟ یہ میں ہی ہوں جس کی تم خواہش رکھتے ہو؟ دور ہو !دور ہو !میں تمہیں تین طلاق دے چکا ہوں، ایسی طلاق جو صلح کی اجازت نہیں دیتی۔ آپ کی زندگی مختصر ہے، آپ کی قدر کم ہے۔ کاش !میرا رزق قلیل ہے، مسافت لمبا ہے اور سفر اکیلے ہی طے کرنا ہے!‘‘

معاویہ رضی اللہ عنہ پھر رو پڑے اور جواب دیا" :اللہ عزوجل علی رضی اللہ عنہ پر رحم کرے، واقعی وہ وہی تھا جیسا کہ تم بیان کر رہے ہو!"

امام محمد السلّابی، علی ابن ابی طالب، جلد 2، صفحہ 628-629 میں اس پر بحث کی گئی ہے۔

نتیجہ

جب علی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی پر غور کیا جائے تو ظاہر ہے کہ ان میں ایک دوسرے کے لیے محبت اور احترام کے سوا کچھ نہیں تھا اور اختلاف رائے کی بنیاد قرآن کریم کی ان کی جائز اور مستند تشریحات پر تھی۔ اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات۔ اس کے نتیجے میں وہ سب اپنے فیصلوں کا بدلہ پائیں گے۔ اس کی تصدیق صحیح مسلم نمبر 4487 میں موجود ایک حدیث سے ہوئی ہے۔ لہٰذا کسی کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان میں سے کسی پر تنقید کرے جب کہ یہ قرآن کریم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات سے واضح ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہے۔ 9 باب توبہ آیت 100:

" اور مہاجرین]اصحاب مکہ [اور انصار]اصحاب مدینہ [میں]ایمان میں [سب سے پہلے آنے والے اور وہ لوگ جنہوں نے حسن اخلاق کے ساتھ ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اور وہ اس سے راضی ہیں۔ ان کے لیے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔''

جو شخص کسی صحابی رضی اللہ عنہ کو ناپسند کرتا ہے اسے کافر ہونے سے ڈرنا چاہیے جیسا کہ کافر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناپسند کرتے ہیں، قرآن کریم کے مطابق۔ باب 48 الفتح، آیت 29:

" محمد اللہ کے رسول ہیں؛ اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر زبردست اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تم انہیں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھتے ہو، اللہ کے فضل اور]اس کی [خوشنودی کے طالب ہوتے ہیں۔ ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدہ کے اثر سے ہے]یعنی نماز[۔ تورات میں ان کی تفصیل یہی ہے۔ اور انجیل میں ان کا بیان ایک ایسے پودے کی طرح ہے جو اپنی شاخیں نکالتا ہے اور انہیں مضبوط کرتا ہے تو وہ مضبوط ہو کر اپنے ڈنڈوں پر کھڑے ہو کر بونے والوں کو خوش کرتے ہیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو جائے۔ ان سے راضی [کافر..."

جو ان کو ناپسند کرتا ہے وہ قرآن پاک میں مذکور تین کامیاب گروہوں میں سے ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں برباد ہے۔ پہلا گروہ صحابہ کرام کا ہے جنہوں نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی، اللہ ان سے راضی ہے۔ باب 59 الحشر، آیت 8:

’’ وہ غریب مہاجر جو اللہ کے فضل اور [رضامندی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے رسول کی حمایت میں اپنے گھروں اور مالوں سے نکالے گئے تھے، [بھی حصہ ہے]۔ یہی لوگ سچے ہیں۔"

دوسرا گروہ مدینہ سے آنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ ہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 9:

وہ لوگ جو مدینہ منورہ میں آباد ہوئے اور ان سے پہلے ایمان کو اپنایا۔ وہ ان لوگوں سے محبت کرتے ہیں جنہوں نے ان کی طرف ہجرت کی اور اپنے سینوں میں اس چیز کی کوئی کمی نہیں پاتے جو انہیں (یعنی ہجرت کرنے والوں کو) دی گئی ہے بلکہ وہ اپنے آپ کو ترجیح دیتے ہیں اگرچہ وہ تنگدستی میں ہوں۔ اور جو شخص اپنے نفس کی بخل سے محفوظ رہا، وہی فلاح پانے والے ہیں۔"

آخری کامیاب گروہ وہ ہیں جو مکہ اور مدینہ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کوئی منفی جذبات نہیں رکھتے بلکہ ان کے مرید ہیں۔ باب 59 الحشر، آیت 10:

جو لوگ ان کے بعد آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں اور ہمارے ان بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے پہلے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے لیے کینہ نہ رکھ، اے ہمارے رب، بے شک تو مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ "

جو بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناپسند کرتا ہے اور ان پر تنقید کرتا ہے وہ ان تینوں کامیاب گروہوں سے باہر ہے اور اس لیے دونوں جہانوں میں برباد ہے۔

جو شخص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے اس نے سچا ایمان قائم کیا۔ جس نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے واضح اور صحیح راستہ اختیار کیا، جو عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے محبت کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ کے نور سے ہدایت نصیب ہوئی، جس نے علی بن خطاب رضی اللہ عنہ سے محبت کی ابو طالب رضی اللہ عنہ نے مضبوط دستہ پکڑ لیا ہے اور جو تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کرتا ہے وہ نفاق سے پاک ہے۔

اس کے علاوہ تمام مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ وہ شکوک و شبہات اور خواہشات کی آزمائشوں میں جھک کر باغیوں کے نقش قدم پر چلنے سے گریز کریں۔ یہ تب ہی حاصل ہوتا ہے جب کوئی سچے دل سے قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھے اور اس پر عمل کرے اور اس سے ایمان کا یقین حاصل ہو جائے۔ یہ اس بات کو یقینی بنائے گا کہ وہ سیدھے راستے پر ثابت قدم رہیں گے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے پر۔ امید ہے کہ جو خلوص نیت سے ان کے راستے پر چلے گا آخرت میں ان کے ساتھ ہو گا۔
باب 4 النساء آیت 69:

" اور جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انبیاء، ثابت قدمی کرنے والے، شہداء اور صالحین کا فضل کیا ہے۔ اور بہترین ہیں وہ صحابہ کے طور پر۔"

مزید برآں علی ابن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی مبارک زندگی کا مطالعہ کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر کوششیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے وقف کر دیں۔ اس نے عملی طور پر قرآن پاک اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روایات پر عمل کرتے ہوئے اپنے زبانی اعلان ایمان کی تائید کی۔ اس نے اپنی خواہشات کے مطابق احکام کا انتخاب نہیں کیا، بلکہ اس نے اللہ تعالیٰ کے سامنے پوری طرح سرتسلیم خم کیا اور اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو پوری تندہی سے نافذ کیا اور ہر ممانعت سے پرہیز کیا۔ اس کا واحد مقصد اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا تھا اور اس کے تمام قول و فعل اسی عظیم مقصد کی طرف تھے۔ اس رویے نے اسے روحانی طور پر مادی دنیا سے الگ ہونے کی ترغیب دی، جس میں ان نعمتوں کو استعمال کرنا شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے کے لیے دی گئی ہیں، بجائے اس کے کہ وہ اپنی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور اس نے عملی طور پر اس کی تیاری کے لیے اپنی کوششیں وقف کر کے آخرت سے روحانی طور پر وابستہ ہو گئے۔ یہی وہ خصوصیت تھی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بہترین جماعت بنا دیا۔ اس حقیقت کو امام ابو نعیم الاصفہانی کی، ہلیۃ الاولیاء والطبقات الاصفیہ، روایت 278 میں بیان کیا گیا ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کو سیکھ کر اور اس پر عمل کرتے ہوئے ان کے نقش قدم پر چلیں۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہ وہ بھی دونوں جہانوں میں امن و کامیابی حاصل کریں۔

اس کے علاوہ جب ان کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن پاک اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات آنے والی نسلوں تک آسانی سے نہیں پہنچی تھیں۔ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے خون، آنسو، پسینے اور قربانیوں سے ان تک پہنچے۔ بدقسمتی سے، اس حقیقت کو آج مسلمان اکثر نظر انداز کر دیتے ہیں، کیونکہ آج کل اسلام کی تعلیمات بہت آسانی سے دستیاب ہیں۔ کوئی اندازہ لگا سکتا ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کس قدر مایوس ہوں گے اگر وہ دیکھ سکتے کہ مسلمانوں کی اکثریت اسلام کی تعلیمات کو کس طرح مسترد کرتی ہے، حالانکہ انہوں نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا کہ اسلام آنے والی نسلوں تک پہنچ سکتا ہے۔ بلا شبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کی قربانیوں کا صلہ ضرور ملے گا لیکن مسلمانوں کو اس حقیقت کو تسلیم کرنا چاہیے کہ وہ ان کے مقروض ہیں۔ یہ اقرار صرف الفاظ میں نہیں بلکہ عمل سے ظاہر ہونا چاہیے۔ اس میں خلوص دل سے قرآن پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روایات کو سیکھنا اور اس پر عمل کرنا شامل ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلیم کرنے، عزت کرنے اور ان سے محبت کرنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ بغیر عمل کے الفاظ محبت سے زیادہ منافقت کے قریب ہوتے ہیں۔

ہر مسلمان کھلے عام اعلان کرتا ہے کہ وہ آخرت میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صحبت کا خواہش مند ہے۔ وہ اکثر صحیح بخاری نمبر 3688 میں پائی جانے والی حدیث کا حوالہ دیتے ہیں، جو اس بات کی تلقین کرتی ہے کہ انسان آخرت میں ان کے ساتھ رہے گا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں سے اپنی محبت کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ وہ کس طرح اس نتیجہ کی خواہش رکھتے ہیں اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں، پھر بھی وہ انہیں بمشکل جانتے ہیں کیونکہ وہ اپنی زندگی کا مطالعہ کرنے میں مصروف ہیں۔ ، کردار اور تعلیمات۔ ایک ایسے لوگوں سے سچی محبت کیسے کر سکتا ہے جن کو وہ جانتے تک نہیں؟

اس کے علاوہ جب ان لوگوں سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ان کی محبت کا ثبوت طلب کیا جائے گا تو وہ قیامت کے دن کیا کہیں گے؟ وہ کیا پیش کریں گے؟ اس اعلان کا ثبوت ان کی زندگی، کردار اور تعلیمات کا مطالعہ اور ان پر عمل ہے۔ اس دلیل کے بغیر اعلان اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرے گا۔ یہ بالکل واضح ہے کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہتر اسلام کو کسی نے نہیں سمجھا اور ان کا یہ رویہ نہیں تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کا اعلان کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چل کر عمل کے ذریعے اپنے دعوے کی تائید کی۔ اس لیے وہ آخرت میں اس کے ساتھ ہوں گے۔

جو لوگ یہ مانتے ہیں کہ محبت دل میں ہے اور اسے عمل سے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں ہے وہ اتنا ہی بے وقوف ہے جتنا وہ طالب علم جو امتحان کا خالی پرچہ اپنے استاد کو دے کر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ علم ان کے دماغ میں ہے اس لیے انہیں عملی طور پر لکھنے کی ضرورت نہیں۔ کاغذ پر نیچے اور پھر بھی پاس ہونے کی توقع ہے۔

ایسا سلوک کرنے والا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے محبت نہیں کرتا، صرف اپنی خواہشات رکھتا ہے اور بلاشبہ انہیں شیطان نے دھوکا دیا ہے۔

یہ بات اہم ہے کہ دوسرے مذاہب کے لوگ بھی اپنے انبیاء علیہم السلام سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن چونکہ وہ ان کے نقش قدم پر چلنے اور ان کی تعلیمات پر عمل کرنے میں ناکام رہے وہ یقیناً قیامت کے دن ان کے ساتھ نہیں ہوں گے۔ اگر کوئی ایک لمحے کے لیے اس حقیقت پر غور کرے تو یہ بالکل واضح ہے۔

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے اور اس کے آخری رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی آل اور صحابہ کرام پر درود و سلام ہو۔

مکمل آڈیو بکس - نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ)رضی اللہ عنہم (کی زندگی:

https://www.youtube.com/playlist?list=PLt1Vizm7rRKaK5Vk9IdVBnpLLolh0dhYG

اچھے کردار پر 400 سے زیادہ مفت ای بکس

400 سے زیادہ مفت ای بکس: https://shaykhpod.com/books/
eBooks/AudioBooks کے لیے بیک اپ سائٹ:
https://archive.org/details/@shaykhpod

شیخ پوڈ ای بکس کے براہ راست پی ڈی ایف لنکس:
https://spebooks1.files.wordpress.com/2024/05/shaykhpod-books-direct-pdf-links-v2.pdf

https://archive.org/download/shaykh-pod-books-direct-pdf-links/ShaykhPod%20Books%20Direct%20PDF%20Links%20V2.pdf

دیگر شیخ پوڈ میڈیا

آڈیو بکس: https://shaykhpod.com/books/#audio
روزانہ بلاگز: https://shaykhpod.com/blogs/
تصویریں: https://shaykhpod.com/pics/
جنرل پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/general-podcasts/
PodWoman: https://shaykhpod.com/podwoman/
PodKid: https://shaykhpod.com/podkid /
اردو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/urdu-podcasts/
لائیو پوڈکاسٹ: https://shaykhpod.com/live/

ڈیلی بلاگز، ای بکس، تصویروں اور پوڈکاسٹوں کے لیے گمنام طور پر واٹس ایپ چینل کو فالو کریں:
https://whatsapp.com/channel/0029VaDDhdwJ93wYa8dgJY1t

ای میل کے ذریعے روزانہ بلاگز اور اپ ڈیٹس حاصل کرنے کے لیے سبسکرائب کریں:
http://shaykhpod.com/subscribe

Achieve Noble Character